ہفت روزہ
زندگی
لاہور

۱۷ تا ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ
۱۶ تا ۲۲ مارچ ۱۹۷۹ء

کمیونسٹ انقلاب کے خلاف

افغانستان کی اسلامی قوتیں متحد ہو گئیں

ٹیکسٹ بک بورڈ — مزید حقائق سے پردہ اٹھتا ہے "سکینڈل"

سی آئی اے کا "ٹاپ سیکرٹ" منصوبہ

قیمت ۳ روپے

بنام زندگی

آخر رائیونڈ کیوں؟

اپنی پارٹی میں بلامقابلہ جیتنے کے لئے مولانا شاہ احمد نورانی نے جماعتی انتخابات کے لئے رائیونڈ کو چنا ہے۔ لاہور شہر کے انتخابات کا حشر اخبارات کے ذریعے دنیا نے دیکھ لیا ہے۔ ایک مؤثر گروپ صحیح دھاندلی کا الزام لگا رہا ہے۔ جماعتی دستور کے تحت اب مولانا شاہ احمد نورانی مزید اپنی جماعت کے صدر منتخب نہیں ہو سکتے، لیکن رائیونڈ میں تبلیغی جماعت کے حوالے سے مولانا فرقہ واریت کے جذبات سامعین میں ابھار کر اپنے حق میں ہاتھ کھڑے کرائیں گے۔

اسی فرقہ واریت کی فضا میں حسبِ منشا اپنے جماعتی دستور میں ترمیم بھی کرائیں گے اور بلامقابلہ منتخب بھی ہوں گے اور جو ان کے مقابلے میں کھڑا ہوگا، اس کا حشر وہی ہوگا، جو ملک اکبر ساقی نے مولانا احمد علی قصوری اور ان کے ساتھیوں کا کیا ہے۔

(خلیل الرحمٰن، عزیز پارک، اچھرہ روڈ)

ٹیلیفون ڈائرکٹری! قابلِ توجہ

موجودہ ٹیلی فون ڈائرکٹری کے بیک ٹائیٹل پر "ایلومینیم کمپنی آف پاکستان" کا ایک اشتہار ہے۔ اس میں ایک نوجوان جوڑا دکھایا گیا ہے۔ جس نے ایک دوسرے کی کمر میں بازو حمائل کر رکھے ہیں۔ یہ ٹیلیفون ڈائرکٹری سرکاری سرپرستی میں چھپتی ہے اور یہ ان تمام گھروں میں رکھی جاتی ہے۔ جہاں ٹیلیفون لگا ہوتا ہے۔ اس تصویر کو دیکھ کر بچوں کے اخلاق پر جو اثر مرتب ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ سرکاری سرپرستی میں فحاشی کا یہ پرچار محاسبے کا مستحق ہے۔

(حاجی ظہور الٰہی، رستم پارک، لاہور)

شارجہ میں بھٹو کے ایجنٹ

یہاں بھٹو کے کچھ ایجنٹ موجود ہیں، جو وقتاً فوقتاً مختلف شوشے چھوڑ کر ملک و ملت کے خلاف غلط فہمیاں پھیلاتے رہتے ہیں، لیکن یہاں محبِ وطن پاکستانیوں کی بھی خاصی تعداد ہے جو ان کے مذموم عزائم کے سامنے بند باندھے ہوئے ہے۔ اس کے علاوہ اس سلسلے میں "زندگی" سے بھی ہمیں کافی مدد ملتی ہے۔ (گلزار حسین شارجہ، یو اے ای)

ڈائریکٹر پاپولیشن پلاننگ پنجاب توجہ فرمائیں

جنابِ والا کی توجہ اس صورتِ حال کی جانب مبذول کرنے کی استدعا کرتے ہیں جو ضلع ہذا میں جناب چودھری عبدالوحید صاحب ڈسٹرکٹ پاپولیشن پلاننگ آفیسر بہاول نگر کے طرزِ عمل اور بدعنوانیوں کی وجہ سے پیدا ہو چکی ہے اور جناب والا سے مندرجہ ذیل معاملات کی فوری تحقیقات فرمانے کی درخواست کرتے ہیں:

۱۔ آفیسر موصوف نے ہم سے ہمارے سفری بھتہ / یومیہ بھتہ پاس کرنے کے لیے ہر بل پر ۲۰ فیصد کمیشن لیا۔

۲۔ آفیسر موصوف نے مبلغ آٹھ سو روپے بسلسلہ ادائیگی کرایہ مکان ایک ایسے فرضی مالکِ مکان کو ادا کرایا جو نہ خود اور نہ ہی اس کا کوئی مکان موجود ہے۔

۳۔ صاحب موصوف اکثر و بیشتر اپنے ماتحت آفیسران کے لیے قابلِ اعتراض زبان استعمال فرماتے ہیں اور ان سے ہمیشہ اہانت آمیز رویہ اختیار کرتے ہیں۔

۴۔ صاحب موصوف سابقہ حکومتی پارٹی کے خاص آدمی ہونے کے باعث موجودہ حکومت کے خلاف سرگرمِ عمل ہیں اور اپنے ماتحت آفیسران کو بھی اپنے اتباع پر مجبور فرماتے ہیں اور ان کی طرف سے انکار پر انہیں نقصان کی دھمکی دیتے رہتے ہیں۔

۵۔ آفیسر موصوف شانِ رسالتمآبؐ میں ایسے نازیبا کلمات کہہ چکے ہیں، جن کا ذکر بھی ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔

(پاپولیشن پلاننگ آفیسران ضلع بہاول نگر)

مظلومین بنگلہ دیش

زندگی کے تازہ شمارے میں عنوانِ بالا کے تحت جناب خالد خلد کی رپورٹ نظر سے گزری جو انہوں نے "کل پاکستان مظلومین بنگلہ دیشی تبادلہ کانفرنس" منعقدہ کراچی کے سلسلے میں قلمبند کی ہے۔ اس کانفرنس کے مقررین نے مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) میں گزشتہ آٹھ سال سے امید و بیم کی کیفیت سے دوچار تین لاکھ بہاریوں کی حالتِ زار کا جو نقشہ کھینچا ہے، اس سے دل خون کے آنسو رونے پر مجبور ہے۔

(محمد امین سیٹھی، باری پارک، جڑانوالہ)

نیلام گھر...... وڈیروں کی حوصلہ افزائی

میں ہفت روزہ "زندگی" کی معرفت درخواست ہے کہ نیلام گھر کو جس میں صرف وڈیروں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، بند کر دیا جائے یا اس میں کوئی ایسی پلاننگ کی جائے، جس سے عام آدمی چھوٹے شہروں کے لوگ بھی اس میں حصہ لے سکیں۔

(شاہد اقبال تبسم۔ پاک پتن شریف)

جنرل ضیاء متوجہ ہوں

بھٹو کی سزائے موت کے سلسلے میں جنرل ضیاء الحق سے درخواست ہے کہ وہ خدائے بزرگ و برتر کے احکام کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مرحوم نواب محمد احمد خاں کی بیوہ کی دادرسی فرمائیں۔ خالقِ کائنات کا فرمان ہے کہ "جان کے بدلے جان"۔ اس سلسلے میں جان بخشی کی اپیلیں، اسلام اور انسانیت کے خلاف ہیں۔ پوری قوم آپ کے اس فیصلے کی تائید کرتی ہے۔ (اسماء ہارون، گرین ٹاؤن، کراچی)

زکوٰۃ فنڈ سے بہاریوں کو واپس لایا جائے

زکوٰۃ اور عشر کے نفاذ پر ہم جنرل ضیاء الحق کو مبارکباد پیش کرتے ہیں اور شاہ خالد، شہزادہ فہد اور شیخ زید بن سلطان کی طرف سے زکوٰۃ فنڈ میں مالی تعاون پر ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہماری درخواست ہے کہ اس فنڈ کو بنگلہ دیش میں پھنسے ہوئے ۳ لاکھ بہاری مسلمانوں کی پاکستان واپسی پر خرچ کیا جائے۔

(سینیئر نائب صدر، تحریک اتحادِ پاکستان)

مقبول بٹ کو رہا کیا جائے

آزاد کشمیر اور پاکستان کے سیاسی رہنماؤں سے درخواست ہے کہ وہ آزادیٔ کشمیر کے ہیرو خواجہ مقبول بٹ کی رہائی کے لیے کوشش کریں۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ غیر مسلم ہندوستانی حکومت سے مقبول بٹ کی سزائے موت کی معافی کی اپیلیں کر رہے ہیں، جبکہ پاکستان اور آزاد کشمیر کے کسی لیڈر نے آج تک اس مسئلے کو نہیں اٹھایا، جبکہ خواجہ مقبول بٹ نے آزادیٔ کشمیر کے لیے بڑی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔

(قیصر کاشمیری، بیس بنگلہ، آزاد کشمیر)

کمونسٹوں کی سرگرمیاں

میں آپ کے مؤقر جریدہ کی وساطت سے تمام اسلام دوست جماعتوں اور محبِ وطن شہریوں کی توجہ ایک اہم مسئلے کی مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ آج کل ایک طرف تو ملک میں مصطفےٰؐ کا چرچا ہے اور صدرِ مملکت نے کچھ اسلامی قوانین کر دیئے ہیں، جب کہ دوسری طرف موجودہ حالات سے اٹھاتے ہوئے کمونسٹ عناصر بڑے سرگرمِ عمل ہیں۔

اس سلسلے میں گوجرانوالہ شہر کا ایک کمونسٹ طالب علم لیڈر افضال انقلابی کافی عرصے سے مصروفِ عمل ہے۔ یہ ہفتہ وار کامونکی میں آتا ہے۔ وہ بہت سا کمونسٹ لٹریچر اور روسی کتابیں ساتھ لاتا ہے جو طالب علموں اور نوجوانوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اس کے بعد دیہاتوں میں جاتا ہے اور کسانوں اور مزارعوں سے ہمدردی جتا کر انہیں اپنے خیالات اور نظریات سے روشناس کراتا ہے۔

(ایک طالب علم، کامونکی، ضلع گوجرانوالہ)

کوئٹہ ٹی وی کے پروگرام

ڈراموں کا سلسلہ جب سے کوئٹہ ٹی وی سے شروع ہوا ہے، سخت واہیات اور بوگس پروگرام دیکھنے کو مل رہے ہیں۔ پہلے خدا خدا کر کے سیریز مال بند ہوا، مگر اب "ٹی وی تھیٹر" شروع ہوا ہے جس کا "بندھن" دیکھ کر دل خون کے آنسو رونے لگا۔ اس میں ایک تعلیمی ادارے کو عشق و محبت کا اکھاڑہ بنا کر اس کے تقدس کو پامال کیا گیا ہے۔ ویسے جس دن سے سابقہ حکومت کے نوازے ہوئے لوگ ٹی وی میں گھس آئے ہیں، آج تک کوئی اصلاحی اور معیاری پروگرام پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ انہوں نے تو مذموم مقاصد کے تحت مغربیت اور عریانیت پھیلانے کی ٹھانی ہوئی ہے۔ ان کے ڈراموں کے خلاف جو بلوچی میں ہوں یا اردو میں بارہا مقامی اخبارات اور رسائل میں بیانات چھپتے رہے ہیں، مگر ان صاحبان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی اور نہ ہی حکام کی طرف سے کوئی باز پرس ہوتی ہے۔

(سرفراز نواز بگٹی، ریلوے سوسائٹی، کوئٹہ)

ایک ضروری وضاحت

۲۰ جنوری ۱۹۷۹ء کو آیت اللہ خمینی کے دو نمائندگان مولانا مودودی کے نام آیت اللہ خمینی کا ایک پیغام لے کر لاہور پہنچے۔ ہوائی اڈے پر امامیہ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن، پاکستان کے ارکان کے علاوہ شیعہ علماء کرام، نمائندگان جماعتِ اسلامی اور کارکنانِ اسلامی جمعیت طلباء نے معزز مہمانوں کا استقبال کیا۔ اس موقع پر بعض اخبارات اور جریدوں نے بے خبری کی بنیاد پر ہار پہنانے کا ذکر کیا ہے جس کی ہم سختی سے تردید کرتے ہیں، کیونکہ یہ تاریخ نواسہ رسول امام حسین علیہ السلام کے چہلم کی تھی۔ اسی وجہ سے اس یومِ غم کے تقدس کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا۔ (جنرل سیکرٹری، امامیہ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن)

(باقی صفحہ ۵۹ پر)

مُدیرِ منتظم: ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی
مُدیر: الطاف حسن قریشی
مدیرانِ معاون: ممتاز عامر، رؤف طاہر

ہفت روزہ زندگی لاہور

جلد نمبر ۱۵، شمارہ نمبر ۱۲
۱۷ تا ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ
۱۶ تا ۲۲ مارچ ۱۹۷۹ء

ترتیب

الوداع سینٹو ــــــ خوش آمدید آر سی ڈی — اداریہ — ۴
اسلامی قوتیں متحد ہو گئیں — محمد عارف قریشی — ۶

افغانستان
اسلامی انقلاب کی منزل زیادہ دور نہیں — عبدالہادی احمد — ۸
ریفرنڈم کی تیاریاں — رؤف طاہر — ۱۰

ایران
گردوپیش پر کیا اثرات مرتب ہونگے — بابر سعید ملک — ۱۱

بھارت
کوسیگن ناکام لوٹے — طاہر نسیم — ۱۲

خاص مضمون
سی آئی اے کا "ٹاپ سیکرٹ" منصوبہ بے نقاب — پروفیسر عثمان غنی — ۱۶

سکینڈل
ٹیکسٹ بک بورڈ۔ مزید حقائق سے پردہ اٹھتا ہے۔ — ۲۰

سیاست نامے:۔
اسلام آباد:۔ "کرنل قذافی بھٹو کو ساتھ لے جائیں گے" — سید سبط احمد — ۲۳
کراچی:۔ این ڈی پی کا اندرونی خلفشار — اکرام غازی — ۳۵
لاڑکانہ:۔ پیپلز پارٹی افواہوں کے سہارے زندہ ہے — جی ایچ حیدری — ۳۷
تھرپارکر:۔ ہندوؤں اور قادیانیوں پر نوازشات کی بارش — ارباب عبدالمالک انیس — ۳۸
خیرپور:۔ بھٹو حکومت کی عطا کردہ محرومیوں کا نوحہ — ریاض شاہد — ۳۹
سبی:۔ یہاں قبائلی سیاست کارفرما ہے — رفیق بیگ — ۴۱

ٹائیٹل: شاہجہاں

ہمارے نمائندے

اسلام آباد: سید سبط احمد، فیاض شاہد
راولپنڈی/آزاد کشمیر: طارق محمود طارق
فیصل آباد: محی الدین احمد، فون نمبر ۲۷۰۶۸، بالمقابل گورنمنٹ کالج برائے خواتین
گجرات: قمر عباس رانا، فون نمبر ۳۶۳۹، لون انٹرپرائز سرکلر روڈ
گوجرانوالہ: بذل احمد، ۵ گوبند گڑھ، اسلامیہ کالج روڈ۔
صوبہ سرحد: عبدالہادی احمد، ۴ میونسپل فلیٹس، حاجی کیمپ پشاور۔
کوئٹہ: مسلم قریشی، فون نمبر ۴۲۰۳، معرفت تعمیر نو اسکول آرچر روڈ۔
وہاڑی: حافظ عبدالخالق، قریشی میڈیسن کمپنی، کارخانہ بازار۔

اندرونِ سندھ
حیدرآباد: محمد موسیٰ بھٹو، باب الاسلام پبلی کیشنز ٹھنڈی سڑک۔
لاڑکانہ: جی ایچ حیدری، پربھات پبلیکیشنز، بندر روڈ۔
سانگھڑ: عظمت اللہ عباسی۔
تھرپارکر: عبدالحفیظ عابد، بالائی منزل گردوارہ بلڈنگ، شاہی بازار، میرپور خاص۔
میرپور خاص: ارباب عبدالمالک انیس، مکتبہ ملی، ڈاکخانہ چوک، اسٹیشن روڈ۔

بیرونِ ملک نمائندے
کویت: سید محمد رضوی
ابوظبی: سکندر ملک، پوسٹ بکس نمبر ۳۷۴۴
بابر سعید ملک، پوسٹ بکس نمبر ۱۵۸، العین
ریاض: فرقان احمد
دبئی: منیر احمد خلیلی، پوسٹ بکس ۶۲۱
قطر: فضل ہادی سواتی، پوسٹ بکس نمبر ۲۱۲ دوحہ

مستقل کالم نگار

سلیم احمد، خافی خاں، صادق حسین
آغا اشرف، عظیم سرور، نثار الحق

کراچی بیورو

دفتر: ۱۸ ڈی بلاک، شاہراہِ قائدین بالمقابل پوسٹ آفس، پی ای سی ایچ ایس کراچی نمبر ۲۹ ۔ فون نمبر ۴۳۱۶۳۱۴
نمائندگان: اکرام غازی، خالد خلد
اشتہارات: مشتاق احمد، فون نمبر ۴۰۲۱۲۵

ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی پرنٹر پبلشر نے اردو ڈائجسٹ پرنٹرز سرکلر روڈ لاہور سے چھپوا کر ۲۱۔ ایکڑ سکیم سمن آباد لاہور سے شائع کیا

صحافت ایک بہت بڑی قوت ہے۔ جو فائدہ بھی پہنچا سکتی ہے اور نقصان بھی۔
اگر یہ ٹھیک نہج پر ہو تو رائے عامہ کی رہنمائی بھی کر سکتی ہے۔

(قائدِ اعظم)

الوداع سینٹو — خوش آمدید آر۔ سی۔ ڈی

حکومتِ پاکستان نے علاقائی دفاعی تنظیم سینٹو سے علیحدگی کا اعلان کرکے قوم کا ایک دیرینہ مُطالبہ پورا کر دیا ہے، اگرچہ عملی طور پر یہ معاہدہ پہلے ہی ختم ہو چُکا تھا اور اب اس کی حیثیت محض کاغذی رہ گئی تھی، لیکن پھر بھی یہ معاہدہ ہماری آزاد خارجہ پالیسی کے نام پر ایک بد نما داغ تھا اور ہمارے خلاف پراپیگنڈا کرنے کے لیے ہمارے دُشمنوں کو بہت بڑا لیور مہیّا کرتا تھا۔ امورِ خارجہ کے مشیر جناب آغا شاہی نے اس امر کی یقین دہانی کرائی ہے کہ اس فیصلے کے نتیجے میں رکن ممالک یعنی ترکی اور ایران سے ہمارے تعلقات متاثر نہیں ہوں گے۔ اسی طرح مبصر ممالک یعنی امریکہ اور برطانیہ سے بھی بدستور دوستی برقرار رہے گی۔

پاکستان ۱۹۵۵ء میں اس دفاعی معاہدے میں شریک ہوا تھا، اس وقت اس کا نام "بغداد پیکٹ" تھا اور ترکی، ایران اور پاکستان کے علاوہ عراق اور برطانیہ بھی اس کے باقاعدہ ممبر تھے، لیکن ۱۹۵۸ء کے انقلاب کے بعد عراق اس پیکٹ سے نکل گیا؛ چنانچہ اس کا ہیڈ کوارٹر بغداد سے انقرہ منتقل کر دیا گیا۔ اس دفاعی معاہدے کی وساطت سے شروع شروع میں پاکستان کو امریکی امداد ملتی رہی، لیکن بعد میں جب بھی کبھی پاکستان کی سالمیت کو خطرہ لاحق ہوا اور اسے اپنے دفاع کے لیے بیرونی امداد کی ضرورت پیش آئی، تو یہ معاہدہ بیکار ثابت ہوا۔ برادر اسلامی ممالک ترکی اور ایران اگرچہ ہر آزمائش میں پاکستان کے ساتھ کھڑے رہے، لیکن ان کی امداد سینٹو کی مرہونِ منت نہ تھی، بلکہ یہ اسلامی اخوت کا اعجاز تھا۔ سینٹو کے اصلی کرتا دھرتا امریکہ اور برطانیہ کسی بھی آزمائش کے وقت پاکستان کے کام نہ آئے، بلکہ پاک بھارت جنگ کے دوران میں امریکہ نے ہتھیاروں کی فراہمی پر پابندی لگا کر ہماری پیٹھ میں چھُرا گھونپنے کی کوشش کی۔ اسی طرح مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے موقع پر بھی امریکہ اور برطانیہ کا رویّہ معاہد ممالک کا سا نہ تھا، بلکہ برطانیہ تو کھُلم کھُلا جارح ملک بھارت کی پُشت پناہی کر رہا تھا۔ اس طرح سینٹو اس علاقے میں امن و سلامتی کے مقاصد پورے کرنے میں ناکام رہا۔

دوسری طرف اس معاہدے کی وجہ سے ہمیں جا و بے جا امریکی پٹھو ہونے کے طعنے سُننے پڑے اور صرف بیرونِ مُلک ہی نہیں، بلکہ خود پاکستان کے اندر بھی بہت سے لوگ امریکہ نوازی کے اس مظہر کو ہماری آزاد خارجہ پالیسی کے نام پر ایک بد نما دھبہ سمجھنے لگے۔ مسٹر بھٹو اقتدار میں آنے سے قبل سینٹو چھوڑنے کے بڑے بلند بانگ دعوے کرتے تھے اور امریکہ کے خلاف خوب نعرے لگاتے رہے۔ اپنے چھ سالہ دورِ اقتدار میں اُنہیں یہ جرأت مندانہ قدم اٹھانے کی ہمّت نہ ہوئی، بلکہ وہ خوشی سے امریکہ کی گود میں بیٹھے رہے اور آج بھی وہیں سے رحم کی اپیلیں منگوا رہے ہیں۔ بالآخر بھٹو کے جانے کے بعد ہی یہ ممکن ہوا کہ پاکستان اس کاغذی معاہدے کو خیر باد کہہ سکے۔

یہ امر خوش آئند ہے کہ پاکستان کے ساتھ ساتھ ایران کی نئی اسلامی حکومت نے بھی سینٹو کو خیر باد کہنے کا اعلان کر دیا ہے۔ ایران کی وزارتِ خارجہ کے بیان کے مطابق ایران کی عبوری انقلابی حکومت بھی اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ یہ معاہدہ رُکن ممالک کے لیے مؤثر اور قابلِ اعتبار گارنٹی نہیں بن سکا، بلکہ اس کے بجائے یہ اس علاقے کے لوگوں کے لیے غیر مفید اور نقصان دہ ثابت ہوا ہے۔ حکومت ایران نے پاکستان کا خصوصی ذکر کرتے ہوئے کہا کہ سینٹو نے پاکستان کی مدد کرنے کے بجائے اس کے لیے بین الاقوامی مشکلات پیدا کیں اور اس نے صرف بڑی طاقتوں اور سامراجیوں کے مفادات کا تحفظ کیا۔ نئی ایرانی حکومت نے اس امر کی یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ علاقائی تعاون برائے ترقی کے دیگر رُکن ممالک سے اقتصادی اور سماجی تعاون جاری رکھے گی اور غیر جانبدارانہ پالیسی پر عمل پیرا رہے گی؛ اگرچہ آر سی ڈی کے تیسرے رُکن ملک ترکی کا ردِّ عمل سامنے نہیں آیا، لیکن امورِ خارجہ کے مشیر مسٹر آغا شاہی نے بتایا ہے کہ پاکستان نے اس برادر ملک سے مشورہ کے بعد ہی یہ قدم اُٹھایا ہے۔

حکومتِ پاکستان گذشتہ کچھ عرصے سے علاقے کی جغرافیائی، سیاسی تبدیلیوں اور بین الاقوامی صورتِ حال کی روشنی میں اپنی خارجہ پالیسی کا جائزہ لے رہی تھی۔ صدر ضیاء الحق اس سلسلے میں غیر ممالک میں پاکستانی سفیروں کے علاوہ ملک کی مختلف سیاسی جماعتوں سے بھی مشورے کر چکے ہیں۔

گذشتہ کچھ عرصے سے پاکستان غیر جانبدار ممالک کی برادری سے راہ و رسم بڑھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ گذشتہ جولائی میں پاکستان بلغراد میں ناوابستہ ممالک و وزرائے خارجہ کی کانفرنس میں مہمان کے طور پر شریک بھی ہو چُکا ہے، لیکن ناوابستہ ممالک کی کلب میں داخلے کی راہ میں سینٹو کا دفاعی معاہدہ رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ اس دفاعی معاہدے کی وجہ سے ہی ہمارے ازلی دُشمن بھارت کو اس بات کا موقع ملا تھا کہ وہ ہم پر امریکی پٹھو ہونے کا لیبل چسپاں کرے اور ہمیں دُنیا بھر میں بدنام کرے۔ خود روس سے دوستی کا معاہدہ کرنے اور پاکستان کے خلاف کھُلی جارحیت کا مرتکب ہونے

کے باوجود بھارت کی غیر جانبداری پر آنچ نہیں آتی - وہ روس اور امریکہ دونوں سے فوجی امداد حاصل کرتا رہا، لیکن پراپیگنڈے کے بل پر غیر جانبدار ممالک کا لیڈر بنا رہا - اس کے برعکس پاکستان ایک کاغذی معاہدے کی بناء پر جس نے عملاً اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا، وابستگی کے بول سہتا رہا - اب جبکہ پاکستان نے وابستگی کا یہ طوق اُتار پھینکا ہے، وہ آزاد خارجہ پالیسی پر زیادہ کامیابی کے ساتھ عمل پیرا ہو سکتا ہے -

کسی بھی ملک کی خارجہ پالیسی اس کے اپنے مفاد کے تابع ہوتی ہے - اب جبکہ ہماری نئی خارجہ پالیسی تشکیل پا رہی ہے اور ہم عالمی طاقتوں کی سیاست سے الگ رہ کر اپنی راہیں متعین کر رہے ہیں، ہمیں سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانا چاہیئے - غیر جانبداری کی پالیسی اپنی جگہ درست ہے، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہونا چاہیئے کہ دوست دشمن کی تمیز کئے بغیر ہم سب کو ایک ہی پیمانے سے ناپیں اور اگر خدانخواستہ ہماری سلامتی کو خطرہ پیش آ جائے، تو ہم بے یارو مددگار رہ جائیں - اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا بہت اچھی بات ہے اور خود اعتمادی لائقِ تحسین ہے، لیکن ہم ابھی اس قدر طاقت ور نہیں ہوئے کہ ہر طرف سے بے نیاز ہو کر اپنی ڈگر پر چلتے رہیں - ہمیں اس دُنیا میں رہنا ہے اور ہم متعدد مرتبہ تلخ تجربات سے بھی دوچار ہو چکے ہیں اس لیے ہمیں سابقہ تجربوں کی روشنی میں اپنی نئی خارجہ پالیسی تشکیل دینی چاہیئے -

یہ امر خوش آئند ہے کہ برادر اسلامی ملک ایران سینٹو سے نکل کر اب آر سی ڈی پر توجہ مرکوز کرنا چاہتا ہے جو اسلامی بلاک کی ابتدائی شکل ہے - علاقائی تعاون برائے ترقی کی اس تنظیم میں کالعدم سینٹو کے تینوں اسلامی ملک ایران، پاکستان اور ترکی شامل ہیں - مشیر برائے امورِ خارجہ جناب آغا شاہی نے ایران کے حالیہ دورے سے واپس آ کر اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ ایران کی نئی اسلامی حکومت بھی آر سی ڈی میں توسیع کی خواہش مند ہے اور افغانستان اور عراق کے علاوہ بھارت کی شمولیت کے بارے میں بھی غور و خوض کر رہی ہے - پاکستان میں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا تھا کہ سابق شہنشاہ ایران کے دورِ آخر میں برادر اسلامی ملک ایران میں بھارت کو جو پذیرائی حاصل ہو گئی تھی، وہ اب انقلابی اسلامی حکومت کے بر سرِ اقتدار آنے کے بعد ختم ہو جائے گی، لیکن ایران کے وزیرِ خارجہ ڈاکٹر کریم سنجابی کی اس تجویز سے معلوم ہوتا ہے کہ سفارتی سطح پر ہم ایران کو صحیح صورتِ حال سے باخبر رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے - آل انڈیا ریڈیو نے بھی ڈاکٹر سنجابی کے حوالے سے ہی خبر دی ہے کہ ایران بھارت کو آر سی ڈی میں شامل کرنے کا خواہاں ہے - ہمیں معلوم نہیں کہ بھارت نے ایران کو کیا کیا ترغیبات دی ہیں اور کون کون سے سبز باغ دکھائے ہیں، لیکن یہ بات ہمارے لئے قابلِ افسوس ہے کہ ہم عالم اسلام اور بالخصوص ہمسایہ اسلامی ممالک کو بھارت کے اصل عزائم سے خبردار کرنے میں ناکام رہے ہیں - سیکولر ازم کا دعوے دار بھارت اسلام کے نام پر وجود میں آنے والے ملک پاکستان کو گزشتہ تیس برسوں میں دل سے قبول نہیں کر سکا، تو وہ ایران میں اسلامی انقلاب کو کیسے حلق سے نیچے اتار سکتا ہے؟ سابق شہنشاہ ایران کے دور میں بھی اگرچہ ایران بلوچستان کے حوالے سے پاکستان کے ساتھ اظہار ہمدردی کرتا رہا، لیکن اس کا مالی تعاون زیادہ تر بھارت کو حاصل رہا - شاید اسی دور کی سرمایہ کاری ایران کے لئے زنجیرِ پا ثابت ہو رہی ہے - یا ہو سکتا ہے کہ ایران کا دفترِ خارجہ ابھی تک انقلاب سے قبل کی اس تجویز سے چمٹا ہوا ہو، جس میں پاکستان کو ایران اور بھارت کے درمیان راہداری کے طور پر استعمال کرنا مقصود تھا، تاکہ تیل کی پائپ لائن ایران سے سیدھی بھارت آ سکے اس بات کا امکان بھی ہے کہ اسرائیل کو ایرانی تیل کی سپلائی بند ہونے کے بعد شاید بھارت تیل خریدنے کی پیشکش کر رہا ہو وجہ جو کچھ بھی ہو، لیکن ایران کے دل میں بھارت کے لئے نرم گوشہ ہماری وزارتِ خارجہ کے لئے کچھ اچھا سرٹیفکیٹ نہیں ہے - ضرورت اس امر کی ہے کہ سارے عالمِ اسلام کو بھارت کا حقیقی چہرہ دکھایا جائے اور اس کے گھناؤنے عزائم سے باخبر رکھا جائے - بھارت مجنونانہ طریقے سے اسلحے کے ذخائر اکٹھے کر رہا ہے اور ایران کے حالیہ انتشار کے نتیجے میں اس علاقے کا پولیس مین بننے کا خواب دیکھ رہا ہے، وہ صرف پاکستان کے لئے ہی خطرہ نہیں بن سکتا، بلکہ سارے عالمِ اسلام کے لئے دوسرا اسرائیل ثابت ہو سکتا ہے - اس لئے آر سی ڈی میں بھارت کی شمولیت کسی بھی اسلامی ملک کے لئے خوش آئند ثابت نہیں ہو گی - اگر افغانستان اور عراق کے نام بھی کسی بھارتی تجویز کا حصہ ہوں، تو فی الحال انہیں بھی سبز جھنڈی دکھانے سے اجتناب ہی بہتر ہے - ہم بڑی طاقتوں کی سیاست میں ملوث ہو کر پہلے ہی خاصا نقصان اٹھا چکے ہیں اور اسی بنا پر ہم نے سینٹو کی لعنت سے نجات پانے کا فیصلہ کیا ہے - یہ کسی طور بھی مناسب نہیں کہ علاقائی تعاون کے ادارے میں ہم امریکی اثر و رسوخ کے بجائے اب سوویت لابی کو جڑ پکڑنے کا موقع دیں - دوسرے اگر آر سی ڈی نے بالآخر مکمل اسلامی بلاک کا روپ دھارنا ہے، تو اس میں اسلام دشمن بھارت کی شمولیت چہ معنیٰ دارد -

ہم خارجہ پالیسی میں اہم تبدیلیوں کی باتیں، تو بہت کرتے ہیں، لیکن خارجہ دفتر میں کسی اہم تبدیلی کے روادار نہیں ہوتے - ہماری نئی خارجہ پالیسی بھی انہی ٹیکنوکریٹس کے سہارے چل رہی ہے، جو اسے سابقہ دور میں چلاتے رہے ہیں - شاید اس لئے عوام پاکستان کے خارجہ تعلقات میں کوئی تبدیلی محسوس نہیں کرتے ایران کے حالیہ انقلاب کے بعد دفتر خارجہ میں مکمل تطہیر کر دی گئی اور چاروں نائب وزرائے خارجہ، جو مختلف سیکشنوں کے انچارج تھے، اپنے عہدوں سے بر طرف کر دیئے گئے - ہمارے ہاں اسلامی انقلاب آنے کے بعد بھی افسر شاہی کے پرانے مہرے کام کر رہے ہیں اور بیرونی ممالک میں پاکستان کے اسلامی تشخص کا مذاق اُڑاتے ہیں - اس قسم کے سفارت کاروں کی موجودگی میں ہم کیسے توقع رکھ سکتے ہیں کہ پاکستان بالآخر ایک ماڈل اسلامی ریاست کی شکل میں ظہور پذیر ہو گا - خارجہ وزارت کا شعبہ صدر جنرل ضیاءالحق کے اپنے پاس ہے - ہم اس سے قبل بھی ان سے گذارش کر چکے ہیں کہ وہ اپنی گونا گوں مصروفیات کی بنا پر اس اہم شعبے سے پورا پورا انصاف نہیں کر سکتے - کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ پاکستان کی خارجہ پالیسی تشکیل کرتے ہوئے وہ کسی سیاسی شخصیت کو اس شعبے کا سربراہ مقرر کر دیں جو ان کی زیر ہدایت ایک اسلامی مملکت کی آزاد خارجہ پالیسی کے حقیقی خدوخال واضح کر سکے -

تره کی حکومت کے خلاف فیصلہ کن معرکہ آرائی

افغانستان کی اسلامی قوتیں متحد ہو گئیں

افغانستان میں تره کی گورنمنٹ کے خلاف مصروفِ پیکار تین مختلف دینی جماعتوں حزبِ اسلامی افغانستان، جمعیتِ اسلامی افغانستان اور حرکتِ انقلاب اسلامی افغانستان نے مشترکہ لائحہ عمل اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ گزشتہ روز لاہور میں تینوں جماعتوں کے سربراہان نے ایک مشترکہ پریس کانفرنس میں اس بات کا اعلان کرتے ہوئے واضح کیا کہ افغانستان کی ان تینوں مذہبی تنظیموں میں کابل کے حکمران ٹولے کے خلاف جدوجہد کے سلسلے میں پہلے اگر کوئی اختلاف تھا، تو وہ صرف حکمتِ عملی کا تھا جسے رفع کر لیا گیا ہے اور اب افغانستان کے سوشلسٹ حکمرانوں کے خلاف ان کی تمام مزاحمت مشترکہ ہو گی۔

حزبِ اسلامی کے امیر گل بدین حکمت یار، جمعیتِ اسلامی کے امیر بُرہان الدین ربانی اور حرکتِ انقلابِ اسلامی کے امیر مولانا نبی محمد محمدی نے یہ دعویٰ بھی کیا۔ کہ نہ صرف افغانستان کے تمام علماء اور شیوخ نے متفقہ طور پر صدر تره کی کی غیر اسلامی اور غیر جمہوری حکومت کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا ہے، بلکہ قبائلی علاقے کے دینی رہنما بھی اس جہاد میں شریک ہو چکے ہیں۔

ان رہنماؤں نے صدر تره کی کو کمونسٹ طاقتوں خصوصاً روس کا آلۂ کار قرار دیا اور کہا کہ افغانستان میں جس طرح مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا ہے، یہ سب خارجی انگیخت کا نتیجہ ہے اور افغانستان کے موجودہ حکمران ٹولے کو عوام کی حمایت قطعاً حاصل نہیں۔

ان رہنماؤں نے انکشاف کیا کہ جدوجہد کے اس فیصلہ کن مرحلے پر مخصوص مفادات کے حاصل کچھ خارجی عناصر افغانستان میں تحریکِ اسلامی کو سبوتاژ کرنے اور مجاہدین کی قربانیوں کو لاحاصل بنانے کی مذموم کوشش میں مصروف ہیں۔ دراصل ان عناصر کی خواہش ہے کہ افغانستان کے مسلمانوں کو غلبۂ اسلام کے اعلیٰ مقاصد کے حصول سے محروم کر دیا جائے اور اسی لیے وہ مختلف سازشوں کے ذریعے ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی فکر میں ہیں، لیکن ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہماری جدوجہد کا مقصد افغانستان پر کمونسٹ ٹولے کے تسلط کو ختم کر کے ملک کو ایسی اسلامی جمہوریہ میں تبدیل کرنا ہے جس کا قانونِ اساسی قرآن و سنت پر مبنی ہو اور جب تک یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا، مقدس جہاد کا سلسلہ جاری ہے۔

افغان رہنماؤں نے واضح کیا کہ ان کی اس مقدس جدوجہد میں کسی غیر اسلامی اور غیر ملکی طاقت کا ہاتھ نہیں ہے اور جو لوگ یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے ہیں، انہیں بالآخر مایوسی ہو گی۔

افغانستان اور پاکستان کے عوام کی دوستی کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ان دونوں ملکوں کے عوام آپس میں مذہبی، ثقافتی اور ملی رشتوں کی بنیاد پر منسلک ہیں۔ افغانستان کے مسلمانوں کی موجودہ تحریک افغانستان کو اسلامی جمہوریہ بنانے کے لئے ہے اور یہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی مشترکہ جدوجہد ہے۔

انہوں نے یاد دلایا کہ افغانستان کے لوگوں نے کشمیر کی جنگ میں حصہ لیا تھا، لیکن ہم پاکستان سے کسی افرادی امداد کے طلب گار نہیں کیونکہ افرادی قوت ہمارے پاس بہت ہے، مگر امداد کے اور کئی طریقے ہیں۔

افغان رہنماؤں نے بی بی سی کے اس الزام کی تردید کی کہ وہ ایک سوشلسٹ جمہوری نظام کے دعوے دار ہیں اور کہا کہ اُن کی جدوجہد کا مقصد افغانستان میں اسلامی نظام کا قیام ہے کیوں کہ کمیونزم کا راستہ روکنے کے لیے ایک اسلامی جمہوریہ کا قیام بے حد ضروری ہے۔

افغانستان کی گزشتہ اور موجودہ حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ وہاں آج تک جو بھی حکومت برسرِ اقتدار آئی، وہ کسی عوامی انقلاب کی داعی نہیں تھی بلکہ افغان فوج کی ناقص تنظیم اور اس میں موجود سوشلسٹ لابی کی پیداوار تھی۔ سابق حکمران ظاہر شاہ کے آخری دور میں اس بات کا امکان پیدا ہو گیا تھا کہ ملک میں مستحکم جمہوری ادارے وجود میں آ جائیں لیکن فوج کے کمونسٹ عناصر نے جو ملک میں جمہوریت کی بحالی کے خواہاں نہ تھے، ظاہر شاہ کا تختہ الٹ کر سردار داؤد کو مسند نشین کیا اور پھر داؤد سے مایوس ہونے پر وہ تره کی کو برسرِ اقتدار لائے۔ ظاہر ہے ان تمام تبدیلیوں میں عوام کی مرضی کو کوئی دخل نہ تھا اور یہ خارجی دباؤ اور فوج کی اندرونی شورش کے نتیجے میں برپا ہوتی رہیں۔ افغانستان کے مسلمان عوام نے اس قسم کی ہر حکومت کی مخالفت کی۔ اسی طرح موجودہ حکومت کے خلاف بھی مزاحمت کا آغاز ہو چکا ہے۔ اس سے اگلے روز افغانستان کے ان مذہبی رہنماؤں نے راولپنڈی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ اس کی رپورٹ ہمارے اسلام آباد کے نمائندے سید سبطِ احمد نے ارسال کی ہے جو درج ذیل ہے۔

"اس ہفتہ راولپنڈی میں افغانستان کی تین مذہبی جماعتوں کے رہنماؤں نے ایک پُرہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ جمعیتِ اسلامی کے امیر مولانا گل بدین حکمت یار، حرکتِ انقلابِ اسلامی کے امیر مولانا محمد نبی محمدی اور حزبِ اسلامی کے امیر برہان الدین ربانی نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ افغانستان کے صدر نور محمد تره کی کی حکومت چند شہروں تک محدود ہے اور باقی شہروں میں مذہبی جماعتوں کے مجاہدین کا مکمل قبضہ ہے۔ ہم نے ایک طویل عرصہ تک زیرِ زمین صبر آزما جدوجہد کی ہے اور اب ہم خود کو اس قابل سمجھتے ہیں کہ منظرِ عام پر آ کر کھلم کھلا جہاد میں

افغانستان کے دینی رہنما لاہور میں پریس کانفرنس سے خطاب کر رہے ہیں

حصہ لے سکیں۔ ان مذہبی رہنماؤں نے بتایا کہ ہمارے مجاہدین اب تک بہت نمایاں کامیابی حاصل کر چکے ہیں لیکن فی الحال پاکستان میں افغانستان کی جلاوطن حکومت کے قیام کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ پاکستان میں اس وقت ۳۵ ہزار افغان باشندے پناہ لئے ہوئے ہیں۔ ان مذہبی رہنماؤں نے مغربی ذرائع ابلاغ کے اس پراپیگنڈے کو بے بنیاد قرار دیا کہ افغانستان کی حکومت کے خلاف لڑنے والے مجاہدین کو حکومت پاکستان کی طرف سے امداد مل رہی ہے۔ ان رہنماؤں نے بتایا کہ پاکستان نے ہمیں صرف پناہ دی ہے اس کے علاوہ ہمیں اور کسی بھی قسم کی امداد نہیں دی گئی۔ ہم صدر ترہ کی کی فوج کا مقابلہ اپنے مقامی اسلحہ اور سرکاری فوجوں سے چھینے ہوئے ہتھیاروں سے کر رہے ہیں۔ یہ عوام کی جنگ ہے اور ہمیں ہر جگہ اس جنگ میں عوام کا بھرپور تعاون حاصل ہے۔ ہمارے مقرر کردہ کمانڈر ہر جگہ عوام کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ ہمارے مجاہدین کنڑ، نورستان، لغمان کے بیشتر علاقوں کو سرکاری فوجوں سے خالی کرا چکے ہیں ہلمند، بکتیا، سیم نگان، قندھار اور ہرات کے صوبوں میں گوریلوں کی پیش قدمی جاری ہے۔ ہم افغانستان کے مختلف علاقوں میں دو قسم کی جنگوں میں مصروف ہیں۔ پہلی منظم جنگ اور دوسری گوریلا جنگ

مجاہدین کی کمونسٹوں سے دست بدست جنگ

نورستان، کنڑ اور لغمان میں مجاہدین کمونسٹ عناصر سے دست بدست لڑ رہے ہیں، جب کہ دوسرے علاقوں میں ہمارے گوریلوں کی سرگرمیاں جاری ہیں۔

افغانستان میں لادینی عناصر کے خلاف صف آرا مجاہدین کے سربراہوں نے بتایا کہ جنگ برتر اسلحہ کے بل بوتے پر نہیں لڑی جاتی عوام کے جذبے اور آزادی کے لئے جدوجہد ہی کے زور پر بھاری اسلحہ پر بھی غلبہ پایا جاسکتا ہے۔ یہی صورتِ حال ہمارے ملک میں ہے۔ افغانستان کے تمام عوام ہمارے ساتھ ہیں، صرف مٹھی بھر غاصب روس کے اعلیٰ ہتھیاروں کے سہارے حکومت پر قابض ہیں۔ یہ صورتِ حال زیادہ عرصہ جاری نہیں رہ سکتی۔ لوگ فوج سے الگ ہو کر مجاہدین میں شامل ہو رہے ہیں۔ گذشتہ ہفتے چھ سو سے زیادہ سپاہی اور افسر مجاہدین سے مل گئے۔

ان مجاہدین کی پریس کانفرنس میں کئی غیر ملکی اخباری نمائندوں نے بھی شرکت کی۔ اسی پریس کانفرنس میں کئی افغان گوریلے بھی موجود تھے، جو اپنے رہناؤں کی حفاظت کر رہے تھے۔ ان تینوں رہنماؤں کو افغانستان کی حکومت مفرور قرار دے چکی ہے اور انہیں گرفتار کرانے والوں کو لاکھوں افغانی روپوں کا لالچ بھی دیا گیا ہے، مگر عوام اپنی آزادی کے لئے لڑنے والے مجاہدوں کے سروں کی قیمت وصول کرنے کو تیار نہیں یہی وجہ ہے کہ افغانستان کی روس نواز حکومت ایک بہت بڑے چیلنج کا سامنا کر رہی ہے۔ افغانستان کے عوام اسلامی خطوط پر حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں، جب کہ ترہ کی روس کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔

باجوڑ ایجنسی میں اہم اجتماع

جمعیتہ طلبہ عربیہ باجوڑ ایجنسی کے ممتاز دینی رہنما مولانا نور احمد مجاہد اور گوریلا لیڈر عبید اللہ اظہر نے گذشتہ روز باجوڑ میں افغانستان کے معاملات پر غور کرنے کے لئے ایک اہم اجتماع میں شرکت کی۔ اس موقع پر ان دونوں لیڈروں نے ایک مشترکہ بیان میں سرکاری فوج کی نہتے عوام پر بمباری کی مذمت کی۔

ان دونوں لیڈروں نے تمام عالم اسلام سے افغانستان کے رضاکار مجاہدین کی امداد کی اپیل کی۔ انہوں نے کہا کہ سخت سردی کے باوجود یہ مجاہدین افغان فوج سے برسرپیکار ہیں۔ مہاجرین کی ضرورت کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ انہیں گرم کپڑوں، دوائیوں اور خوراک کی شدید ضرورت ہے۔ انہوں نے مہاجرین اور رضاکاروں کو یہ اشیاء مہیا کرنے پر زور دیا۔

نیپام بموں کا استعمال

افغانستان سے فرار ہو کر لاہور پہنچنے والے ایک دینی مدرسے کے استاد خواجہ گل محمد فاروقی نے بتایا ہے کہ افغانستان میں کمونسٹوں کے عمل دخل پر اعتراض کرنے والے مسلمانوں کو مسلسل تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور جب بھی کوئی مسلمان موجودہ گورنمنٹ سے اختلافِ رائے کا اظہار کرتا ہے، اُسے یا تو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے یا قید میں ڈال دیا جاتا ہے۔ خواجہ گل محمد نے بتایا کہ وہ گنگیال کے ایک بہت بڑے مدرسے ابراہیمیہ کے معلم تھے۔ سرکاری حکام نے انہیں اپنا مدرسہ بند کر دینے کا حکم دیا، لیکن انہوں نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کیا جس کے نتیجے میں ان کے گاؤں پر فائرنگ کی گئی۔ اس کے جواب میں گاؤں کے لوگوں نے فائرنگ کی تو ایک دفعہ سوشلسٹ حکومت کے نمائندے پسپا ہو گئے لیکن اس کے بعد انہوں نے گاؤں پر نیپام بم گرانے شروع کر دیے۔ جس سے پورا گاؤں زمین بوس ہو گیا۔

تازہ ترین صورتِ حال

بی بی سی کے مطابق افغانستان میں روس کی پٹھو ترہ کی حکومت کے خلاف رضاکار مجاہدین نے جو جنگ شروع کر رکھی ہے، وہ اب افغانستان کے دو نئے صوبوں تک جا پہنچی ہے۔ رضاکار مجاہدین کی مزاحمت کا دائرہ صوبہ ہرات اور غور تک پھیل گیا ہے۔ ہرات میں مجاہدین کے ایک گروہ نے گورنر ہاؤس پر حملہ کر کے صوبے کے گورنر اور اس کے باڈی گارڈز کو شدید زخمی کر دیا اور اعلیٰ سرکاری افسر کو پکڑ کر لے گئے۔

غور کے ایک علاقے میں مجاہدین کے ساتھ سرکاری فوج کی ایک شدید جھڑپ ہوئی جس میں چھ افغانی مارے گئے ان میں ایک فوجی افسر اور ایک روسی مشیر بھی شامل ہے۔ اس موقع پر بھاری تعداد میں اسلحہ اور گولہ بارود بھی مجاہدین کے ہاتھ لگا۔

اس کے علاوہ صوبہ کنڑ میں بھی مجاہدین آزادی کو سرکاری فوج کے ساتھ ایک بڑی جھڑپ میں کامیابی حاصل ہوئی ہے اس علاقے میں انہوں نے ترہ کی کی حامی فوج پر اچانک حملہ کر کے اسے منتشر کر دیا اور اس کے بہت سے ساز و سامان پر قبضہ کر لیا۔

حکمرانی ٹولے کی کوششیں

آل انڈیا ریڈیو کے مطابق افغانستان کی انقلابی حکومت نے ملک میں زرعی اصلاحات سے متعلق ایک نیا آرڈر جاری کیا ہے۔ جس کے مطابق ایک محدود ملکیت سے زائد تمام اراضی خانہ بدوشوں اور بے زمین کاشتکاروں میں تقسیم کر دی جائے گی۔

کابل ریڈیو کے مطابق افغانستان کے نائب وزیرِ اعظم اور وزیرِ خارجہ مسٹر حفیظ اللہ امین نے ایک بار پھر پاکستان اور افغانستان کے درمیان دوستی اور تعاون کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستانی عوام کے ساتھ دوستی کے فروغ اور دونوں ملکوں کے درمیان واحد سیاسی مسئلے کا پُرامن حل تلاش کرنے کے لئے افغانستان کی کوشش سب پر عیاں ہیں اور ہمارے درمیان اس کی وسیع گنجائش موجود ہے۔

روس کی طفل تسلیاں

روس کے وزیرِ اعظم الیکسی کوسیجن نے گذشتہ روز بھارت جاتے ہوئے افغانستان کے علاقے پر سے پرواز کے دوران افغانستان کے صدر اور وزیرِ اعظم نور محمد ترہ کی کو ایک پیغام بھیجا جس میں انہوں نے امید ظاہر کی ہے کہ ترہ کی کی حکومت گذشتہ سال اپریل میں آنے والے انقلاب کے مقاصد پالے گی اور روس اور افغانستان کے تعلقات جو دونوں ملکوں میں بالترتیب بطور کامریڈ اور انقلابی قائم ہیں اور مضبوط ہوں گے، روسی وزیرِ اعظم نے افغانستان میں انقلاب اپریل کی کامیابی کو دونوں ملکوں (روس، افغانستان) کے "فعال" عناصر کی تقویت کے مترادف قرار دیا اور کہا کہ اس سے عالمی امن کی بحالی میں مدد ملے گی۔

●●

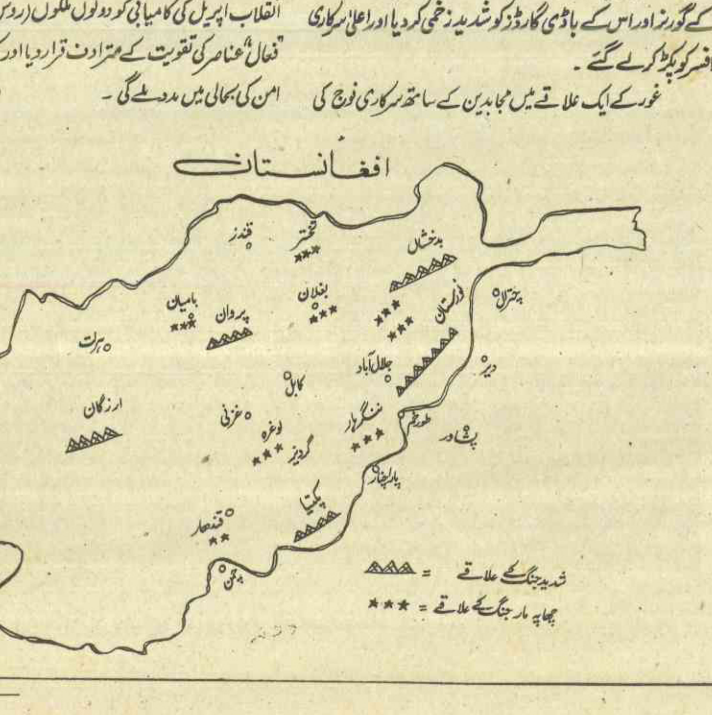

عبدالہادی احمد

افغانستان

اسلامی انقلاب کی منزل زیادہ دور نہیں

۲۷ اپریل ۱۹۷۸ء کو افغانستان میں رونما ہونے والا خونیں انقلاب، کوئی انقلاب نہ تھا، بلکہ روس نے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے کابل پر شب خون مارا تھا۔ اس شب خون کی منصوبہ بندی کے بی جی نے کی تھی اور اس کے ذریعے ایک چھوٹی سی تبدیلی عمل میں آئی۔ ایک "نافرمان ملازم" داؤد کو تختِ حکومت سے اتار دیا گیا اور دوسرے وفادار غلام کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ لیکن اس معمولی سی تبدیلی کی خاطر جس طرح انسان کشی کی گئی، ہزاروں علماء، طلبہ، تاجروں اور سرکاری ملازمین کو قتل کیا گیا، وہ اس دور کی تاریخ کا شرمناک باب ہے۔

داؤد کا تختہ الٹ کر ترہ کی نے شاید یہ سوچا کہ اپنے کچھ مخالفین کو قتل کرا دے، باقی کو جیلوں میں ڈال دے تاکہ پورے ملک پر اس کی دہشت طاری ہو جائے اور چین کی بنسی بجائے اور یہی کچھ اس نے کیا۔ دس ہزار سے زیادہ بے گناہوں کو گولی کا نشانہ بنا دیا۔ ساٹھ ہزار جیلوں میں ٹھونس دیے اور تیس ہزار سے بھی زیادہ لوگ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے باوجود کابل اور ماسکو کے حکمرانوں کی آرزو پوری نہ ہو سکی۔ جوں ہی افغانی عوام نے محسوس کیا کہ ترہ کی محض شطرنج کا مہرہ ہے اور دلفریب نعروں کے لبادے میں سرخ نظریات کو ملک پر نافذ و غالب کرنا چاہتا ہے تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور روس کے ایجنٹوں کے خلاف مسلح جد و جہد شروع کر دی۔

ترہ کی حکومت اور نورستانی مجاہدین میں پہلا معرکہ جون ۷۸ء میں ہوا اور پہلی گولی درۂ ویگل میں چلی۔ یہ درۂ وادیٔ تیچ میں واقع ہے۔ جنگ رضا کار دستوں اور ویگل کی حفاظت کرنے والے سرکاری دستوں کے درمیان ہوئی۔ سرکاری فوجی نشۂ اقتدار میں مست تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ان پر کیا افتاد ٹوٹنے والی ہے۔ مجاہدین اچانک پہاڑی بلندیوں سے اترے اور دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ شدید معرکے میں سرکاری دستوں کا صفایا کر دیا گیا۔ چار سو فوجی ہلاک یا زخمی ہوئے اور باقیوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ ویگل کے سرکاری دفاتر پر جمعیتِ اسلامی کا پرچم لہرانے لگا۔

کامدیش بستی میں سرکاری فوج کا گرفتار شدہ دستہ

نورستان میں سرکاری فوج کی رسوائی کی خبریں کابل اور ماسکو میں بڑی تشویش سے سنی گئیں۔ کابل سے ایک بڑی فوج زبردست تیاریوں کے ساتھ "باغیوں" کو سزا دینے کے لیے روانہ کی گئی۔ روسی مشیروں کی بڑی تعداد بھی اس فوج کے ہمراہ تھی۔ جنوبی علاقوں میں نہتے اور بے گناہ مسلمانوں کو کچلتی ہوئی جب یہ فوج کامدیش کے سامنے پہنچی، تو اسے توقع کے برعکس شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

نورستان کی تازہ ترین صورتِ حال

نورستان میں جون ۷۸ء سے مارچ ۷۹ء تک دس ماہ کے عرصے میں سرکاری فوجوں اور رضا کاروں میں ۲۱ شدید جنگی معرکے اور ۴۰ گوریلا نوعیت کی جھڑپیں ہو چکی ہیں۔ سرکاری فوجوں کی پوری کوشش اس میں صرف ہو رہی ہے کہ کسی طرح کامدیش اور تیچ کے آزاد علاقوں پر دوبارہ قبضہ کر لیں، مگر اب تک وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکیں۔ دو ہزار سے زیادہ سرکاری فوجی سپاہی اور افسر نورستان میں جان سے ہاتھ دھو چکے ہیں اور ایک ہزار تین سو گیارہ پکڑے گئے ہیں۔

ولائت کنڑ کے معرکے

نورستان کے فوراً بعد کنڑ میں جہاد شروع ہوا۔ تحصیل چاؤکی، درہ زار یا، شونگڑی اور دیوہ گل میں سرکاری فوجوں سے شدید جھڑپیں ہوئیں۔ علاقے کے سبھی قبائل نے بڑھ چڑھ کر جہاد میں حصہ لیا۔ یہاں چونکہ سرکاری فوجوں کے لیے رسل و وسائل کے انتظامات نورستان سے بہتر تھے، اس لیے کئی جنگوں میں ٹینک بھی استعمال ہوتے۔ بہت بڑی تعداد میں فوج بھی اس محاذ پر جھونی گئی، مگر مزاحمت کا سلسلہ تھمنے کے بجائے اور پھیل گیا۔ اب تک کے معرکوں میں صرف کنڑ کے علاقے میں ۳۶۵ فوجی سپاہی اور افسر ہلاک، ۲۰۰ سے زیادہ زخمی اور ۱۸۵ گرفتار ہوئے ہیں۔ ۶ بکتر بند گاڑیاں، متعدد ٹینک اور ۷ عام فوجی گاڑیاں تباہ کر دی گئی ہیں، جو سامانِ جنگ مجاہدین کے ہاتھ آیا، اس میں ۱۲ آرمرڈ گاڑیاں، ۲۵ جیپیں، ۱۷ بھاری مشین گنیں، ۶۷۱ لائٹ مشین گنیں اور عام گنیں،

۲۵۷ اطالوی رائفلیں، ۱۵ وائرلیس سیٹ، ۵ مارٹر اور ۲۰ کے قریب ٹینک شامل ہیں۔ ۹۳ مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا اور ۲۵۴ زخمی ہوئے۔ زخمیوں میں زیادہ تعداد عورتوں اور بچوں کی ہے جو بہیمانہ بمباری کا نشانہ بنے ہیں۔

روسی اسلحہ رضاکاروں کے قبضے میں

بکتیا کمونسٹوں کا قبرستان

کابل کے جنوب میں گردیز اور قندھار کے مشرق میں واقع علاقہ بکتیا کہلاتا ہے۔ یہی علاقہ ہے، جہاں کبھی برطانیہ کی فوجوں نے بار بار چڑھائی کی اور ہر بار منہ کی کھائی تھی اور آخر کار افغانوں کے جذبۂ حریت سے شکست مان کر افغانستان کا رُخ کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ بہادری اور جرأت کی صدیوں پرانی روایات کو دہراتے ہوئے بکتیا کے لوگ آج ترہ کی حکومت کے جبر و استبداد کے خلاف مورچے باندھے ہوئے ہیں۔ بکتیا میں مسلح مزاحمت کا آغاز اگست ۱۹۷۸ء میں ہی ہو گیا تھا، جب کچھ جیالے مجاہدین نے پہاڑوں پر بسیرا کر کے کابل کی حفاظتی فوجوں پر چھاپے مارنے شروع کئے۔ اس علاقے کی ساخت کچھ اس طرح کی ہے کہ یہاں گوریلا طرز کی جنگ مدتوں جاری رکھی جا سکتی ہے۔ بکتیا کے مجاہدین کی یہی منصوبہ بندی ہے۔ وہ اچانک کسی پہاڑی دڑے سے اترتے ہیں اور سرکاری یونٹوں کا تیا پانچہ کر کے اور ان کا اسلحہ اٹھا کر واپس اپنے ٹھکانوں پر جا پہنچتے ہیں۔ گوریلا حملوں سے گھبرا کر ترہ کی فوج نے ارگن کے مقام پر فیصلہ کن لڑائی لڑنے کا فیصلہ کیا۔ اس معرکے میں سرکاری فوج کی تعداد بھی زیادہ تھی اور ان کے پاس جدید اسلحہ بھی تھا، مگر قبائلی مجاہدوں نے ان کی ہر کوشش ناکام بنا ڈالی۔ جنگ کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۷۰ فوجی مارے گئے، ۴۷ پکڑے گئے اور بہت سے جوانوں نے اپنے ہی بھائی بندوں کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا۔ ان کا کورٹ مارشل کر کے بھاری سزائیں دی گئیں۔ اس جنگ میں ایک سو سے زیادہ لائٹ مشین گنیں، چار سو درجن کارتوس اور دوسرا اسلحہ مجاہدین کے ہاتھ آیا۔ ستمبر کے پہلے ہفتے میں گردیز کے جنوب میں ایک اور شدید معرکہ ہوا جس میں کئی روسی کمونسٹ مشیر بھی مارے گئے، کچھ زخمی ہوئے اور باقی بھاگ گئے۔ بکتیا کے معرکوں میں کابل حکومت اپنے لاتعنے وفاداروں سے محروم ہوئی کہ اگر بکتیا کو کمونسٹوں کا قبرستان کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔

ارزگان میں "اسلامی اجزیرہ"

شمال، مشرق اور جنوب کے صوبوں کے بعد مغرب کے صوبے ارزگان میں بھی ترہ کی حکومت کے خلاف عوام کی جدوجہد شروع ہو چکی ہے۔ یہاں مجاہدین کی تنظیم خاصی تاخیر سے ہوئی، اس کے باوجود کامیابی کا یہ حال ہے کہ ایک بہت بڑا علاقہ چار چنیاان کے مکمل کنٹرول میں آچکا ہے۔ اس علاقے کی آبادی ۲۵ ہزار کے لگ بھگ ہے اور یہاں ہر بستی پر مجاہدین کے پرچم لہرا رہے ہیں۔ سرکاری فوج نے اپنا تسلط بحال کرنے کے لئے کئی حملے کئے، مگر وہ درہ چمبارک سے آگے نہ بڑھ سکی۔ سرکاری فوجوں کو روکنے کے لئے سڑک کو درہ چمبارک کے پاس سے کاٹ دیا گیا ہے۔

ارزگان میں دیراوت، کجران، بغران، اجرستان، چورہ اور گزرو کے مقامات پر متعدد لڑائیاں ہو چکی ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ اب تک کی جنگوں میں ایک سو ساٹھ مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا اور سات سو پچاس کے قریب سرکاری فوجی ہلاک ہوئے۔ یہاں مسلمانوں کے جذبوں کا عالم یہ ہے کہ کئی مسلمانوں نے اپنے جوان کمونسٹ بیٹوں کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر دیا ہے، علاقے کے علماء جہاد کا اعلان کر چکے ہیں۔ ترہ کی حکومت نے فوج کو حکم دے رکھا ہے کہ کسی عالم دین کو زندہ نہ چھوڑا جائے، چنانچہ فوجی بے باکانہ مسجدوں میں گھس کر علماء کو شہید کر رہے ہیں۔ بعض علاقوں میں جہاں ترہ کی حکومت نہتے مسلمانوں پر ظلم کر رہی ہے، وہاں سے لوگ جنوب کی طرف ہجرت کر رہے ہیں اور بہت سے لوگ پہاڑوں پر چلے گئے ہیں۔ یہاں پر ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہوئی کہ ہزارہ قبائل (جن کی اکثریت شیعہ ہے) نے کھل کر مجاہدین کی حمایت کی اور جان و مال کی ہر قربانی پیش کی۔

بمباری سے تباہ شدہ ایک بستی

بدخشاں کے مجاہد اور شہید

نورستان کے شمال میں رُوس کی سرحد سے ملا ہوا صوبہ بدخشاں بھی اپنے نورستانی بھائیوں سے پیچھے نہ رہا۔ یہاں جہادِ آزادی کا آغاز ۱۱ اگست ۱۹۷۸ء کو شہر بزرگ اور کشم پر حملے سے ہوا۔ یہ دونوں مقامات بہارستان میں واقع ہیں۔ اسلحے اور ساز و سامان کے بغیر جدید اسلحے سے لیس فوجوں سے ٹکرانا معمولی جرأت نہیں، مگر نورستانیوں کی طرح بدخشانیوں کو بھی یہ حقیقت اچھی طرح معلوم ہے کہ روسی استبداد کے پنجے سے نجات کا واحد راستہ جہاد ہے، چنانچہ انہوں نے یہی راہ اختیار کی۔

بدخشانی مجاہدین بھی نورستان اور ارزگان کے مجاہدوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنا بہت سا علاقہ آزاد کرا چکے ہیں۔ بدخشان میں جن قصبوں اور دیہات پر جمعیت اسلامی کا پرچم لہرا رہا ہے، ان میں بہارک، زرد یو، سرغلان، ورڈوج، شہر بزرگ، آبریز مشہد، دیجیم اور دشت حرم قابل ذکر ہیں۔ بدخشاں میں حکومت کی وحشیانہ بمباری سے کئی بستیاں مسمار اور ڈیڑھ سو خواتین اور بچے شہید ہو چکے ہیں۔

غیر مساوی جنگ

افغان عوام کی طرف سے کمیونسٹ حکومت کے خلاف مسلح مزاحمت کے جو احوال اوپر آپ نے ملاحظہ فرمائے، ان میں ایک بات آپ نے ہر جگہ مشترک دیکھی ہو گی کہ سرکاری فوج اپنی تنظیم، اسلحے اور روسی مشاورت اور تعاون کے باوجود ناکام ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ افغانستان کی سرکاری فوج کسی قومی اور ملی جذبے اور استقامت (MORAL) سے قطعاً عاری ہے، جبکہ رضاکار ایمانی جذبوں سے سرشار ہیں اور ان کا نعرہ یہ ہے کہ روسی استعمار کے غلام بننے سے ہزار درجے زیادہ بہتر ہے کہ ان سے لڑتے ہوئے شہید ہو جاؤ۔ یہ بیسویں صدی کی سب سے غیر مساوی جنگ ہے کہ جس میں ایک طرف نہتے لوگ ہیں اور دوسری طرف حکومت اس کا جدید اسلحہ اور فوج، روس جیسی سپر پاور اور دس دوسرے کمیونسٹ ملکوں کی جانی اور مالی امداد، پھر بھی صاف نظر آتا ہے کہ اگر افغان مجاہدین نے اپنی صفوں میں ہم آہنگی اور تنظیم پیدا کر لی، تو ایران کی طرح افغانستان میں بھی انشاء اللہ اسلامی انقلاب کا سورج طلوع ہو کر رہے گا۔

●●

رؤف طاہر

ایران ــــ ریفرنڈم کی تیاریاں

"خمینی کو مخالفین کی "ریڈی میڈ لسٹ" مل جائے گی"

قمُ کے تین لاکھ باشندے تین روز سے اس مقدس شہر کی آرائش و زیبائش میں مصروف تھے۔ جناب آیت اللہ خمینی کے استقبال کے لیے سارے شہر کو دُلہن کی طرح سجایا جا رہا تھا۔ تہران سے قمُ کی جانب آنے والی تنگ سی سڑک کے دونوں طرف ہزاروں افراد اپنے محبوب راہنما کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب تھے۔ جناب خمینی موٹر کاروں کے ایک قافلے کے جلو میں اپنے آبائی شہر تشریف لا رہے تھے۔ اسی شہر سے سولہ سال قبل انہیں رضا شاہ کی مخالفت کے جرم میں گرفتار کیا گیا تھا اور پھر سالہا سال کی جلاوطنی ان کا مقدر بنی تھی۔ ان کی نیلے رنگ کی مرسیڈیز شہر میں داخل ہوئی اور اہلیانِ شہر کے جذبے بے قابو ہو گئے۔ چاروں طرف عوام کے سیلِ بے پناہ کے باعث ان کی گاڑی نے آخری ڈیڑھ میل کا فاصلہ کوئی ایک گھنٹے میں طے کیا۔ پھر وہ سنہرے میناروں والے ایک مزار پر پہنچے۔ سولہ برس قبل ان کی انقلابی آواز کو دبانے کے لیے، اسی مزار سے انہیں حراست میں لیا گیا تھا اور آج یہیں ایران کے اسلامی انقلاب کے قائد کی آواز گونج رہی تھی: "میں جانتا ہوں، قوم صرف اسلامی جمہوریہ چاہتی ہے اور ہم جدید ایران کو خالص اسلامی بنیادوں پر تعمیر کریں گے۔ جمہوریت کا لفظ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں، یہ مغربی تصور ہے اور ہم اپنے وطن سے مغرب کی ہر ہر قباحت کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ ہم اخبارات کی اصلاح کریں گے، ریڈیو اور ٹی وی کی اصلاح کریں گے اور یہ تمام ذرائع ابلاغ اسلامی خطوط پر کام کریں گے۔" اسّی سالہ راہنما کی تقریر کے آخری الفاظ تھے: "میں اپنی عمر کا بیشتر حصہ گزار چکا ہوں، اور زندگی کے باقی ایک دو سال بھی اسلامی خطوط پر ایران کی تشکیلِ جدید کے لئے وقف کر دیے ہیں۔"

ایران کی اسلامی تشکیلِ جدید کے سلسلے میں حکومت کی طرف سے تبدریج مختلف اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ گذشتہ روز تہران میں ایک اور سرکاری اعلان جاری کیا گیا، جس کے مطابق اس سال اکتوبر سے ملک میں مخلوط تعلیم ختم کر کے طلبا اور طالبات کے لئے الگ الگ تعلیمی ادارے قائم کئے جائیں گے۔ اسقاطِ حمل پر بھی پابندی عائد کر دی جائے گی۔ علاوہ ازیں وزارتِ تعلیم نے بھی نصابِ تعلیم میں دُور رس تبدیلیوں کا فیصلہ کیا ہے اور کتابوں سے سابق شاہ کا ذکر اور غیر اسلامی و غیر انقلابی اسباق خارج کر دیے جائیں گے۔ ایران میں چار نوجوانوں کو ایک طالبہ کی جبری آبرو ریزی کرنے پر گولی سے اڑا دیا گیا۔ ان پر شادی شدہ خواتین کو جبراً بے آبرو کرنے کے بعد انہیں بلیک میل کرنے کا بھی الزام تھا۔ ایران میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی خاتون کی آبرو ریزی کے مرتکبین کو سزائے موت دی گئی۔

ایک طرف عزت و آبرو کے محافظ معاشرے کی تعمیر کیلئے حکومت کی یہ پیش رفت ہے اور دوسری طرف ایران میں مغرب پرست طبقہ اپنی مادر پدر آزادی کے تحفظ کے لیے میدان میں اُتر آیا ہے۔ گزشتہ چند روز سے تہران میں بعض خواتین مظاہرے کر رہی ہیں۔ ابتدا میں یہ مظاہرے حکومت کے اس اعلان کے خلاف احتجاج تھے، جس میں خواتین سے کہا گیا تھا کہ وہ شائستگی کا خیال رکھیں اور نیم عریاں لباس پہننے سے احتراز کریں ـــ اور اب رفتہ رفتہ بات مردوں کے مساوی حقوق تک پہنچ رہی ہے۔ مظاہرے کرنے والی خواتین کو ایران میں بائیں بازو کے افراد کا تعاون بھی حاصل ہے، جو ایران کے اسلامی جمہوریہ بننے سے سخت پریشان ہیں۔

آغا شاہی کا دورہ

گزشتہ ہفتے صدر مملکت جنرل ضیاء الحق کے مشیر برائے امورِ خارجہ مسٹر آغا شاہی، ایرانی وزیرِ خارجہ ڈاکٹر کریم سنجابی کی دعوت پر ایران گئے۔ آغا شاہی کے ہمراہ جنرل کے ایم عارف اور دفترِ خارجہ کے ڈائریکٹر جنرل بھی تھے۔ پاکستانی وفد نے اس علاقے میں رونما ہونے والی تبدیلیوں اور اس ضمن میں پاکستان اور ایران کے مشترکہ اور الگ الگ ردِعمل کے متعلق ایران کے نئے حکمرانوں سے بات چیت کی اور مسٹر آغا شاہی کے الفاظ میں "ایرانی وزیرِ اعظم اور وزیرِ خارجہ کے ساتھ پاکستانی وفد کی بات چیت میں ذہنی ہم آہنگی پائی گئی"۔ پاکستانی وفد جناب آیت اللہ خمینی سے ملنے قمُ بھی گیا۔ اسّی منٹ کی ملاقات میں جناب خمینی نے پاکستان کو ایران کی طرف سے مکمل تعاون کا یقین دلایا اور پاکستانی حکومت کی طرف سے اسلامی نظام کے نفاذ پر مسرت و اطمینان کا اظہار کیا۔

ریفرنڈم کی تیاریاں

ایران میں ۳۰ مارچ کو ہونے والے ریفرنڈم کی تیاریاں جاری ہیں۔ ریفرنڈم میں وہ تمام ایرانی جن کی عمر سولہ سال سے اُوپر ہے، اس سوال کا جواب دیں گے کہ "کیا آپ ایران کے گزشتہ نظام کی جگہ ایک اسلامی جمہوریہ کا قیام چاہتے ہیں، جس کے آئین کے بارے میں کچھ عرصہ بعد قوم سے رائے لی جائے گی"۔ بیلٹ پیپر پر سبز اور سُرخ دو خانے ہوں گے۔ وہ جو اسلامی جمہوریہ کے حامی ہیں، سبز خانے میں نشان لگائیں گے اور اسلامی جمہوریہ کے مخالف سُرخ رنگ کا انتخاب کریں گے۔ امریکی جریدہ "ٹائم" کے الفاظ میں جناب خمینی کو تین کروڑ شیعان ایران کی غیر متزلزل حمایت حاصل ہے اور یہ ایران کی کُل آبادی کا ۹۰ فیصد ہے۔ "ٹائم" کے مطابق "ہر ووٹر کو اپنا نام اور پتہ بیلٹ پیپر پر لکھنا ہو گا اور یوں اسلامی جمہوریہ کے مخالفین کی "ریڈی میڈ لسٹ" جناب خمینی کو مل جائے گا۔"

آغا شاہی کے زیرِ قیادت پاکستانی وفد "بہشت زہرا" میں شہیدوں کے لئے فاتحہ خوانی کر رہا ہے

انقلابِ ایران

گردوپیش پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟

ابوظہبی سے بابر سعید ملک کا تجزیہ

نومبر ۱۹۷۸ء ہی میں یہ بات طے پاگئی تھی کہ شاہِ ایران کسی وقت ملک چھوڑ دیں گے۔ عرب حلقے اس بات کو اپنے مفاد میں نہیں سمجھتے تھے، لہٰذا بیشتر عرب ممالک نے شاہِ ایران کی حمایت کا اعلان کیا۔ اگرچہ وہ یہ جانتے تھے کہ شاہ اب چند دن کے مہمان ہیں، لیکن نفسیاتی طور پر وہ سب ان کی حمایت کرنے پر مجبور تھے۔ ۔۔۔ سب سے پہلے قطر نے شاہ کی متوقع روانگی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل کے بارے میں عرب وزرائے خارجہ سے بات چیت شروع کی۔ اور علاقے کے تمام ممالک کو ایک مشترکہ پالیسی اپنانے پر زور دیا۔ آیت اللہ روح اللہ خمینی کی آمد اور شاہِ ایران کی معزولی ایک ایسی حقیقت تھی جسے ہر عرب ملک کو تسلیم کرنا پڑا۔۔۔۔ اور آہستہ آہستہ سبھی عرب ممالک نے آیت اللہ کی حمایت کا اعلان کرنا شروع کیا۔

ایران سے بادشاہت کا خاتمہ عرب امارات میں آج بھی ایک اہم موضوع ہے ۔۔۔۔ لوگ حیران ہیں کہ یہ کیوں کر ہوا؟! ایک مضبوط مملکت یوں آیت اللہ کے ہاتھوں میں چلی آئی جسے برسوں سے اس کا انتظار تھا۔ اس میں شک نہیں کہ شاہ کے خلاف تحریک میں ہزاروں افراد مارے گئے، وسیع پیمانے پر تباہی اور بربادی ہوئی، تب شہنشاہیت کا طوق لوگوں کے گلے سے اُترا۔۔۔۔۔ اس تحریک کا آغاز دراصل جنوری ۱۹۶۲ء میں ہوا۔ جب رضا شاہ نے سفید انقلاب برپا کرنے کا اعلان کیا۔۔۔۔ زمینوں کی تقسیم اور چند کسانوں کو مالکانہ حقوق ملے، لیکن لوگ اصلاحات بڑے پیمانے پر چاہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ سفید انقلاب حقیقی انقلاب ثابت ہو اور ہر فرد اچھی طرح زندگی بسر کر سکے۔ ایسی زندگی جس کا وعدہ شاہ نے کیا تھا۔ شاہ لوگوں کی توقعات پر پورا نہ اُتر سکے۔۔۔ عوام نے اصلاحات کو رد کر دیا اور مذہبی لیڈروں نے شاہ کے خلاف عوام کو اُٹھ کھڑے ہونے کا نعرہ دیدیا اور یوں شاہ کا سفید انقلاب عوام کے لہو سے سرخ ہوا اور بالآخر رنگ لایا۔

خلیجی ریاستیں

ایران کے قریب دنیا کی امیر ترین ریاستیں قائم ہیں، ان کا متاثر ہونا فطری بات ہے۔۔۔ ایران میں جو تحریک ابھری، وہ بنیادی طور پر اسلامی نظام کے لئے تھی اور اس کے بعد غریب عوام ملکی دولت میں اپنا جائز حصہ مانگتے تھے۔ ان بنیادوں پر خلیج کی ریاستوں میں کوئی تحریک جڑ نہیں پکڑ سکتی۔ یہاں اسلامی قوانین عملاً نہ سہی کاغذی طور پر ضرور نافذ ہیں۔ دولت کی فراوانی ہے۔ ہر عرب لاکھوں میں کھیل رہا ہے۔ اس کے پاس زندگی کی تمام آسائشیں موجود ہیں۔ اگر کچھ عرب غریب ہیں بھی تو ان علاقوں کی حکومتیں ان کو لمبی مدت کے لئے بڑے قرضے دے کر کاروبار کرنے یا فیکٹریاں لگانے کی ترغیب دیتی ہیں۔ اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ حکومتیں یہ قرضے معاف کر دیتی ہیں۔

خلیج کے تمام علاقوں میں لگ بھگ ایک جیسے قوانین نافذ ہیں۔ ان کے تحت ایک عرب زیادہ سے زیادہ تین یا چار کاروباروں میں شرکت کر سکتا ہے۔ ان علاقوں میں غیر ملکیوں کی بڑی تعداد چھوٹے بڑے کاروبار کرتی ہے۔ ہر غیر ملکی کو کاروبار شروع کرنے کے لئے قانوناً کسی ایک عرب کی شراکت ضروری ہوتی ہے۔ اس طریقۂ کار کی بدولت پوری آبادی کا ایک ایک فرد کاروبار میں شریک ہو جاتا ہے اور اچھا خاصا منافع کماتا ہے ۔۔۔۔ دولت کی اس فراوانی کی وجہ سے لوگ کسی قسم کی تحریک کی طرف توجہ نہیں دیں گے اور نئے نظام کے کسی وعدے پر یقین نہیں کریں گے۔ مبادا جو کچھ انہیں حاصل ہے وہ بھی چھن جائے؛ البتہ عوامی تحریک کے بجائے فوجی انقلاب کسی تبدیلی کا باعث ہو سکتا ہے۔۔۔ اور اس نقطے کو کمونسٹوں نے کبھی نظر انداز نہیں کیا ہوگا۔

ایک بات جس پر سب متفق ہیں وہ یہ ہے کہ جوں جوں تعلیم عام ہوگی شخصی حکمرانی یا بادشاہت کے خلاف لوگوں کے ذہن تیار ہوتے چلے جائیں گے ۔۔۔۔۔ اور جذبات میں تیزی آتی چلی جائے گی۔۔۔۔ تب انہی حکمرانوں کو جنھے اپنے ملکوں میں زیادہ سے زیادہ جمہوری عمل کو فروغ دینا ہوگا۔۔۔۔ حالات کے تقاضوں کو سمجھنے والے حکمران برطانیہ کی طرز پر حکومت چلا سکیں گے، جب کہ سختی کرنے والوں کا حال رضا شاہ پہلوی جیسا ہو سکتا ہے۔

کویت اور سعودی عرب

کویت اور سعودیہ میں ایسی تحریکوں کا امکان بہت کم ہے، لیکن کویت کی پوزیشن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں پر لگ بھگ آدھی آبادی فلسطینیوں کی ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ فلسطینی جمہوریت پر یقین رکھتے ہیں۔ کچھ عرب ممالک نے تو خطرے کو محسوس کرتے ہوئے فلسطینیوں کو نوکریاں دینے سے انکار کر دیا۔۔۔ اور کچھ ان کی آمد کی حوصلہ شکنی کر رہے ہیں۔ ۔۔۔۔ کویت اب دونوں طرف سے پھنسا ہوا ہے ۔۔۔ اور فلسطینیوں کو زیادہ سے زیادہ کھپانے پر مجبور ہے، لیکن ان سے خطرہ بھی محسوس کرتا ہے؛ لہٰذا وہاں بھی کچھ نئے اقدامات کئے جا رہے ہیں۔۔۔ اگرچہ یہ اقدامات فلسطینیوں کے مفادات سے ٹکرا گئے، تو پھر کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

سعودی عرب میں فی الحال کسی تحریک کا امکان نہیں ہے۔ اس کی وجہ اس کا بڑا رقبہ اور کم آبادی ہے۔ دولت کی فراوانی ہے اور اس کا براہِ راست کسی سے بھی سیاسی جھگڑا نہیں ہے۔ اپنے علاقائی جھگڑوں سے وہ بخوبی نمٹ رہا ہے۔ مرحوم شاہ فیصل نے لاہور اسلامی کانفرنس میں ابوظبی کے ساتھ اپنے سرحدی تنازعے کو ختم کر کے سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا تھا، جبکہ یمن کے سلسلے میں بھی وہ براہِ راست دخل نہیں دے رہا۔

اردن اور مراکش

فی الحال جن دو ممالک کے حالات کو ایران کے حالات سے تشبیہ ملے گی، وہ اردن اور مراکش ہیں۔۔۔۔۔ کسی بھی تحریک کو جنم دینے کے لئے ان دونوں ممالک کی زمین بہت زرخیز ہے۔ یہاں آبادی زیادہ ہے۔ تعلیم عام ہے اور غربت ہے۔ ان حالات میں کمونسٹ اور مذہبی لیڈر دونوں اپنے اپنے طرز پر تحریکوں کا آغاز کر سکتے۔ نوجوان مذہبی لیڈروں کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھتے ہیں۔ نتیجتاً ان کا پلہ بھاری ہوگا۔۔۔ کمونسٹ معاشی مسائل کو ہوا دیں گے اور جمہوری حکومت کا نعرہ بلند کریں گے۔۔۔ اردن میں جمہوریت کی آواز اٹھانے میں یاسر عرفات اور ان کی پی ایل او اہم کردار انجام دے گی، جب کہ مراکش میں الجزائر اور لیبیا محرکین ہوں گے۔۔ یہاں یہ بات ذہن نشین ہونا چاہیئے کہ پی ایل او، الجزائر اور لیبیا تینوں روس کے زیرِ اثر ہیں۔

سوڈان اور مصر

یہ دونوں ملک آج کل ادغام کی طرف رواں دواں ہیں۔ دونوں ملک کمونسٹوں کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ دونوں حکومتوں میں سختی کا رجحان پایا جاتا ہے۔ ONE MAN SHOW کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ شاہِ ایران کی معزولی کے بعد شخصی حکومت کو سخت ٹھیس پہنچی ہے۔ جنرل نمیری اس بات کو خوب جان گئے ہیں۔ اس لیے اب وہ اختیارات زیادہ سے زیادہ وزراء میں تقسیم کر رہے ہیں، لیکن جن کمونسٹوں کو انہوں نے دبا رکھا ہے وہ اُن کی پالیسیوں کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کر کے عوام کو سڑکوں پر لانے کی کوشش کریں گے۔

مصر میں اخوان المسلمین ایک طاقتور اسلامی تحریک کی حیثیت سے کبھی لوگوں کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوئی۔ اس کا عوام سے گہرا رابطہ بھی ہے۔ ایران میں اسلامی تحریک کامیاب ہونے سے اس جماعت کو زبردست تقویت ملی ہے۔ اب یہ جماعت اپنے پروگرام کو دوبارہ ترتیب دے گی اور پھر شاید ایک ایسی تحریک اُٹھے گی جس کی چمک اور جذبے کے آگے پاکستان اور ایران کی تحریکیں بھی ماند پڑ جائیں گی۔

●●

طاہر نسیم

ڈیسائی حکومت کسی دوسری عالمی طاقت کو ناراض نہیں کرنا چاہتی

کوسیگن بھارت سے ناکام لوٹے

روس کے وزیرِاعظم الیکسی کوسیگن کا حالیہ دورہ بھارت کئی اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ہند چینی جنگ، بھارتی وزیرِ خارجہ اٹل بہاری باجپائی کے گزشتہ دورہ چین اور ایٹمی ٹیکنالوجی میں روس بھارت تعاون ایسے معاملات کو چین اور پاکستان کے دماغ غیر معمولی مسئلہ کی حیثیت میں دیکھتے ہیں۔ تاہم روسی وزیرِاعظم چین کے معاملے، ویت نام اور کمپوچیا کے مسئلہ پر مرارجی ڈیسائی کو اپنا ہمنوا بنانے میں ناکام رہے ہیں۔ دونوں رہنماؤں کے مذاکرات زیادہ تر ویت نام اور چین کی جنگ سے پیدا شدہ صورتِ حال پر مرکوز رہے۔ بھارتی حلقوں کے مطابق

بھارت دوسرا ایٹمی دھماکہ کرے گا

دونوں ممالک کے موقف میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ڈیسائی حکومت نہیں چاہتی کہ باجپائی کے دورے سے چین اور بھارت کے مابین تعلقات معمول پر لانے کی کوششوں میں جو بھی پیش رفت ہوئی ہے اس میں کوئی رکاوٹ حائل ہو جائے۔ روسی وزیرِاعظم جس جارحانہ انداز میں چین پر حملے کر رہے ہیں اس نے بھی جنتا حکومت کو پریشان کر رکھا ہے۔ اور وہ انتہاپسندی کا مظاہرہ کرنے سے گریزاں ہے۔ مذاکرات کے دوران اس امر پر بھی زور دیا گیا کہ دونوں ممالک پُرامن بقائے باہمی کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں اور علاقے میں طاقت کا توازن برقرار رکھنے اور امن قائم کرنے کے منصوبہ کو اہمیت دیتے ہیں۔

بھارت، روس دوستی اور عوامی موقف

روس اور بھارت کی برسوں پرانی دوستی اندرونی و بیرونی حالات اور واقعات سے متاثر ہو رہی ہے۔ دونوں ممالک کی سرحدوں پر تبدیل ہوتی ہوئی صورتِ حال نے بھارتی عوام کو لمحۂ فکریہ مہیا کیا ہے۔ گزشتہ کچھ عرصے سے بھارت، روس دوستی سے متعلق بھارتی عوام کے دل و دماغ میں بعض شبہات نے جنم لیا ہے۔ اب عوام میں دونوں ممالک کے درمیان دوستی کے سلسلے میں پہلے جیسی گرمجوشی دیکھنے میں نہیں آتی۔ بھارتی عوام یہ سوچتے ہیں کہ جنتا حکومت کو ملک کے اندرونی خلفشار کا حل تلاش کرنا چاہیئے اور بین الاقوامی سازشوں سے احتراز کرنا چاہیئے۔ بھارتی عوام کا موقف ہے کہ حکومت خارجہ پالیسی میں مکمل غیر جانبداری کا مظاہرہ کرے۔ عوام کے اس نقطۂ نگاہ کو ڈیسائی حکومت کے وزرا جن میں وزیرِ خارجہ اٹل بہاری باجپائی، دونوں نائب وزرائے اعظم، وزیرِ صنعت و تجارت جارج فرنانڈس، مدھو لیمے اور ایڈوانی شامل ہیں، کی مدد بھی حاصل ہے۔ یہ وزرا چاہتے ہیں کہ بھارت کسی ایک ملک سے اپنی دوستی کو اس حد تک آگے نہ بڑھائے جس سے کسی دوسرے بڑے ملک کو بدگمانی پیدا ہو۔ چرن سنگھ اور جگ جیون رام خارجہ پالیسی کی دوعملی برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔

ایٹمی ٹیکنالوجی میں روسی معاونت

دہلی کے باخبر ذرائع کے مطابق روس اور بھارت کے حکمرانوں نے ایران، افغانستان اور برِصغیر کی تازہ ترین صورتِ حال کے علاوہ ایٹمی ٹیکنالوجی میں دونوں ممالک کے مابین معاونت کے سوال پر بات چیت کی۔ روس، بھارت کو ایٹمی پروگرام پر عمل درآمد کے لیے دو سو ٹن بھاری پانی فراہم کرے گا۔ واضح رہے کہ روس یہ بھاری پانی کسی مالی معاہدے کے تحت نہیں بلکہ ۱۹۷۶ء میں دونوں ملکوں کے درمیان ہونے والے ایک معاہدے کے نتیجہ میں مہیا کرے گا۔ بھارتی حکومت نے روس کو ظاہری اور زبانی طور پر یقین دلایا ہے کہ وہ یہ بھاری پانی ایٹمی ہتھیار یا دھماکہ خیز آلات تیار کرنے کے لیے استعمال نہیں کرے گا۔ حالانکہ بھارت پاکستان کی سرحد کے قریب ایک خوفناک زیرِ زمین دھماکہ کر چکا ہے اور دوسرا ایٹمی دھماکہ کرنے کے لیے پَر تول رہا ہے۔ کوسیگن کے دورے کو زیادہ اہمیت اس لیے بھی دی گئی ہے کہ روس، بھارت کو تاراپور کا ایٹمی بجلی گھر چلانے کے لیے یورینیم مہیا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ بھارت کے اٹیمی انرجی کمیشن نے بھارت اور روس کے درمیان ایٹمی توانائی کی جدید

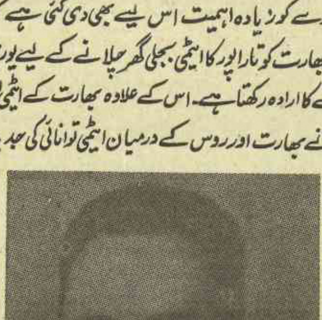

روسی امداد کو پُرامن مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے

تکنیک کے تبادلے کے سلسلہ میں جو تجاویز حکومت کو پیش کی تھیں، دونوں ممالک کے رہنماؤں نے انہیں بھی موضوعِ بحث بنایا۔ روسی حکومت کا یہ نقطۂ نظر ہے کہ اگر وہ بھارت کو ایٹمی طاقت بنانے میں کامیاب ہو جائے تو بھارتی عوام کے جذبات سے کھیلنے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔

کوسیگن ناکام لوٹے

غیر ملکی ذرائع ابلاغ کے مبصرین کا دعویٰ ہے کہ روسی وزیرِاعظم وہ مقاصد حاصل نہیں کر سکے، جن کی بنیاد پر انہوں نے بھارت کا دورہ کیا۔ بھارتی رہنماؤں کی اکثریت نے روس کے اس موقف کو

مسترد کر دیا ہے کہ اُن کا ملک امریکہ اور چین کے ساتھ اپنے تعلقات کم کرلے۔ خود جنتا حکومت کے بعض اہم وزراء روس کے اس قدر قریب نہیں ہونا چاہتے کہ جس سے دونوں بڑی طاقتیں کسی بدگمانی کا شکار ہو جائیں یا وہ ناراضی کا مظاہرہ کریں۔ اُن کا نقطۂ نظر ہے کہ وزیر اعظم ڈیسائی نے ایٹمی دھماکوں کا سلسلہ بند کر کے بنیادی غلطی کی ہے، لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ روس پر بھارتی عزائم واضح کر دیے جائیں۔ ایٹمی امداد کو پُرامن مقاصد کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔ اس نظریہ سے روسی رہنما متفق نہیں ہیں۔ جس کے باعث ڈیسائی اور کوسیگن کو مذاکرات کے مثبت نتائج حاصل کرنے میں ناکامی ہوئی۔ وزیر خارجہ باجپائی نے مذاکرات کے دوران میں واضح کیا کہ بھارت ایٹمی میدان میں اپنے سارے رستے کھلے رکھے گا۔

اس سلسلے میں بھارتی حکومت نے کوسیگن پر واضح کر دیا ہے کہ وہ کسی بھی صورت میں امریکہ یا کسی دوسری بڑی طاقت کو ناراض نہیں کرنا چاہتی۔ مبصرین نے کوسیگن کے دورے کو ناکامی سے منسوب کیا ہے اور دونوں ممالک کے درمیان تعلقات مزید کشیدہ ہونے کی پیش گوئی کی ہے۔

اندرا، بھٹو کے نقشِ قدم پر

ایک بھارتی اخبار کے مطابق صوبہ کرناٹک کے پارلیمانی حلقے چکمگلور میں ضمنی انتخابات اس سال اکتوبر میں کرائے جائیں گے۔ واضح رہے کہ اس حلقے سے گذشتہ سال نومبر میں مسز اندرا گاندھی بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئی تھیں، لیکن اُن کے خلاف مراعات شکنی کا الزام ثابت ہو جانے کے بعد سزا کے طور پر اُن کی رکنیت ختم کر دی گئی تھی۔ ہماری اطلاع کے مطابق مسز گاندھی نے اس حلقے سے دوبارہ انتخاب لڑنے کا عزم کیا ہے۔ آج کل وہ اپنے حلقے کے مُفصّل دورے پر ہیں۔ اب تک مختلف مقامات پر وہ تقریباً پچیس عوامی اجتماعات سے خطاب کر چکی ہیں۔ اکثر مقامات پر اُن کے مخالفین نے جلسوں میں ہلڑبازی کا مظاہرہ کیا اور مخالفانہ نعرے بھی لگائے تاہم معلوم ہوا ہے کہ کرناٹک کے وزیر اعلیٰ اور مسز اندرا گاندھی نے الزام عائد کیا ہے کہ جنتا حکومت کرائے کے غنڈوں کو استعمال کر کے صوبے میں امنِ عامہ کا مسئلہ پیدا کرنا چاہتی ہے، تاکہ وہ کرناٹک میں کانگریسی حکومت توڑ کر صدر راج نافذ کر سکے۔ بھارتی حلقوں کا مؤقف ہے کہ مسز اندرا گاندھی بھارتی سیاست میں وہی غیر جمہوری کردار ادا کرنا چاہتی ہیں، جو ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان میں کیا۔ اُن کا کہنا ہے کہ جس طرح بھٹو نے پاکستان کا شیرازہ بکھیرنے کی غرض سے اسے تخریب کاری اور مفاد پرستی کا مرقع بنا دیا تھا، اسی ڈگر پر مسز اندرا گاندھی چل رہی ہیں۔

اوقاف کانفرنس کی قراردادیں

گذشتہ دنوں دہلی میں دو روزہ کُل بھارت اوقاف کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کے مندوبین نے پر زور مطالبہ کیا کہ مختلف ریاستی حکومتوں، بلدیاتی اداروں، کارپوریشنوں اور نیم سرکاری اداروں نے غیر قانونی طریقوں سے وقف جائدادوں پر جو ناجائز قبضہ کر رکھا ہے، اسے فوراً ختم کروایا جائے۔ اوقاف کانفرنس جمعیت العلماء کی ایما پر بلائی گئی تھی۔ نئی دہلی سے شائع ہونے والے ایک انگریزی اخبار (RADIANCE) کے مطابق کانفرنس میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں، مسلم اداروں، مرکزی وقف کونسل کے نمائندوں اور متولیوں، علماء، ماہرینِ قانون اور معلّمین نے شرکت کی۔ اس کانفرنس کے دوران میں اوقاف کو درپیش مختلف مسائل کے بارے میں جو قراردادیں منظور کی گئیں، ہم ان میں سے چند قلمبند کر رہے ہیں، تاکہ بھارتی مسلمانوں کی دینی مشکلات سے پاکستانی مسلمان بھی آگاہ ہو سکیں۔

پہلی قرارداد میں کہا گیا ہے کہ وقف جائدادوں کی، جن میں مساجد، امام باڑے، قبرستان اور مقابر بھی شامل ہیں، وسیع پیمانے پر ناجائز ضبطیوں اور ان پر غیر قانونی قبضوں کے معاملات بھارتی مسلمانوں کے لئے تشویش کا باعث ہیں۔ یہ معاملہ اس سے بھی زیادہ پریشان کُن ہے کہ زیادہ تر قبضے حکومتی اداروں، کارپوریشنوں اور نیم سرکاری تنظیموں کی جانب سے ہیں۔ کل ہند کانفرنس نے شدید مطالبہ کیا ہے کہ اس قسم کے ناجائز قبضوں کو ختم کر کے یہ جائیدادیں اوقاف کی زیرِ نگرانی دے دی جائیں۔

ایک دوسری قرارداد میں کہا گیا ہے کہ کل ہند اوقاف کانفرنس نے مرکزی اور ریاستی وقف قوانین کے زیرِ نگرانی کام کرنے والے وقف بورڈوں کا بغور جائزہ لیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ بہت سے ریاستی وقف بورڈ اپنا منصب پورا کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ مسلمانوں کے حقوق پورے نہیں کر پائے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وقف ایکٹ انہیں مطلوبہ خود مختاری نہیں دیتا۔ کانفرنس نے مطالبہ کیا کہ ریاستی وقف بورڈوں کو مناسب انتظامی اور قانونی طاقت دینے کے لیے وقف ایکٹ میں ترمیم کی جائے۔

ایک قرارداد کے مطابق بھارت میں بہت سی مسجدیں، مقبرے، امام باڑے اور تاریخی اہمیت کی دوسری جائیدادیں مرکزی اور ریاستی آثارِ قدیمہ کے محکموں کی زیرِ نگرانی ہیں۔ کانفرنس کا مطالبہ ہے کہ مسجدیں، مقبرے اور امام باڑے تاریخی اہمیت رکھنے کے علاوہ مسلمانوں کے عبادت خانے ہیں۔ یہ انتہائی غیر مناسب ہے کہ انہیں محض نمائش گاہوں میں بدل کر مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کو ان کے بنیادی مقاصد سے دور رکھا جائے!

کانفرنس نے قرارداد منظور کی کہ بھارت میں جہاں کہیں بھی مسلمان آباد ہیں اور وہ اپنی مساجد اور قبرستان نہیں رکھتے، انہیں نماز ادا کرنے اور اپنے مُردے دفن کرنے کے لیے شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ یہ کانفرنس مطالبہ کرتی ہے کہ متعلقہ مرکزی اور ریاستی حکومتوں کو چاہیئے کہ وہ اس قسم کی جگہوں پر مسلمانوں کو ان مقاصد کے لیے مناسب زمینیں فراہم کریں تاکہ وہ اپنی مسجدیں اور قبرستان بنا سکیں۔

کانفرنس نے حکومت کو بتایا کہ یہ مسلّمہ بات ہے کہ بھارت کے مسلمان تعلیمی طور پر پسماندہ ہیں اور ان کی معاشی ابتری اس کی ایک بڑی وجہ ہے؛ چونکہ اسلام نے مسلمانوں کو زور دے کر یہ کہا ہے کہ وہ علم حاصل کریں۔ اس لیے یہ کانفرنس حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ مختلف اوقافوں سے ۶۰ فی صد آمدنی کے بجائے ۸۰ فیصد آمدنی حاصل کر کے زائد رقم کو بھارتی مسلمانوں کی تعلیم اور خوشحالی پر خرچ کرے۔

اقلیتی کمشن، ایک ڈرامہ

بھارت کی حکومت نے بھارتی اقلیتوں کی خاطر جو اقلیتی کمشن تشکیل دیا ہے، اس کے خلاف شدید ردِ عمل ہوا ہے۔ اقلیتی کمشن پر تنقید کی گئی ہے۔ اقلیتی نمائندوں نے الزام عائد کیا ہے کہ اقلیتی کمشن اقلیتوں کو بے وقوف بنانے کا نیا طریقہ ہے اور یہ ان کے خلاف ایک سازش کے مترادف ہے۔ ایسے کمشنوں کا اس وقت تک کوئی فائدہ نہیں ہے، جب تک کہ وہ اپنی سفارشات کو نافذ کرنے میں خود مختار نہ ہوں۔

ان کا کہنا ہے کہ اگر اس کمشن کو خود مختاری نہیں مل سکتی، تو بہتر ہے کہ اسے توڑ دیا جائے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اقلیتوں کے نمائندے جلد ہی وزیر اعظم ڈیسائی سے ملاقات کریں گے۔ بات چیت کی ناکامی کی صورت میں بھارت بھر کی اقلیتیں ایک منظم تحریک چلائیں گی اور مظاہرے بھی کریں گی۔

مسلم سیاسی جماعتوں کی سرگرمیاں

بھارت کے ایک اخبار کے مطابق اب بھارتی حکومت اور دیگر غیر مسلم سیاسی جماعتوں نے اُن دس کروڑ مسلمانوں کے مسلّمہ وجود کو تسلیم کر لیا ہے جو بھارتی سیاست میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اندرا حکومت کی سبکدوشی انہی غیور مسلمانوں کے قیمتی ووٹ کے نتائج میں عمل میں آئی، مگر اب جنتا حکومت بھی مسلمانوں سے خائف رہتی ہے۔ ہندو سیاسی جماعتیں یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ وہ زیادہ دیر تک مسلمانوں کے حقوق سلب نہیں کر سکتیں۔ آل انڈیا مسلم لیگ، جماعتِ اسلامی ہند اور تمام مسلم جماعتوں کی متحدہ "مسلم مجلس مشاورت" ایسی جماعتیں ہیں جو ان دنوں بھارت کے مختلف صوبوں اور ریاستوں کے سیاسی دورے کر رہی ہیں۔ مسلم رہنما جموں و کشمیر، بھارت کے مسلم اکثریتی علاقوں اور افغانستان میں رونما ہونے والے واقعات اور حالات کو موضوعِ گفتگو بنا کر بھارتی مسلمانوں کو جدوجہد تیز کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

مسلم لیگ، صوبہ کیرالہ میں سیاسی سرگرمیاں خاصی آگے بڑھانے میں کامیاب ہوتی ہے۔ صوبہ تامل ناڈو کی مخلوط وزارت میں مسلم لیگ کا ایک نمائندہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ جماعتِ اسلامی ہند تعلیم یافتہ مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہے اور عام مسلمانوں کے بنیادی مسائل حل کرنے سے متعلق منصوبوں پر تیزی سے عمل پیرا ہے۔ یہ دیگر تمام مسلمان جماعتوں سے زیادہ فعّال اور مؤثر جماعت سمجھی جاتی ہے۔ جہاں تک "مسلم مجلس مشاورت" کا تعلق ہے یہ جماعت مسلمانوں کے بنیادی حقوق کے تحفظ اور ان کی ترقی و خوشحالی کے لیے بڑھ چڑھ کر کام کرتی ہے۔ اس کے صدر مفتی عتیق الرحمان ہیں۔ انہوں نے بھارتی مسلمانوں کے مسائل حل کرانے کی غرض سے کئی بار حکومت سے مذاکرات بھی کیے، لیکن متعصب ہندو جماعتیں ہر اس اقدام پر شدید نکتہ چینی کرتی ہیں جو مسلمانانِ ہند کی فلاح و بہبود کے لیے مسلم رہنما مطالبے کی صورت میں اٹھانے کی سعی کرتے ہیں۔

پروفیسر ایم۔ ایس میر

ٹریڈ یونین اِزم مسئلہ بن گیا

برطانیہ میں ہڑتالیں ہی ہڑتالیں

روزنامہ "آبزرور" لندن کے چار فروری کے شمارے میں خبر شائع ہوئی کہ لورپول میں وفات پانے والے ایسے افراد کی تعداد ۲۵۰ تک پہنچ گئی ہے، جن کی لاشیں دفن ہونے کے انتظار میں شہر کے برف خانوں میں پڑی ہوئی ہیں یہ افسوسناک صورتِ حال اس لیے پیش آئی کہ گورکنوں نے واجبات میں اضافے کے لیے ہڑتال کر رکھی ہے۔ انہوں نے دھمکی دی ہے کہ جب تک ان کے مطالبات تسلیم نہیں کیے جاتے وہ قبریں نہیں کھودیں گے۔ اسی طرح مانچسٹر میں بھی پچاس لاشیں دفن ہونے کے انتظار میں کولڈ سٹوریج میں پڑی ہوئی ہیں۔ وہاں بھی گورکنوں کی یونین نے ہڑتال کر رکھی ہے۔ اگرچہ میونسپل حکام یونین کے عہدے داروں کو یقین دلا رہے ہیں کہ وہ ان کے مطالبات پر گفت و شنید کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن عہدے داروں کا مطالبہ ہے کہ وہ گفت و شنید نہیں بلکہ مطالبات کی فوری منظوری چاہتے ہیں۔ میونسپل حکام اور گورکنوں کی اس باہمی چپقلش میں بیچارے مُردے خواہ مخواہ رگڑے جا رہے ہیں۔

روزنامہ "آبزرور" نے اس شمارے میں میڈیکل سٹاف کی متوقع ہڑتال کی خبر بھی شائع کی ہے جس کی وجہ سے بیسیوں ہسپتالوں کے بند ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ اخبار کے رپورٹر نے اطلاع دی ہے کہ میڈیکل سٹاف کی ٹریڈ یونین اور محکمہ صحت کے حکام کے درمیان گفت و شنید ناکام ہو جانے کی بنا پر لندن کے سترہ ہسپتال بند ہو جانے کے خطرے سے دوچار ہیں بنگل ٹن ہسپتال کے سات قلیوں کی معطلی کے خلاف ۱۷۰۰ ہسپتال ورکروں نے جلوس نکالا جس میں باورچی صفائی کرنے والے اور بوائلر شامل تھے۔ انہوں نے دھمکی دی ہے کہ ان کی یہ ہڑتال پورے ملک کی ہیلتھ سروسز کو مفلوج کر سکتی ہے۔ ڈربی شائر کے چار سو ایمبولینس ڈرائیوروں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ صرف ایمرجنسی کے لیے گاڑی لائیں گے۔ ان ڈرائیوروں کی ٹریڈ یونین اپنے ہڑتالی بھائیوں کی ہمدردی میں میدان میں اتر آئی ہے۔

ہسپتالی ملازمین کی ہڑتال سے عہدہ برا ہونے کے لیے سوشل سروسز کے سیکرٹری مسٹر ڈیوڈ ڈانیلز نے رضاکاروں کو تیار رہنے کا حکم دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کارکنوں کی ہڑتال کی صورت میں رضاکاروں کو حق حاصل ہے کہ وہ ان کی جگہ سنبھال لیں۔ اندازہ ہے کہ تقریباً ایک لاکھ رضاکار ہیلتھ سروسز میں کام کرنے کے لیے تیار ہیں۔

شعبہ آب کے کارکنوں کی ملک گیر ہڑتال بھی شروع ہونے والی ہے۔ سرکاری ملازمین کی نیشنل یونین کے ۳۴۰۰۰۰ ممبران میں سے دس ہزار ممبر شعبہ آب سے تعلق رکھتے ہیں اور انہوں نے تنخواہوں میں حسبِ منشا اضافہ نہ ہونے کی بنا پر ہڑتال کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہڑتال پر جانے سے قبل یونین کے عہدیدار حکومت سے یقین دہانی چاہتے ہیں کہ اگر ان کی ہڑتال کے دوران میں گیس اور بجلی کے شعبوں میں کام کرنے والے کارکنوں کو بہتر معاوضہ دینے کا فیصلہ ہو گیا، تو شعبۂ آب کے کارکنوں کو کام پر واپس آنے گیس اور بجلی کے کارکنوں کے مساوی معاوضے طلب کرنے کا حق حاصل ہو گا، کیونکہ ان کے نزدیک ہر سہ شعبہ کے کارکنوں کے کام کی نوعیت ایک سی ہے۔

دریں اثنا وزیرِ اعظم مسٹر کالیہان نے نیوکیسل میں ٹریڈ یونین کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اپیل کی کہ کانفرنس ملک کو ہڑتالوں کے بحران سے نکالنے میں تعاون کرے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ حکومت واجبات میں مناسب اضافہ تسلیم کرنے پر تیار ہے۔ انہوں نے کہا ٹریڈ یونین کی تحریک کو سوداکاری کے طور طریقے تبدیل کرنے ہوں گے۔ ورنہ ملک ہڑتالوں کے بحران میں ڈوب جائے گا۔ تقریر کے دوران میں متعدد مرتبہ اُن پر آوازے کسے گئے اور نکل جاؤ، نکل جاؤ کے نعرے لگائے گئے۔ مسٹر کالیہان نے کہا کہ آج کل برطانیہ میں پچھلا معاہدہ ختم ہونے سے پہلے ہی ہڑتال شروع کر دی جاتی ہے جو ایک غلط اقدام ہے، کیونکہ قانون کی رو سے ورکر نے طے شدہ معاہدے کے دوران میں ہڑتال نہیں کر سکتے۔ اسی طرح نئے معاہدے کے لئے گفت و شنید سے پہلے ہی ہڑتال کر دی جاتی ہے یا گفت و شنید کے دوران میں ہڑتال کی دھمکی دے دی جاتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ سارے اقدام ٹریڈ یونین ازم کی روح کے خلاف ہیں۔

یہ ساری خبریں ایک ہی روز کے اخبار سے لی گئی ہیں، انہی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ برطانیہ آجکل کس جان لیوا مصیبت میں مبتلا ہے۔ ٹریڈ یونین ازم بجائے خود کوئی بُری بات نہیں ہے اور کارکنوں اور مزدوروں کو بھی اپنے جائز مطالبات منوانے کے لیے جدوجہد کا حق حاصل ہے،

اساتذہ ہڑتال پر — امتحانی مرکز میں فوجی نگرانی کر رہے ہیں

لیکن اگر ٹریڈ یونین ازم اپنی حدود سے تجاوز کر جائے تو پھر دہی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے جس سے آجکل دنیا کی یہ پانچویں بڑی طاقت دوچار ہے۔ اس وقت برطانیہ صنعتی جھگڑوں اور ہڑتالوں کی وجہ سے تاریخ کے نازک ترین بحران کا سامنا کر رہا ہے، ڈاکٹر ہڑتال پر ہیں۔ استاد احتجاج کر رہے ہیں۔ ریلوے یونین نے ہڑتال کا نوٹس دے رکھا ہے۔ عملہ ڈاک کی ہڑتال کی وجہ سے خطوط کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ گورکنوں نے مُردوں کو دفن کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ شہری عملہ صفائی اجرتوں میں اضافے کا مطالبہ منوانے کے لیے کام پر نہیں آتا۔ غرضیکہ زندگی کا کوئی ایسا شعبہ باقی نہیں بچا جو ہڑتال کی آفت سے محفوظ ہو۔

بعض مبصرین کا خیال ہے کہ آئندہ انتخابات میں قدامت پسند پارٹی کی جیت کی توقع ہے، اس لیے ٹریڈ یونین لیبر پارٹی۔ جو مزدوروں کی حامی خیال کی جاتی ہے، زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کر لینا چاہتی ہیں۔ اس سے ہڑتالوں کا ایک سیلاب آگیا ہے جس سے برطانیہ کی اقتصادیات ہی نہیں، بلکہ برطانوی قوم کا کردار بھی ایک سنگین صورتحال سے دوچار ہو گیا ہے۔ کسی زمانے میں سلطنت برطانیہ دنیا کی نمبر ایک طاقت شمار ہوتی تھی اور اس پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا، لیکن دوسری جنگ عظیم کے بعد تمام غیر ملکی مقبوضات ایک ایک کر کے اس کے ہاتھ سے نکل گئے۔ یہاں تک کہ یہ دنیا کی پانچویں طاقت بن کر رہ گئی، لیکن صنعتی ترقی کی بنا پر اس کی اقتصادی حالت خاصی مضبوط تھی اور بیرونی مقبوضات ہاتھوں سے چھن جانے کے باوجود انگریزوں کا معیارِ زندگی برقرار تھا۔

ترقی یافتہ ممالک اگر صنعتی پیداوار برقرار رکھیں، تو بڑے چین سے زندگی گزار سکتے ہیں، لیکن برطانیہ کو ٹریڈ یونین ازم کا ایسا کینسر لاحق ہو گیا، جس سے اس کی صنعتی پیداوار متاثر ہوئی۔ یہاں تک کہ اقتصادی لحاظ سے برطانیہ اب دنیا کی ساتویں طاقت شمار ہوتی ہے۔

غیر ملکی اخبار انگریزوں کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ ایک اخبار کے مطابق عقل و دانش کے میدان میں قیادت کی دعوے دار برطانوی قوم آج کل پاگل ہو گئی ہے۔ بعض اخبارات برطانیہ کو یورپ کا مرد بیمار قرار دے رہے ہیں۔ خود برطانوی قوم اس صورتِ حال سے سخت متوحش ہے اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس بحران سے کیسے نجات پائے۔ قدامت پسند پارٹی کی لیڈر مسز تھیچر نے پچھلے دنوں بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ ہماری ٹریڈ یونینوں کا رویہ بہیمانہ اور غیر انسانی ہے۔ انہیں مردوں پر بھی رحم نہیں آتا۔ گورکنوں کی ہڑتال کی وجہ سے محکمۂ صحت کے لیے مُردوں کو محفوظ رکھنا مشکل ہو گیا ہے اور حکومت اب اس بات پر سوچ بچار کر رہی ہے کہ اگر گورکنوں کی ہڑتال جلد ختم نہیں ہوتی، تو مُردوں کو سمندر میں بہا دیا جائے۔

مسز تھیچر نے کہا:

"بعض یونینیں پوری قوم کے ساتھ آمادۂ پیکار ہیں۔ حالت یہ ہو گئی ہے کہ ہم اپنے مرنے والوں کو عزت سے دفن بھی نہیں کر سکتے۔ ہماری بنیادی آزادیاں چھینی جا رہی ہیں۔ بیماروں کی تکلیف اور دکھ کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اور ان کے مصائب میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ بچوں اور بوڑھوں کا جینا حرام کر دیا گیا ہے۔ اگر صورتِ حال یہی رہی تو خدا کی قسم! میں ایسے عناصر کے خلاف جنگ کروں گی۔"

برطانوی عوام اب روز بروز کی ہڑتال سے تنگ آ گئے ہیں، لیکن ٹریڈ یونینوں نے عوام کو بے بس کر رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک عوام میں اتحاد قائم نہ ہو جائے، وہ ان ٹریڈ یونینوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اپنے اپنے طور پر ہر شخص ہڑتال کرنے والوں کے خلاف غم و غصے کا اظہار کرتا رہتا ہے۔ لندن کے ایک نامور ڈاکٹر نے اعلان کیا ہے کہ وہ ہڑتالی یونین کے کسی رُکن کا علاج نہیں کرے گا۔ سیاسی لیڈروں کی بے بسی یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ وزیرِ اعظم مسٹر کالیہان نے ٹریڈ یونینوں کو پیش کش کی ہے کہ وہ آگے آئیں اور ملک کی زمامِ کار سنبھال کر مزدوروں کے مطالبات پورے کریں۔

ٹریڈ یونینوں اور ان کے ہڑتالی ممبروں کے خلاف لوگوں کا غم و غصہ اس قدر بڑھ چکا ہے کہ اب فرانس جرمنی اور سویڈن وغیرہ ممالک سے ٹریڈ یونین لیڈر لندن آ آ کر یہاں کے یونین لیڈروں کو سمجھا رہے ہیں کہ خدارا اپنی ضد سے باز آجاؤ اور ٹریڈ یونین ازم کے نام کو بٹہ نہ لگاؤ۔ ورنہ لوگ یونین کے نام سے ہی نفرت کرنے لگیں گے اور ٹریڈ یونین ازم گالی بن کر رہ جائے گا۔

گروہی اور طبقاتی مفاد بڑی اہمیت رکھتا ہے، لیکن ایک چیز اس سے بھی اہم ہے اور وہ ہے قومی یا اجتماعی مفاد۔ جب ایک طبقہ یا گروہ اپنے مفاد میں اس قدر اندھا ہو جائے کہ اسے قومی یا اجتماعی مفاد کی بھی کوئی پرواہ نہ رہے، تو اس سے قومی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ خدانخواستہ اگر برطانیہ ہی برباد ہو جائے، تو یہ یونینیں کہاں رہیں گی، اور ان کے مطالبات کہاں جائیں گے۔

پچھلے دنوں برطانیہ کے ایک شہر میں عملہ صفائی نے ہڑتال کر رکھی تھی جس کی وجہ سے شہر میں کوڑے کباڑ کے انبار لگ گئے تھے۔ گندگی کی وجہ سے کہیں سے چند چوہے نکل آئے۔ انگریز چوہوں سے بہت ڈرتے ہیں، کیونکہ وہ پلیگ کے وبائی مرض کا مزا چکھ چکے ہیں، چنانچہ چوہوں کے نکلنے سے شہر میں سراسیمگی پھیل گئی اور ہر شخص طاعون پھوٹ پڑنے کے خطرے سے کانپنے لگا۔ عملہ صفائی نے محسوس کیا کہ اگر شہر میں طاعون پھیل گیا، تو اس سے ہم بھی محفوظ نہیں رہ سکیں گے، چنانچہ انہوں نے فوراً ہڑتال ختم کر کے صفائی شروع کر دی۔

اسی ایک مثال سے واضح ہو جاتا ہے کہ اگر کسی گروہ یا طبقے کے گناہوں کی پاداش میں پوری سوسائٹی کا وجود خطرے میں پڑ جائے، تو اس سے وہ طبقہ گروہ بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا لیبر لیڈروں کو سب سے پہلے ملکی اور قومی مفاد دیکھنا چاہیے۔ پھر اس کے بعد گروہی اور ذاتی مفاد کا نمبر آتا ہے۔ اگر لیبر لیڈر اپنے مفاد میں اندھے ہو کر ملکی مفاد کو نقصان پہنچانے پر تل جائیں، تو اس سے ٹریڈ یونین ازم کے خلاف نفرت پیدا ہو گی اور عوام یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ "ٹریڈ یونین پر پابندی لگا دو اور لیبر لیڈروں کو ختم کر دو۔"

●●

رُستم سہیل

یہودیوں نے ایران کو لوٹ لیا

ایران میں یہودی، مارکوپولو (ایک یورپی سیاح) سے بھی پہلے کے آباد تھے۔ یہودی مارکوپولو کے عہد سے قبل بغداد، ایشیائے کوچک ہندوستان اور چین کے درمیان ایران کے ساتھ ہونے والی تجارت کی اہم کڑی تھے، ان کی یہ حیثیت اب تک قائم تھی۔ انہوں نے ایران کی تجارت پر مکمل اجارہ داری قائم کر رکھی تھی اور ایران کی درآمدات و برآمدات پر بھی قابض تھے۔ ایران میں شاہ کے خلاف عوامی تحریک کے آخری ایام میں ——— یہودیوں کے انخلار کی رفتار تیز ہو گئی۔ دس فروری تک ستائیس ہزار یہودی ایران سے باہر جا چکے تھے۔ ایک اندازے کے مطابق ایران میں یہودیوں کی کل تعداد ۰، سے ۹۰ ہزار کے درمیان تھی۔ ان میں سے تقریباً پندرہ ہزار یہودی امریکہ اور یورپ پہنچ چکے ہیں۔ باقی یہودیوں نے اسرائیل کا رُخ کیا۔ اسرائیلی حکومت نے ان میں سے دو ہزار افراد کو تسلیم شدہ تارکینِ وطن اور باقی کو سیاحوں کے طور پر اپنے ملک میں قیام کی اجازت دے دی ہے۔ ایران سے جانے والے بہت سے دولت مند یہودیوں نے اپنے بچّوں کو پہلے ہی اسرائیل بھیج دیا تھا۔ اسرائیل کے سکولوں میں اس طرح کے ایک ہزار سے زائد یہودی بچّوں اور تین ہزار سے زائد دوسرے نوجوانوں کو فرانس اور سوئٹزرلینڈ کے سکولوں میں داخلے مل چکے ہیں۔

ایران سے جانے والے بعض یہودی خاندان اپنے ساتھ جو دولت اور قیمتی ساز و سامان لے گئے ہیں، اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایران کی معیشت میں انہیں بہت اہم مقام حاصل تھا۔ یہ لوگ طیاروں کے ذریعے اتنی زیادہ دولت اپنے ساتھ لائے کہ تل ابیب کے ہوائی اڈّے پر اسرائیلی کمپنی ایل آل کے عملہ نے ان کے اثاثوں کی حفاظت کی ذمہ داری لینے سے انکار کر دیا۔ جب اسرائیلی کسٹمز کے حکام نے ایرانی یہودیوں سے سامان پر کسٹم رائج شدہ ریٹ کے مطابق وصول کرنا چاہا، تو انہوں نے احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ ہم تو پوری دنیا کی دولت سمیٹ کر اسرائیل لا رہے ہیں جس سے اسرائیل کی معیشت مضبوط ترین ہو جائے گی۔ اس پر ہمیں خاص رعایت ملنی چاہیے، چنانچہ اسرائیلی حکام نے اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کی اور نئے اسرائیلیوں کو کسٹم ڈیوٹی کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ تل ابیب کے ہوائی اڈّے پر ان کے بکس کھولے گئے، تو ان میں سونے کی سلاخیں، قیمتی جواہرات اور بھاری مالیت کی غیر ملکی کرنسیاں پائی گئیں۔ ایک اسرائیلی افسر کے مطابق پچھلے چند ہفتوں کے دوران میں ایران سے آنے والے یہودی کم از کم پینتیس ہزار قیمتی ایرانی قالین اسرائیل لا چکے ہیں۔ ان قالینوں پر سونے کی تاروں سے مرصع کاری کی گئی ہے اور ان قالینوں کی مالیت چار سے ساڑھے چار کروڑ ڈالر کے درمیان ہے۔ اسرائیل آنے والے بہت سے ایرانی یہودیوں نے اپنے نقد اثاثے اسرائیل کے بنکوں میں جمع کر دیے ہیں۔ اس طرح صرف ایک اسرائیلی بنک کے جمع شدہ اثاثوں میں صرف چند ہفتوں میں تین کروڑ ڈالر کا اضافہ ہوا۔ اس سے یہ اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے کہ یہودی خواہ کہیں بھی ہوں، ان کی ہمدردیاں اسرائیل سے ہیں۔

ہمارے بعض سیاستدان بھی دشمن کے ہاتھوں میں تو نہیں کھیل رہے ہیں؟

احیائے اسلام کی عالمگیر تحریک کے خلاف

سی آئی اے کا "ٹاپ سیکرٹ" منصوبہ

امریکی مجلہ "ٹائم" نے اپنے ۱۵ جنوری کے شمارے میں ایک تفصیلی مضمون "کریسنٹ آف کرائسس" کے عنوان سے لکھا ہے جس میں تفصیل کے ساتھ اس نے ترکی، ایران، افغانستان، پاکستان، مصر، سعودی عرب اور مشرق اوسط کے بعض دوسرے ممالک کے حالات کا تجزیہ اپنے مخصوص نقطۂ نظر سے کیا ہے۔ اس مضمون میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ مسلمان ملک ایک ایسے بحران سے گزر رہے ہیں، جو ان کے وجود کے لئے انتہائی خطرناک ہے، اس مضمون کو پڑھتے ہوئے اس اضطراب کا صاف پتہ چلتا ہے۔ جو یہودی پریس اور یہودی لابی کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی اس عظیم تحریک سے لاحق ہے جو اس وقت مندرجہ بالا ممالک میں بھی کام کر رہی ہے اور دنیا کے دوسرے ممالک، خاص طور پر یورپ اور امریکہ میں بھی اس کے اثرات شدت سے محسوس کئے جا رہے ہیں، چنانچہ ایران کے بارے میں لکھتے ہوئے ایک جگہ مضمون نگار کے قلم سے یہ جملے نکل گئے ہیں۔

"اسلامی تعصب، بنیادی اسلامی اصولوں کے ساتھ تمسک اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی جس تحریک نے مشرق اوسط کے دوسرے ملکوں کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے وہی تحریک پورے ایران پر بھی چھا گئی ہے۔ وہاں شیعہ مُلّا روایتی طور پر عوام کے ضمیر کی آواز بن گئے ہیں۔"

صیہونی تحریک

صیہونی تحریک نے "جہاد" کے مفہوم اور موضوع کو اپنی پریشانی کے اظہار کے لئے منتخب کیا ہے۔ برطانیہ سے شائع ہونے والے یہودی مجلہ "جیوئش کرانیکل" نے "الجہاد فی سبیل الاسلام" کے عنوان سے ایک مقالہ افتتاحیہ میں لکھا ہے کہ عالم اسلام میں مختلف جماعتوں، تنظیموں اور تحریکوں کی طرف سے اسلام کے بنیادی اصولوں کی طرف رجوع کرنے اور ان پر سختی سے کاربند ہونے کی دعوت مسلسل دی جا رہی ہے۔ یہ تحریکیں اور جماعتیں کافی مضبوط ہو چکی ہیں اور مغرب کی سیاسی حکمت عملی ترتیب دینے والوں نے اگر ان جماعتوں کی اس دعوت کو ملحوظ رکھ کر اپنی سٹریٹیجی نہ بنائی، تو یہ ان کی کوتاہ بینی کا بہت بڑا ثبوت ہوگا۔ اسی مقالے میں وہ مزید لکھتا ہے۔

اسلامی نشاۃ ثانیہ کی تحریک ناقابل برداشت ہے

اسلامی دنیا میں بیداری اور نشاۃ ثانیہ کی اس تحریک کو ٹھنڈے پیٹوں نہ مغربی دنیا دیکھ اور برداشت کر سکتی ہے اور نہ سوویت یونین اگر اس تحریک کو سمجھنے میں غلطی کی گئی، تو خطرہ ہے کہ وہ دنیا کے بہت بڑے حصے کے امن کو تہہ و بالا نہ کر دے۔

برطانیہ سے شائع ہونے والے ایک دوسرے مجلے "سنڈے ٹیلیگراف" نے "اسلامی خطرے کا مقابلہ" کے عنوان سے ایک مقالہ شائع کیا ہے۔ اس مقالے کے دو تین اقتباسات آپ بھی پڑھیے۔

"پہلی عالمی جنگ کے خاتمے پر عثمانی سلطنت کے خاتمے کے بعد اسلامی عسکری خطرہ ختم ہو گیا اور مشرق اوسط میں اس کی جگہ برطانیہ نے لے لی۔ اس کے نتیجے میں وہاں مغربی افکار و اقدار کی اشاعت ہوئی اور عربوں میں مغربی تہذیب و تمدن کا رواج ہوا، وہاں ایسے عرب زعماء کی ایک نسل تیار ہوئی جس نے بڑے شوق سے مغربی طرز زندگی کو اختیار کیا۔"

مغرب کی اسلام دشمنی

مغرب یہ چاہتا تھا کہ اسلامی عقاید و ایمانیات کی لہر کو روک دیا جائے۔ اس کی بڑی واضح مثال اسرائیل کے قیام کی حوصلہ افزائی کرنے کا فیصلہ ہے۔ یہ فیصلہ کرنے والوں نے سوچا کہ عربوں اور یہودیوں میں تفرقے اور ان کی باہم لڑائی سے مستقبل میں مشرق اوسط میں الحاد و لادینیت کی اشاعت میں مدد ملے گی۔ .... لیکن اس سب کچھ کے باوجود مغرب کو اس وقت سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا جب عربوں نے تیل کا ہتھیار استعمال کیا۔ یہ اتنی کاری ضرب تھی کہ مغرب نے توہین محسوس کی اور وہ عربوں کے مقابلے میں احساس کہتری میں مبتلا ہو گیا۔ اس اہانت اور احساس کہتری کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ تیل کے ہتھیار کو استعمال کرنے کی قیادت ان ملکوں اور سربراہوں نے کی جن کے ہاں اسلامی نظام کام کر رہا ہے۔

اس مقالے کا خاتمہ اس طرح ہوتا ہے۔ "ایسے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرصے تک عرب اور مسلمان ملک دنیا پر قابض ہو جائیں گے، بغیر اس کے کہ وہ اپنے ہاں دورِ جدید کے نئے ترقی یافتہ ادارے قائم کریں۔ بعض عرب ملکوں کے عوام میں تجدید اسلام کا عمل بھی جاری ہے۔ یہ ایک نیا خطرہ ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ اس خطرے کے سدباب کے لئے مناسب وسائل اختیار کریں۔ ممکن ہے کہ اس غرض کے لئے عسکری قوت سے بھی کام لینا پڑے، کیونکہ اسلام تجدید جہاد کی دعوت دیتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کو ختم کر دیا جائے۔"

ہنری کسینجر نے امریکہ کی ناکامی کا اعتراف کر لیا

"ٹائم"، "جیوئش کرانیکل" اور "سنڈے ٹیلیگراف" کے ان اقتباسات کے ساتھ ملا کر امریکہ کے سابق وزیر خارجہ اور عالمی یہودیت کے مفادات کے لئے امریکی سیاست میں اہم کردار ادا کرنے والے ہنری کسینجر کا وہ بیان پڑھیں، جس میں اس نے موجودہ حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ دنیا کے حالات و واقعات پر نہ ہمارا کنٹرول ہے اور نہ ہم ان سے الگ رہ سکتے ہیں۔ یہ افغانستان، ایران، ترکی اور دوسرے مسلمان ممالک میں رونما ہونے والے واقعات پر کسینجر کا تبصرہ ہے جس سے چند حقائق کا پتہ چلتا ہے۔

۱۔ اس بیان میں یہ اعتراف موجود ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے واقعات اور مختلف ملکوں کے انقلابات اور اکھاڑ پچھاڑ کے پیچھے بالعموم امریکہ کا ہاتھ ہوتا تھا۔

۲۔ امریکہ چاہے کتنا ہی زور لگا لے اور جس طرح کے وسائل استعمال کرنا چاہے، وہ کر لے، لیکن مسلمانوں میں اگر نیت کا اخلاص اور عمل کا سچا جذبہ موجود اور وہ سوچ سمجھ کر صحیح رخ پر اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں، تو امریکہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ کر سکتا۔

۳۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اگر کسی ملک میں امریکہ کا ایک حربہ ناکام ہوتا ہے، تو وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کوئی دوسری چال چلنے میں باک محسوس نہیں کرتا اور اس سلسلے میں اس کے ہاں کوئی اخلاقی قدریں نہیں ہیں جو اس کے راستے میں رکاوٹ بنیں۔

اس کے ساتھ ہی امریکی سی۔آئی۔اے کے ایک ذمہ دار افسر رچرڈ مچل کی ایک تازہ رپورٹ کا مطالعہ بھی امریکی اور مغربی دنیا کے تازہ ترین رجحانات

کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ اس مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ امریکہ میں عالمِ اسلام اور اس کی تحریکوں کے بارے میں کیا جذبات اور خیالات ہیں اور اب ان تحریکوں کے مقابلے کے لئے کس طرح کے منصوبے سوچے جا رہے ہیں۔

سی آئی اے کا نیا منصوبہ

یہ رپورٹ "انتہائی خفیہ" (TOP SECRET) تھی، لیکن مجلہ "الدعوۃ" نے اسے شائع کر کے اس کا راز فاش کر دیا۔ یہ رپورٹ پیشِ خدمت ہے۔

انتہائی خفیہ

منجانب۔ رچرڈ بی مچل

بنام :۔ سربراہ خفیہ سروس سی۔ آئی۔ اے

آپ کے پاس ہمارے نمائندوں اور کارندوں کی بھیجی ہوئی جو معلومات جمع ہو چکی ہیں اور مصری اور اسرائیلی انٹیلی جنس کی جو رپورٹیں ہمیں ملی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ مصر اور اسرائیل میں جو معاہدہ ہونے والا ہے، اس کے راستے میں مزاحم ہونیوالی حقیقی قوت اسلامی تنظیمیں ہیں۔ ان تنظیموں میں سرفہرست "الاخوان المسلمون" کی جماعت ہے جو مختلف شکلوں میں عرب ملکوں میں کام کر رہی ہے اور یورپ اور امریکہ میں بھی۔

اسرائیلی محکمہ جاسوسی نے سفارش کی ہے کہ معاہدہ پر دستخط کرنے سے پہلے اس جماعت پر کاری ضرب لگائی جائے، تاکہ معاہدے پر دستخط ہونے کی بھی ضمانت مل جائے اور دستخطوں کے بعد اس پر عملدر آمد ہونے کی بھی اس سفارش پر (سابق مصری وزیرِاعظم کی حکومت نے جزوی طور پر عمل کرتے ہوئے "جمعیۃ الھجرۃ والتکفیر" پر ضرب لگائی بھی تھی۔

ان چیزوں کے ساتھ ہی ہماری رائے یہ بھی ہے کہ صدر ناصر کے زمانے میں "اخوان" کو ختم کرنے کے لئے جو ذرائع ہم نے اختیار کئے وہ نہ صرف اخوان کو ختم کرنے میں ناکام ہوئے، بلکہ الٹا ان کی وجہ سے عام مسلمانوں کے دلوں میں ان کے لئے ہمدردی کے جذبات پیدا ہوئے اور خاص طور پر وہ نوجوانوں کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ ان سب باتوں کے پیشِ نظر ہم "اخوان" سے نمٹنے کے لئے متبادل حل کے طور پر مندرجہ ذیل ذرائع اختیار کرنے کی تجویز پیش کرتے ہیں۔

۱۔ مکمل خاتمے کے بجائے جزوی خاتمے پر اکتفا کیا جائے۔ صرف ان راہنما شخصیتوں کا خاتمہ کیا جائے جو دوسرے ذرائع سے، جن کا ذکر ہم آگے کرنے والے ہیں، قابو میں نہ آئیں۔ ہم اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ ان شخصیتوں کا خاتمہ ایسے طریقوں سے کیا جائے جو بالکل طبعی اور فطری معلوم ہوں۔

ان میں سے بعض شخصیتیں سعودی عرب میں موجود ہیں۔ ان سے جلد چھٹکارا حاصل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ اس سے دو مقاصد حاصل ہوں گے۔ ایک تو جزوی خاتمے کے منصوبے پر عملدر آمد ہو گا اور دوسرے "اخوان" اور سعودی حکومت کے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہوں گی جس سے ہمیں اپنے مقاصد کے حصول کے لئے مدد ملے گی۔

۲۔ جن شخصیتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کا فیصلہ کیا جائے۔ ان کے سلسلے میں ہم مندرجہ ذیل اقدامات کی سفارش کرتے ہیں:۔

ا۔ جن لوگوں کو بڑے بڑے مناصب دے کر ورغلایا جا سکتا ہے ان کو بے ضرر قسم کے بڑے بڑے اسلامی منصوبوں میں منصب دیئے جائیں، تاکہ ان کی قوتیں یہی منصوبے نچوڑ لیں۔ اس کے ساتھ ہی ان پر اور ان کے اہل و عیال پر مادی سہولتوں کی بارش کر دی جائے تاکہ وہ ان میں پوری طرح منہمک ہو جائیں۔ ان کی قوتیں وہیں صرف ہو جائیں اور عوام سے ان کا رابطہ کاٹ کر ان کی بنیاد ختم کر دی جائے۔

ب۔ ــــــ جن کے کاروباری رجحانات ہوں، ان پر کام کر کے انہیں کاروباری منصوبوں میں حصہ دار بنانے کی کوشش کی جائے، جن کے بارے میں طے ہے کہ معاہدے کے بعد مصر اور اسرائیل کے اشتراک سے ان کو عملی جامہ پہنایا جائے گا۔

ج پٹرول پیدا کرنے والے عرب ملکوں میں ان کے لئے کام کے مواقع پیدا کئے جائیں، اس طرح وہ اسلامی سرگرمیوں سے دور ہو جائینگے۔

د یورپ اور امریکہ میں جو عناصر فعال ہیں ان کے بارے میں ہماری تجاویز حسبِ ذیل ہیں:۔

i۔ ان کی قوتوں اور کوششوں کو غیر مسلموں پر صرف کروایا جائے، پھر اپنے اداروں کے ذریعے ان کاوشوں کو لاحاصل بنا دیا جائے۔

ii۔ ان کی کوششوں کو اسلامی کتابیں چھاپنے اور شائع کرنے میں کھپا دیا جائے اور ساتھ ہی ان کے نتائج کو ناکام کر دیا جائے۔

iii ان کی قیادتوں میں آپس میں شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں۔ ان میں اختلافات کے بیج بو کر ان کو نمایاں کیا جائے تاکہ نتیجہ خیز سرگرمیوں کے بجائے ان اختلافات میں اپنی قوتیں جھونک دیں۔

۳۔ نوجوانوں کے بارے میں ہم تجویز کرتے ہیں کہ:

ا ان کی قوتوں کو مذہبی رسوم و عبادات میں کھپایا جائے۔ اس سلسلے میں وہ مذہبی قیادتیں مفید ثابت ہو سکتی ہیں جو صرف عبادات پر زور دیتی ہیں اور جو سیاست سے تعارض نہیں کرتیں۔

ب مذہبی اور فروعی اختلافات کی خلیج کو وسیع کیا جائے اور نوجوانوں کے ذہنوں میں ان کو نمایاں کیا جائے۔

ج سنّت پر حملوں کی حوصلہ افزائی کی جائے اور سنّت اور دوسرے اسلامی ماخذ کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں۔

د مختلف اسلامی جماعتوں میں پھوٹ ڈالی جائے اور ان جماعتوں کے اندر اور مابین تنازعات کھڑے کئے جائیں۔

ھ نوجوانوں کی توجہ اسلامی تعلیمات کی طرف بڑھ رہی ہے۔ یہ ایک رَو ہے جس کا مقابلہ ضروری ہے۔ خاص طور پر لڑکیاں اسلامی لباس کا التزام کر رہی ہیں، اس کا مقابلہ ذرائع نشر و اشاعت اور جوابی ثقافتی سرگرمیوں کے ذریعے ضروری ہے۔

و مختلف مراحل میں تعلیمی سرگرمیوں کے ذریعے اسلامی جماعتوں کی کاوشوں کو بے اثر بنایا جائے اور ان کا دائرہ محدود کرنے کی کوشش کی جائے۔

اس نازک موقع پر اسلامی جماعتوں کے مسئلہ کے حل کے لئے یہ ہماری تجاویز ہیں۔ اگر آپ ان سے اتفاق کریں، تو ان کی فوری تنفیذ کے لئے متعلقہ حلقوں کو جلد از جلد ہدایات بھیج دی جائیں اور یہاں اس سلسلے میں جو کردار ہمیں ادا کرنا ہے ہم اس کے لئے بالکل تیار ہیں۔

دستخط (رچرڈ بی مچل)

بظاہر یہ خط مصر کے قضیے سے متعلق ہے، مگر معمولی توجہ سے انسان سمجھ لیتا ہے کہ سی آئی اے کا کام کیا ہے، اس کا حلقۂ اثر کہاں تک ہے اور ان کو خطرہ کس قوت سے کہاں کہاں ہے۔ پاکستان جس کا حصول ہی اسلام کے نفاذ کے لئے تھا، کس طرح سی آئی اے کے ریکارڈ سے باہر رہ سکتا ہے اور پاکستان میں اسلامی ضابطۂ حیات کے نفاذ کو کس طرح ٹھنڈے پیٹ برداشت کیا جا سکتا ہے۔

خط کشیدہ الفاظ دوبارہ پڑھ لیں اور پھر سوچیں کہ یہاں تحریک نظامِ مصطفٰے کی ابتدائی کامیابی کے بعد اسلامی نظام کا علمبردار اتحاد جس انتشار و خلفشار کا شکار ہوا۔ اسلام کے نام پر ملتِ واحدہ بن جانے والی پاکستانی قوم کو جس طرح فرقوں کے نام پر پھاڑنے کی کوششیں ہو رہی ہیں یہ سب کچھ سی آئی اے کا کیا دھرا تو نہیں اور اپنے ہی سابق ساتھیوں کے گریبانوں سے کھیلنے والے بعض اربابِ سیاست دانستہ یا غیر دانستہ طور پر دشمن کا کھیل تو نہیں کھیل رہے ہیں۔

●●

مکتبۂ اُردو ڈائجسٹ کی بہترین پیشکش

یادِ شاھد

"مراۃ العروس" اور "توبۃ النصوح" کے عظیم مُصنّف ڈپٹی نذیر احمد کے پوتے اور ماہنامہ ساقی کے ایڈیٹر شاہد احمد دہلوی کے حوالے سے یہ ادب کے اس شاندار دور کی رُوئیداد ہے جس میں اُردو کے اَن گنت مصنّفوں، شاعروں ــــ اور نقادوں نے اپنی ادبی زندگی کی ابتدا کی اور بامِ عروج پر پہنچے۔

کتاب کی افادیت دلچسپی اور عظمت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اس میں صفِ اول کے ۳۲۔ ادیبوں کے مقالات شامل ہیں۔

جن میں

پروفیسر رشید احمد صدیقی ○ مُلّا واحدی
مولانا نعیم صدیقی ○ جوش ملیح آبادی
حضرت احسان دانش ○ مولانا ماہر القادری
اور محمد طفیل ایڈیٹر نقوش شامل ہیں۔

بڑی تقطیع۔ ۴۵۲ صفحات۔ مُجلّد، گرد پوش سے آراستہ

قیمت -/۲۰ روپے

مکتبۂ اُردو ڈائجسٹ ــ سمن آباد ــ لاہور

ٹنڈر نوٹس

دستخط کنندہ ذیل کو مندرجہ ذیل ورکس کے سلسلے میں ہاؤسنگ اینڈ فزیکل پلاننگ ڈیپارٹمنٹ کے ایسے منظور شدہ اہل ٹھیکیداروں جنہوں نے کیلنڈر سال ۱۹۷۹ء کے لیے اپنے ناموں کا اندراج / تجدید کرا لی ہو سے سر بمہر آئیٹم ریٹ / پرسنٹیج ریٹ ٹنڈر مطلوب ہیں۔ یہ ٹنڈر **۲۰/۳/۷۹** کے ½ ۱۱ بجے دن کو وصول کئے جائیں گے اور اسی روز اور اسی وقت حاضر ہونے کے خواہشمند ٹھیکیداروں یا ان کے مجاز نمائندوں کی موجودگی میں کھولے جائیں گے۔

خواہشمند ٹنڈر دہندگان ٹنڈر دستاویزات زرِ امانت کا چالان خزانہ ڈیپازٹ ایٹ کال جو کسی شیڈول بنک سے بحق ایگزیکٹو انجینئر ٹاؤن شپ ڈویژن لاہور، ہو کے پیش کرنے پر ٹنڈر فیس ادا کر کے **۱۹/۳/۷۹** تک دفتری اوقات کے دوران حاصل کر سکتے ہیں۔

تفصیلی ڈرائینگ، ایسٹیمیٹ قواعد و ضوابط دفتر دستخط کنندہ ذیل میں دفتری اوقات کے دوران دیکھی جا سکتی ہیں۔

مشروط اور بذریعہ تار و ڈاک اور زرِ امانت کے بغیر ارسال کئے گئے ٹنڈر زیرِ غور نہیں آئیں گے۔ فرم یا کمپنی کی صورت میں ٹنڈر کے ہمراہ پارٹنر شپ ڈیڈ اور عدالتی کاغذ پر پاور آف اٹارنی لازماً منسلک ہونی چاہیئے۔

ڈائریکٹر ہاؤسنگ اینڈ فزیکل پلاننگ سرکل لاہور / دستخط کنندہ ذیل کو حقوق حاصل ہیں کہ بغیر کوئی وجہ بتائے کسی ایک ٹنڈر یا تمام ٹنڈروں کو مسترد کر دے۔

نمبر شمار	کام کی نوعیت	لاگت	زرِ امانت	مقررہ مدت
۱۔	لاہور ٹاؤن شپ سکیم کے سیکٹر بی۔۱، بلاک نمبر ۱-۲-۳-۴ اور ۵ میں واٹر سپلائی کی امپروومنٹ کے لیے گرڈ کنکشن بنانا (۴ قطر کو ۶ اور ۸ میں تبدیل کرنا)	روپے ۱۲۴۰۰۰/-	روپے ۲۵۰۰/-	ایک ماہ
۲۔	لاہور ٹاؤن شپ سکیم میں سیکٹر ڈی۔I میں اوور ہیڈ ریزروائر نمبر IV (۵۰۲ گیلن کپیسٹی) کی خصوصی مرمت۔	روپے ۷۷۰۰۰/-	روپے ۱۶۰۰/-	۲ ماہ
۳۔	سیکٹر بی I بلاک نمبر ۱۴، ۱۵ اور ۱۶، اور سیکٹر بی II میں واٹر سپلائی کی امپروومنٹ کے ضمن میں ½ اکیوسک کیپسٹی ٹیوب ویل کی تنصیب بشمول تعمیر پمپنگ چیمبر اور موجودہ ۸ قطر لائن کے ساتھ کنکشن کرنا۔	روپے ۱۹۴۰۰۰/-	روپے ۴۰۰۰/-	۲ ماہ

محمد اسلم خان نیازی ایگزیکٹو انجینئر

ٹاؤن شپ ڈویژن۔ لاہور

IPL - 1296

ایک دو دانت اکھاڑنے سے کام نہیں بنے گا۔ پوری "بتیسی" نکالنے والی ہے!

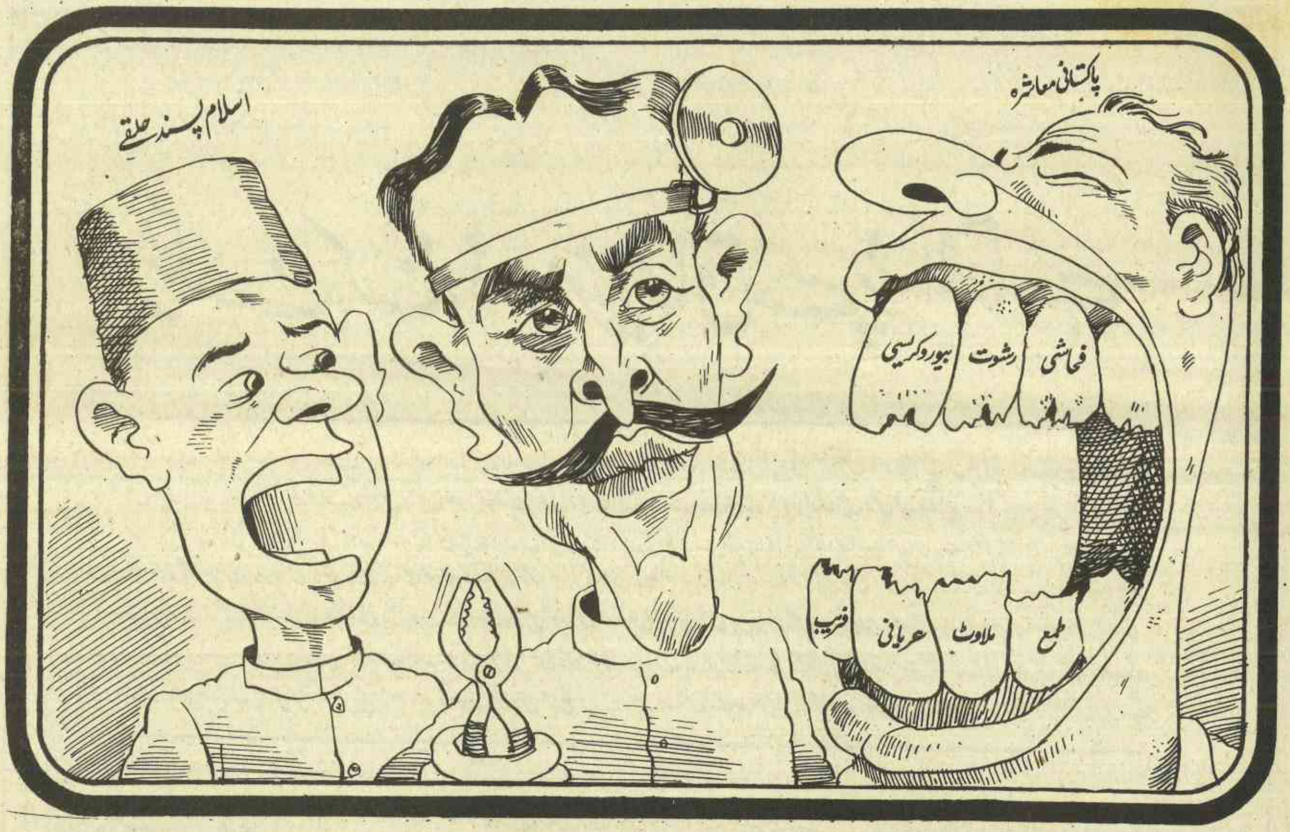

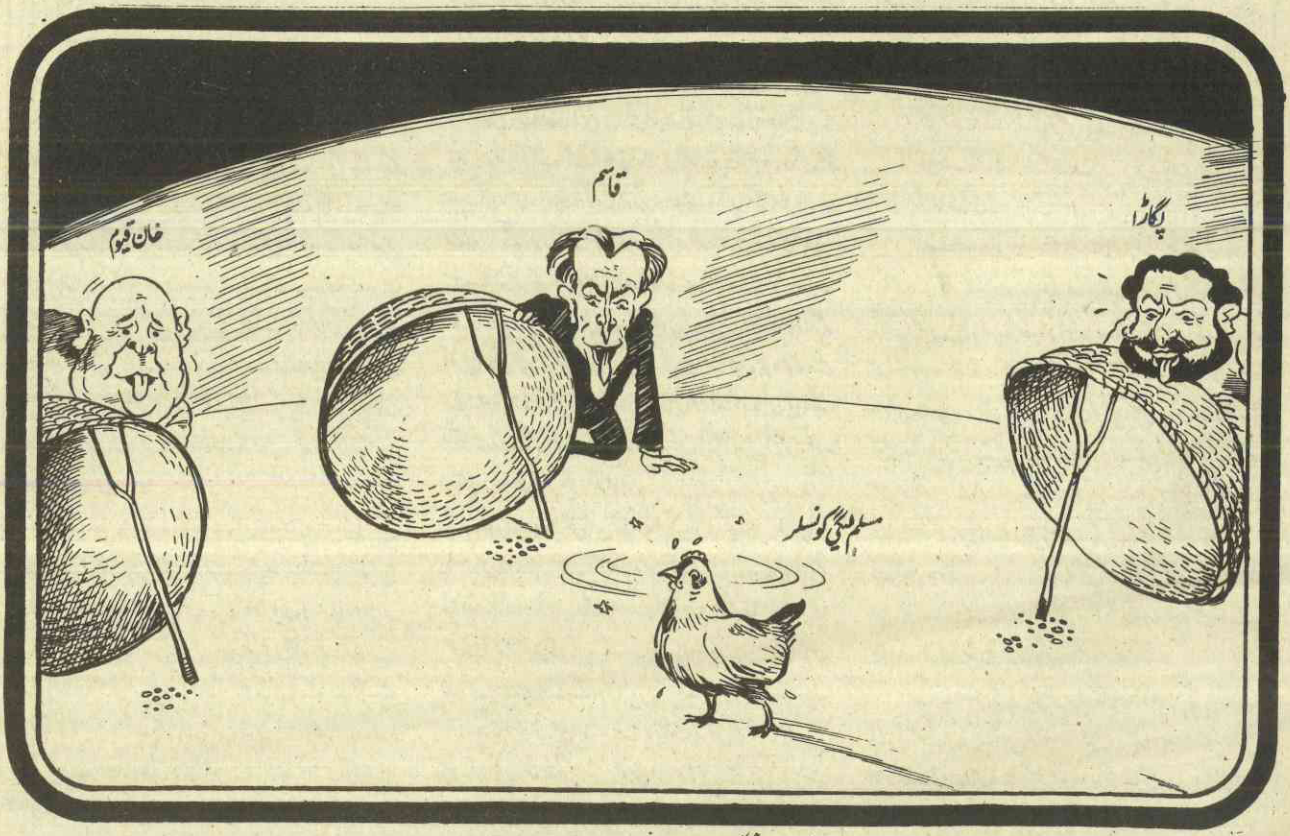

ایک مرغی کئی دانے ....

ٹیکسٹ بک بورڈ ۔ مزید حقائق سے پردہ اُٹھتا ہے

"زندگی" کے گذشتہ شمارے میں ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور کے بارے میں ایک خصوصی رپورٹ شائع ہوئی، جس میں ۳۵ لاکھ کتابوں کو ڈیڈ سٹاک ظاہر کر کے ردی میں بیچنے کی ایک سازش بے نقاب کی گئی تھی۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اس رپورٹ کی اشاعت کے نتیجے میں ۳۵ لاکھ کتابیں وقتی طور پر پیکیجز لمیٹڈ کی پیپر ملز میں دوبارہ کاغذی گودے کی شکل میں تبدیل ہونے سے بچ گئی ہیں، ورنہ ان کتابوں کا نشان بھی باقی نہ رہتا۔ یوں اس مسئلے پر اب اطمینان سے گفتگو ہو سکتی ہے۔

"زندگی" کی یہ اہم رپورٹ اس بات کی متقاضی تھی کہ ٹیکسٹ بک بورڈ کی طرف سے صورتِ حال کی وضاحت کی جاتی، لیکن کارپردازانِ بورڈ نے خود تو چُپ سادھ لی؛ البتہ ــــ بک سیلروں اور پبلشروں کی طرف سے اخبارات میں کاغذی مہم شروع ہو گئی، جس میں بورڈ کے اس فیصلے پر جلد سے جلد عملی جامہ پہنانے کی اپیلیں کی جانے لگیں۔ اس سلسلے میں پاکستان پبلشرز اینڈ بک سیلرز ایسوسی ایشن کے چیئرمین کی طرف سے ادارہ "زندگی" کو بھی ایک وضاحت موصول ہوئی ہے جس میں انہوں نے اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم یہ مکتوب من و عن شائع کر رہے ہیں اور اس کے بعد اس میں اٹھائے گئے نکات کا جواب دینے کی کوشش کریں گے۔

ناشرین کا جوابِ دعویٰ

آپ کے مؤقر ہفت روزہ میں پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور کے بارے میں ایک چارج شیٹ شائع ہوئی ہے جس میں ناشرین اور بورڈ کے چیئرمین پر بددیانتی کے الزامات لگائے گئے ہیں۔ مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ پاکستان کے مقبول ترین ہفت روزے کے ذمہ دار مدیرانِ کرام نے انتہائی شدید قسم کے الزامات لگانے سے پہلے ان کی تحقیق کرنی ضروری کیوں نہ سمجھی، حالانکہ ان کا معتوب طبقہ ناشرین اسی شہر لاہور میں کاروبار کرتا ہے۔ بسطورِ ذیل میں آپ کے الزامات کے جوابات حاضر ہیں۔ تفصیلی بحث کے لئے آپ کے گراں قدر جریدے میں شاید گنجائش نہ نکل سکے۔ اس لئے کم سے کم الفاظ میں جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن جوابات تک پہنچنے سے پہلے میں آپ کی اجازت سے اصل مسئلے کی وضاحت مختصر الفاظ میں کر دوں، تاکہ قارئین کو اس کے سمجھنے میں دقّت نہ ہو۔

پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ ۱۹۶۲ء میں قائم کیا گیا۔ اس کے نتیجے میں پنجاب کے ایجوکیشنل پبلشرز لاکھوں روپے کے نقصان سے دوچار ہوئے اور انہوں نے حکومت سے اپنے نقصانات کی تلافی کا مطالبہ کیا۔ ناشرین کی تحریک اور ہڑتالوں کے نتیجے میں حکومتِ وقت نے مغربی پاکستان اسمبلی میں یقین دہانی کرائی کہ ان کی تلافی کے لئے ٹیکسٹ بک بورڈ کا کام ۸۵ فیصد کی حد تک مسلّمہ ناشرین کی وساطت سے کرایا جائے گا۔ اس فیصلے کی بطریقِ احسن تکمیل کے لئے جملہ ناشرین کی حیثیت متعین کر کے چھ مختلف کیٹیگریز میں ان کی درجہ بندی کر دی گئی اور ایک مدت تک بالعموم ان کو ان کی کیٹیگری کے مطابق کام ملتا رہا۔

گذشتہ چند سالوں سے کتابوں کی تفویض کے سلسلے میں ٹیکسٹ بک بورڈ والوں کا یہ وتیرہ رہا کہ ایک ہی کتاب دو ناشرین کو تفویض کرنے کے بعد سفارش آ جانے پر تیسرے ناشر کو بھی دے دی گئی اور اس کے بعد مزید سفارش آ جانے پر چوتھے ناشر کو بھی دے دی گئی، مگر ہر ایک ناشر کو تفویض شدہ تعداد اتنی ہی رکھی گئی۔ سابقہ حکومت کی غلط پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو کتاب ایک لاکھ کی تعداد میں چھپنی چاہئے تھی وہ دو تین لاکھ چھپ گئی۔ اس سے بورڈ کو وقتی طور پر دوہرا فائدہ ہو گیا، مگر ناشرین کا سٹاک پڑا رہ گیا۔ بورڈ کو رائیلٹی دو چند مل گئی، مگر ناشرین شروع سیزن سے لے کر آخر تک احتجاج ہی کرتے رہے جو بے نتیجہ رہا۔ یہ ایک کھلا ہوا راز ہے کہ گذشتہ سال کے لئے کتابوں کی ایلوکیشن جو ۱۹۷۷ء کے آخر میں ہو گئی تھی غیر معمولی طور پر زیادہ ہو گئی، چنانچہ اسٹاک بھی اسی نسبت سے زیادہ بچا۔ توقع تھی کہ آئندہ سال یہ کتابیں فروخت ہو جائیں گی، مگر توقعات کے برعکس ہوا یوں کہ بیشتر کتب نظرِ ثانی کی زد میں آ گئیں، اور ناقابلِ فروخت قرار پائیں۔ نظرِ ثانی کرنے والی کمیٹی نے ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب کی سرکردگی میں اپنے فرائض بحسن و خوبی انجام دیئے اور کچھ کتابوں کو مکمل طور پر مسترد کر دیا اور بعض کتب کو "صحت نامۂ اغلاط" لگانے کے بعد قابلِ فروخت قرار دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ صورتِ حال کاروبار کی تباہی کا باعث تھی؛ چنانچہ ناشرین کی انجمن (پاکستان پبلشرز اینڈ بک سیلرز ایسوسی ایشن) نے اس سلسلے میں بورڈ کے سابق چیئرمین جناب محمد منور خاں صاحب سے رابطہ قائم کیا اور اپنی طرف سے ۲۹ نکات پر مشتمل ایک مفصل عرضداشت پیش کی۔ اس عرضداشت پر غور و خوض ہوا اور مکمل بحث ہوئی۔ بیشتر نکات پر جانبین میں ہم آہنگی پائی گئی۔ دو چار باتیں ایسی تھیں جن کی اہمیت کے پیشِ نظر چیئرمین صاحب نے فرمایا کہ ٹیکسٹ بک بورڈوں کے چیئرمینوں کی میٹنگ میں پیش کر کے ان کا فیصلہ کرا لیا جائے گا۔ یہی نکات ہم نے ایک طے شدہ اجلاس کے اندر بورڈ کے موجودہ چیئرمین جناب پروفیسر علاؤالدین اختر صاحب کے سامنے دوبارہ پیش کئے۔ ان کا ردِ عمل بھی یہی تھا۔ ہماری اس گذارش سے ہر دو چیئرمینوں نے اتفاق کیا کہ:

"جعلی کتب کے ناشرین کو محض بلیک لسٹ کرنے پر ہی اکتفا نہ کیا جائے گا، بلکہ ان کے خلاف ــــ مزید تادیبی کارروائی بھی کی جائے گی"۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ دیانت و امانت میں ہمارا نقطۂ نظر کیا ہے۔

ناشرین کو بدنام کرنے کی ایک رسم سی چل نکلی ہے اور ہر کس و ناکس جو چاہے جعلسازی کرنے کے لئے ہی اس کاروبار میں شامل ــــ ہو جاتا ہے، حالانکہ حقیقی ناشر ایسے لوگوں سے خود بھی بیزار ہیں۔ یہ لوگ ملک و ملّت ہی کو فریب نہیں دیتے، بلکہ مسلّمہ ناشرین کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں اور غالباً یہی وہ لوگ ہیں جن کا ذکر آپ کے مطبوعہ مضمون کے تمہیدی پیراگراف میں آیا ہے، انہیں ٹیکسٹ بک بورڈ کے موجودہ اور سابق دونوں چیئرمینوں نے بلیک لسٹ کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپ کے مقالہ نگار کا تعلق اور تعاون کن لوگوں کے ساتھ ہے۔ ہمارے نزدیک یہ لوگ ناشر نہیں، بالکل اسی طرح جیسے جعلی نوٹ چھاپنے والے کو سٹیٹ بنک کا گورنر نہیں کہا جا سکتا۔

آپ کے مقالہ نگار کو اعتراض ہے کہ ٹیکسٹ بک بورڈ نے کتابوں کی پرانی قیمتوں میں پانچ فیصد کا اضافہ کر دیا۔ دراصل بات یوں ہے کہ ہمارے مطالبات میں سے ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ کتابوں کی قیمتیں متعین کرنے کا فارمولا دس سال پرانا ہو کر فرسودہ ہو چکا ہے، اس لئے اس پر نظرِ ثانی کی جائے۔ بورڈ نے اس پر نظرِ ثانی کرنے کے بجائے صرف

پانچ فیصد کا اضافہ کر دیا، حالانکہ ہمارے اخراجات ہوشربا گرانی کے باعث اب کئی گنا بڑھ چکے ہیں۔ نیز اس سلسلے میں یہ بات خاص طور پر قابلِ غور ہے کہ دوسرے بورڈوں کے ریٹ ہم سے خاصے زیادہ ہیں۔

آپ کے مضمون میں بورڈ کے موجودہ چیئرمین پروفیسر علاؤالدین اختر پر بددیانتی کا الزام بھی لگایا گیا ہے۔ یہ بات کچھ عجیب و غریب سی ہے کہ ایک افسر کم و بیش ایک ہزار افراد کے ساتھ رشوت کا معاملہ کرے اور پھر بھی اس کے خلاف کوئی ثبوت مہیّا نہ کیا جا سکے۔ کتابوں کو مسترد کرنے کا معاملہ جس طرح پیدا ہوا، وہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ ناشرین اور بورڈ کے مابین معاہدہ کی شق نمبر ۳۴ کی رُو سے بھی بورڈ پر یہ لازم ہے کہ ناشرین کو تبدیلی کتب کے بارے میں کم از کم تین ماہ پہلے مطلع کرے ورنہ نقصان کی تلافی کرنے کا ذمہ دار ہے۔ ایسی تلافی پہلے بھی کئی مرتبہ بورڈ نے کی ہے۔ اس قانونی مجبوری کے علاوہ اس سال کا اچانک فیصلہ بھی بڑی حد تک اس صورت حال کا ذمہ دار ہے۔ آپ کے مقالہ نگار نے چند افسروں کو خواہ مخواہ اس معاملے میں دھر گھسیٹا ہے، حالانکہ اصل فیصلہ پاکستان کی اعلیٰ ترین تعلیمی کونسل یعنی انٹر بورڈ کمیٹی آف چیئرمین اور چاروں صوبوں کے ڈائریکٹران تعلیم کی نہایت اہم میٹنگ منعقدہ اسلام آباد میں پوری بحث و تمحیص اور کامل غور و خوض کے بعد ہوا ہے۔ اس مجلس میں پاکستان پبلشرز اینڈ بکسیلرز ایسوسی ایشن کی طرف سے چودھری عبدالحمید صاحب (مکتبہ کارواں) نے حصہ لیا اور ناشرین کی پوزیشن واضح کی۔ اعتراضات اور سوال و جواب کا سلسلہ بھی رہا۔ آخر کار اسلام آباد میں منعقدہ اس اجلاس میں متفقہ طور پر یہ فیصلہ ہوا کہ

"ناگزیر حالات میں بورڈ کے اربابِ اقتدار جیسے مناسب سمجھیں ناشرین کے نقصان کی تلافی کریں —"

یہ فیصلہ صرف پنجاب کے لئے ہی نہیں کیا گیا، بلکہ چاروں صوبوں میں ٹیکسٹ بک بورڈوں کے لئے ہے جس کو پچاس ساٹھ اکابرین نے اتفاق رائے سے طے کیا ہے۔ اس سے صاف واضح ہے کہ محض پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کے چیئرمین کا تعلق اس فیصلہ سے ہرگز نہیں، یہ تو متفق علیہ فیصلہ ہے جو عین انصاف پر مبنی ہے۔ آخر تاجرانِ کتب بھی اس ملک و معاشرہ کا حصہ ہیں، ان کا نقصان بھی قومی نقصان ہے۔

آخر میں میری آپ سے یہ گذارش ہے کہ آپ ہماری ناکردہ خطاؤں کا اشتہار دینے سے پہلے ہم سے رابطہ پیدا کر لیا کریں۔ اس کے بعد اگر ہم آپ کو مطمئن نہ کر سکیں تو جو جی چاہے سزا دے لیں۔ اس سے قبل بھی ٹیکسٹ بک بورڈ کی تاریخ میں متعدد مرتبہ غیر فروخت شدہ اسٹاک کا معاوضہ ناشرین کو ادا کیا گیا ہے جو محض انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لئے کیا گیا تھا اور اب بھی قومی و ملکی ضرورت کے پیشِ نظر کرنا ضروری ہے۔

چیئرمین پاکستان پبلشرز اینڈ بکسیلرز ایسوسی ایشن، لاہور۔

ہمارا موقف

یہ تو تھا ناشرین کا جوابِ دعویٰ جس میں پبلشرز اینڈ بک سیلرز ایسوسی ایشن کے چیئرمین نے اپنے طور پر ٹیکسٹ بک بورڈ کی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر ٹیکسٹ بک بورڈ کے ذمہ دار افسر عوام کی روز افزوں تشویش کے پیشِ نظر خود وضاحت فرما دیتے، تو شاید صورت حال بہتر ہوتی، لیکن مدعی سست اور گواہ چست کے مصداق ناشرین کی طرف سے پیش کی جانے والی صفائی نے پہلے سے اُلجھے ہوئے معاملات کو مزید الجھا دیا ہے۔

ہم یہ بات شروع ہی میں واضح کر دیں کہ زیرِ بحث مضمون کی اشاعت سے ہمارا مقصد نہ تو بلاوجہ کسی پر کیچڑ اچھالنا تھا نہ ہی کسی ادارے یا فرد کو نقصان پہنچانا، بلکہ ہمارا مقصد ان بے ضابطگیوں کی طرف توجہ دلانا تھا، جن کا ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور مرتکب ہو رہا تھا۔

پبلشرز اینڈ بک سیلرز کے چیئرمین نے خود اپنے خط میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ٹیکسٹ بک بورڈ کے اصحاب بست و کشاد ایک ہی کتاب دو، دو ناشروں کو تفویض کر دیتے ہیں اور سفارش آ جانے پر وہی کتاب تیسرے، بلکہ چوتھے ناشر کو بھی تفویض کر دی جاتی ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ آخر ٹیکسٹ بک بورڈ کے چیئرمین مسٹر علاؤالدین اختر کسی قاعدے قانون کے پابند بھی ہیں یا انہوں نے اپنا ذاتی کاروبار شروع کر رکھا ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق جسے چاہیں اور جس قدر تعداد میں چاہیں کتاب تفویض کر دیں۔ کیا ان سے پہلے چیئرمین بھی ایسی دھاندلی کی اجازت دیتے تھے؟

ہم نے ٹیکسٹ بک بورڈ کے چیئرمین کو متنبہ کیا تھا کہ وہ اپنا یہ وطیرہ بدل دیں۔ اس ضمن میں ہم نے معاوضے کی ادائیگی والے فیصلے کو ہدفِ تنقید بنایا تھا، جسے جناب چیئرمین نے بورڈ کی باقاعدہ میٹنگ بلائے بغیر خود ہی منظور کر لیا تھا۔ یہ ایک بہت بڑی بے ضابطگی تھی اور چیئرمین ٹیکسٹ بورڈ نے "زندگی" میں اشاعت پذیر ہونے کے بعد خود بھی اس بے ضابطگی کو تسلیم کیا۔

کیا چیئرمین کسی قاعدے قانون کے پابند نہیں؟

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے اپنے سابقہ فیصلے کو قانونی شکل دینے کے لئے ۱۲ مارچ کو بورڈ کی ارجنٹ میٹنگ بلائی، جس میں مندرجہ ذیل اصحاب شریک ہوئے۔

۱۔ پروفیسر علاؤالدین اختر، چیئرمین ٹیکسٹ بک بورڈ
۲۔ ڈاکٹر محمد اسلم قریشی ڈائریکٹر
۳۔ پروفیسر مسز حاجرہ خاتون خاں، ڈائریکٹر ٹیکنیکل
۴۔ پروفیسر ایم صدیق کلیم، ایس ڈائریکٹر
۵۔ مسٹر آئی۔ ایچ سلمانی، ایس ڈائریکٹر
۶۔ شیخ سعید اقبال شاہی، سیکرٹری
۷۔ مسٹر محمد یونس قریشی، ڈپٹی سیکرٹری (پبلیکیشنز)

اس میٹنگ کے انعقاد ہی سے ہفت روزہ "زندگی" کا موقف درست ثابت ہو جاتا ہے کہ چیئرمین ٹیکسٹ بک بورڈ کو اپنے طور پر معاوضے کا فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ نہ ہی وہ مبینہ پینتیس لاکھ کتابوں کو ضائع کرنے کے احکام جاری کر سکتے تھے۔ اگرچہ اپنے فیصلے کے حاشیے میں "اتفاق رائے" کے الفاظ درج کر کے انہوں نے یہ غلط تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ انہوں نے بورڈ کے تمام ممبران کی منظوری لے لی ہے، لیکن بعد میں خود ہی انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔

بورڈ کی اس میٹنگ سے بھی صورتحال تبدیل نہیں ہوئی اور ہمارا موقف اب بھی یہی ہے کہ اس حالیہ میٹنگ کے انعقاد کے باوجود وہ پبلشرز کو معاوضہ ادا نہیں کر سکتے، کیونکہ ٹیکسٹ بک بورڈ اور پبلشرز کے درمیان طے شدہ تحریری معاہدے کے مطابق معاوضے کا سوال صرف اس صورت میں پیدا ہو سکتا ہے، جب مدت معاہدہ کے اندر اندر بورڈ کسی کتاب میں ترمیم کر دے یا اس کی بجائے کوئی دوسری کتاب داخل نصاب کر دے۔ اس صورت میں بورڈ پبلشرز کو تین ماہ کا نوٹس دینے کا پابند ہوتا ہے اور نوٹس کی مدت ختم ہونے پر ناشر کے پاس سابقہ فروخت شدہ کتاب کی جس قدر تعداد باقی بچ رہے بورڈ اس کی رائیلٹی ناشر کو واپس کر دیتا ہے۔ گزشتہ تعلیمی سال کے دوران میں ایسی کوئی صورتحال پیدا نہیں ہوئی۔ زیرِ نظر مسئلہ میں جائزہ کمیٹی کی سفارشات کو نئے تعلیمی سال سے عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے۔ اس کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ بورڈ نے ۸۰-۱۹۷۹ء کے تعلیمی سال کے لئے ناشرین سے جو نئے معاہدے کئے ہیں وہ ترمیم شدہ کتابوں کے لئے کئے ہیں۔ پچھلا تعلیمی سال ۲۸ فروری ۱۹۷۹ء کو ختم ہو گیا تھا۔ اس سال کے دوران میں نہ تو بورڈ نے کوئی کتاب واپس لی اور نہ ہی کسی کتاب میں ترمیم کی۔ اگر گزشتہ سال کے دوران میں بورڈ نے جائزہ کمیٹی کی سفارشات کی روشنی میں سابقہ کتابیں واپس لے کر نئی کتابیں شائع کرانے کا اہتمام کیا ہوتا، تو ناشرین معاوضے کا مطالبہ کر سکتے تھے۔ اس صورت میں بورڈ کو تین ماہ کا نوٹس دینا لازمی تھا، لیکن نہ ہی بورڈ نے ناشرین اور تھوک فروشوں کو کوئی نوٹس دیا۔ نہ ہی سال کے دوران میں کوئی کتاب تبدیل کی۔ پھر ناشرین معاوضے کا مطالبہ کیسے کر سکتے ہیں اور چیئرمین انہیں معاوضہ کیسے دے سکتے ہیں۔

پبلشرز ایسوسی ایشن کے صدر کا بیان ہے کہ ۱۹۷۸ء کے لئے چیئرمین صاحب نے کتابوں کی جو ایلوکیشن کی تھی، وہ دوست نوازی کی بنا پر کئی گنا کر دی گئی تھی، چنانچہ ناشروں کے پاس غیر فروخت شدہ کتابوں کا سٹاک بھی بہت زیادہ بچ گیا۔ انہیں توقع تھی کہ آئندہ سال یہ کتابیں فروخت ہو جائیں گی، لیکن ہوا یہ کہ بہت سی کتابیں نظرِ ثانی کی زد میں آ گئیں۔ اس سے ناشرین کو بھاری نقصان برداشت کرنا پڑا؛ چنانچہ انہوں نے چیئرمین کے حضور واویلا کیا جنہوں نے ازراہِ ترحم معاوضہ دینے کی حامی بھر لی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب بورڈ کے چیئرمین تین سالوں کی فروختگی کتب کی اوسط نکال کر اگلے سال کے لئے ناشرین سے اشاعتِ کتب کا معاہدہ کرتے ہیں، تو تعلیمی سال کے خاتمے پر کتاب کیسے باقی بچ سکتی ہے، اگر چیئرمین صاحب نے دوست نوازی کی خاطر بیک وقت

متعدد پبلشرز کو کتاب شائع کرنے کی اجازت دے دی اور اس بے ضابطگی کے نتیجے میں غیر فروخت شدہ کتابوں کا سٹاک بچ رہا، تو اس کی ذمہ دار حکومت یا ٹیکسٹ بک بورڈ کیوں قرار پائے آخر بے ضابطگی کے مرتکب چیئرمین صاحب کا محاسبہ کیوں نہ ہو؟ اور ناشران کا گریبان کیوں نہ پکڑیں۔

ہم چیئرمین مسٹر علاؤالدین اختر سے سوال کرتے ہیں کہ

۱۔ ان کی آمد ثانی سے قبل کیا سابقہ چیئرمین نے جعلی کتب کی اشاعت مؤثر طور پر بند نہیں کر دی تھی اور اس سے بورڈ کو تین لاکھ روپے کا منافع نہیں ہوا تھا؟

۲۔ کیا ان سے قبل بھی سفارش کی بنا پر کتابوں کی تقسیم (ALLOCATION) ہوئی تھی؟ کیا وہ ایسی ایک مثال بھی پیش کر سکتے ہیں؟

۳۔ کیا ۱۲ مارچ کی بورڈ کی میٹنگ سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ ان کے پہلے احکام خلافِ ضابطہ تھے؟

۴۔ کیا وہ ایک بھی ایسی مثال پیش کر سکتے ہیں جس میں کسی ناشر کو غیر فروخت شدہ کتب کی بنا پر معاوضہ ملا ہو؟

۵۔ کیا ۸ فروری ۱۹۷۹ء کی میٹنگ میں خود انہوں نے میسرز ریاض احمد منظور احمد کی درخواست معاوضہ اس بنا پر مسترد نہیں کر دی تھی کہ معاہدہ کی رو سے غیر فروخت شدہ کتابوں پر معاوضہ نہیں مل سکتا؟

جہاں تک پینتیس لاکھ کتابوں کی تعداد کا تعلق ہے ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ غیر فروخت شدہ کتابوں کی یہ مبینہ تعداد فرضی اور کسی مفاد پرست حلقے کی ذہنی اختراع ہے۔ اس ضمن میں نہ تو کوئی سروے ہوا اور نہ ہی مصدقہ اعداد و شمار اکٹھے کیے گئے بس دفتر میں بیٹھے بیٹھے اندازہ لگا لیا گیا کہ غیر فروخت شدہ کتابوں کی تعداد ۳۵ لاکھ کے قریب ہو گی۔ اس کا ثبوت اس امر سے بھی مل جاتا ہے کہ سروے کے فارم اب تیار کیے جا رہے ہیں۔ گویا پہلے والے اعداد و شمار بالکل فرضی تھے۔ "زندگی" کو اس بات پر فخر ہے کہ اس کی بروقت مساعی سے قومی خزانہ ایک عظیم نقصان سے بچ گیا۔ اگر چیئرمین بورڈ کی ہدایت پر پرانی کتابیں پیپر ملز کی پیپر مل میں کاغذی گودے میں تبدیل ہو گئی ہوتیں تو ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہتا پھر کسی طرح بھی پتہ نہ چلتا کہ ردی میں بکنے والی کتابیں

ایک اور شدید بے ضابطگی

بے نقاب

۳۵ لاکھ تھیں یا ۳۵ ہزار۔ فائل پر صرف بورڈ کے دو افسران کا یہ سرٹیفکیٹ باقی رہ جاتا کہ ہم نے اپنی نگرانی میں ۳۵ لاکھ کتابیں ضائع کرا دی ہیں۔

ہم ناشرین پر یہ بات واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ٹیکسٹ بک بورڈ کے بارے میں اس سلسلہ مضامین سے ہمارا مقصد کسی کی دل آزاری یا کردار کشی نہیں ہے۔ ہمیں اس بات سے بھی اتفاق ہے کہ سرکاری ملازمین کی طرح ناشرین میں بھی بہت سے اچھے لوگ پائے جاتے ہیں اور ہم ان کی قدر کرتے ہیں لیکن ناشر حضرات بھی اس بات میں ہم سے اتفاق کریں گے کہ قومی اداروں میں بے ضابطگیوں کو راہ پانے کی اجازت نہیں ملنی چاہیے اور محبِ وطن پریس کا فرض ہے کہ وہ اس قسم کی بے ضابطگیوں کو بے نقاب کرے۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ چیئرمین بورڈ مسٹر علاؤالدین اختر ایک اور شدید بے ضابطگی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ انھوں نے بورڈ سے منظوری لیے بغیر چار سدہ پیپر مل کو ۴۵ لاکھ روپے کے کاغذ کا آرڈر دے دیا اور رقم کے ایک حصّہ کی پیشگی ادائیگی بھی کر دی۔ حالانکہ سٹاک میں کافی کاغذ پہلے ہی پڑا ہوا ہے اور مزید برآں گزشتہ سال کے مقابلے میں اس سال اشاعتِ کتب کی تعداد بھی چالیس فیصد کم ہے۔ اس حساب سے انھیں اس قدر مزید کاغذ خریدنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن چونکہ وہ بے ضابطگیوں کے عادی ہیں اس لئے قاعدے قانون کی زیادہ پرواہ نہیں کرتے۔ اب انہوں نے بورڈ کی ۱۲ مارچ کی میٹنگ میں پہلے سے دیے ہوئے اس آرڈر کی بھی منظوری لے لی ہے، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ بورڈ کی پیشگی اجازت کے بغیر انہوں نے آرڈر کیوں دیا تھا، ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مارشل لاء حکام نے ٹیکسٹ بک بورڈ کے معاملات کی چھان بین کے لئے ڈویژنل انسپکشن ٹیم مقرر کر دی ہے۔ جس نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ ہم مارشل حکام سے درخواست کریں گے کہ وہ قومی اداروں کو اس قسم کی بے ضابطگیوں سے پاک کر دیں اور اس مقدس فریضے میں کسی رو رعایت سے کام نہ لیں۔

●●

اسرار الحق

مسئلہ جوش کے انٹرویو کا

"پچھلے چند ہفتوں سے اُردو دان اور محبِ وطن طبقہ کی طرف سے جوش ملیح آبادی کے مبیّنہ انٹرویو پر بے شمار خطوط اور مضامین شائع ہوئے ہیں۔ جوش کی یہ ہیئت اس قدر مکروہ اور گھناؤنی ہے کہ ہر محبِ وطن پاکستانی کو اس سے دلی اذیت پہنچی، یہ ایک قطعی قدرتی امر تھا اس انٹرویو سے جوش صاحب کی غیر متوازن شخصیت اور سفلانہ مزاجی کھل کر لوگوں کے سامنے آگئی۔ جوش صاحب کے مداحوں نے اُن کے اس انٹرویو کو قبل از وقت تشت از بام کرنے کے سلسلے میں ریڈیو پاکستان کے کارندوں اور نمائندوں کو موردِ الزام ٹھہرایا اور ان کے خلاف سخت کارروائی کا مطالبہ بھی کیا گیا۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قومی دلچسپی اور جذبہ حب الوطنی کے تحت اگر جوش صاحب کا انٹرویو ان کی زندگی میں ہی عوام تک پہنچا دیا گیا، تو کون سا غضب ہو گیا۔

جوش صاحب نے بانیٔ پاکستان اور حکیم مشرق علامہ اقبال کی شان میں نازیبا اور مکروہ و مذموم خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ کیا یہ ملک اور قوم کے خلاف ایک کھلی سازش نہیں ہے، جوش صاحب جیسے شاعر، تو وقت کے ساتھ ہر دور میں پیدا ہوتے رہیں گے، لیکن وطنِ عزیز جیسی مقدس سرزمین بار بار عالمِ وجود میں نہیں آ سکتی۔ بڑا شاعر ہونے کا مطلب یہ تو ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا کہ بانیٔ پاکستان جناب قائدِ اعظمؒ اور اس سے بڑھ کر قرآن کریم (کتاب اللہ) کی پاکستان کی سرزمین کی کھلم کھلا تذلیل کی جائے۔ (نعوذ باللہ)۔

ممتاز ادیب اور دانشور جناب احمد ندیم قاسمی صاحب نے بھی کھلے الفاظ میں جوش صاحب کی اس حرکتِ مذموم کو محض ڈکشن قرار دے کر بری الذمہ قرار دینے کی کوشش کی ہے۔

یہ کیسا ڈکشن ہے؟ جس میں بانیٔ پاکستان حضرت قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو (معذرت کے ساتھ) کمینہ قرار دیا گیا ہو اور علامہ اقبالؒ کو نعوذ باللہ قرآنِ کریم پر تھوکنے والا ظاہر کیا گیا ہو۔ اصولاً تو ایسے لوگ قابلِ ستائش ہیں جنہوں نے ملک و قوم کے وجود کو عزیز تر رکھتے ہوئے اپنی روزی کی پرواہ نہیں کی اور ادب کے پردے میں برسہا برس سے پروان چڑھنے والی ڈھکی چھپی سازش کو بے نقاب کر دیا۔

میں جناب ضیاء الحق صاحب صدر پاکستان سے پُرزور اپیل کروں گا کہ جوش کا وہ خصوصی انٹرویو جو انہوں نے بھٹو دور میں ریڈیو پاکستان کو دیا تھا، علی الاعلان نشر کیا جائے، تاکہ آئندہ اس سرزمینِ پاک پر کسی بدکردار کو اس قسم کی جرأت نہ ہو سکے۔ آخر میں جناب ندیم قاسمی صاحب سے گزارش کروں گا کہ فرانسیسی ادیب ژاں پال سارتر جس کا حوالہ انہوں نے اپنے مضمون میں اخبارِ جنگ مورخہ ۲۰ جنوری میں دیا ہے، نے جنرل ڈیگال کے زمانے میں فرانس کی الجزائر میں حریت پسندوں کی تحریک کو کچلنے کی سختی سے مذمت کی تھی۔ کیا وہ آزادیٔ فرانس اور فرانسیسی قومیت کا قائل نہ تھا۔ کیا وہ بھی جوش صاحب کی طرح سفلانہ مزاج کا حامل تھا۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ژاں پال سارتر سو فیصدی فرانس کی آزادی اور دنیا کی ہر قوم کی آزادی کا علمبردار تھا، تو پھر ندیم صاحب نے جوش صاحب کی پست اور غیر محبِ وطن شخصیت اور ژاں پال سارتر کی اعلیٰ اور محبِ وطن شخصیت کا تقابل کس طرح کیا۔ کیا ندیم صاحب اس سلسلہ میں کچھ وضاحت کرنا گوارا کریں گے۔

جوش صاحب تو سرے سے ہی مسلم قومیت اور مسلم نظریہ کے منکر ہیں۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی میں بھارتی جارحیت اور سامراج کے خلاف ایک نظم تو کیا ایک لفظ کہنا بھی گوارا نہ کیا۔ جوش صاحب تو نعوذ باللہ اپنے آپ کو "خدا کے ساتھ کھیلا ہوا" کہتے ہیں اور اپنے آپ کو پاکستان میں ایسا محسوس کرتے ہیں جیسے کوفے میں "حسینؑ" الامان الحفیظ، کیا ان ٹھوس حقائق کی روشنی میں جوش صاحب ان تمام مراعات کے اہل قرار پا سکتے ہیں، جن کی جناب قاسمی صاحب نے سفارش فرمائی ہے۔

●●

کرنل قذافی بھٹو کو ساتھ لے جائیں گے۔ پیپلز پارٹی کی خوش فہمی

علامہ خمینی کو بھٹو سے کوئی ہمدردی نہیں

نظرثانی کی درخواست ـــ مزید التوا کی کوشش کی جائیگی

نواب محمد احمد خان کے قتل کے بڑے مجرم ذوالفقار علی بھٹو کے مستقبل کے بارے میں وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں موجود غیر ملکی سفارت کاروں کی دلچسپیوں میں ان دنوں غیر معمولی اضافہ ہوگیا ہے۔

لاہور ہائی کورٹ نے اس مقدمۂ قتل کا فیصلہ سناتے ہوئے جب ذوالفقار علی بھٹو اور ان کے ساتھیوں کو موت کی سزا دی تھی۔ اس وقت یوں تو تقریباً تمام غیر ملکی سربراہوں نے انسانی بنیادوں پر بھٹو کے لئے رحم کی اپیلیں کی تھیں، لیکن اسلام آباد میں روس، لیبیا اور متحدہ عرب امارات کے سفارت کاروں کی سرگرمیاں تیز ہوگئی تھیں۔ گزشتہ ماہ جب سپریم کورٹ کے فل بنچ نے کثرتِ رائے سے مسٹر بھٹو کی اپیل مسترد کرکے ہائیکورٹ کی سزا کی توثیق کی تھی، تو ان سفارت کاروں کی سرگرمیاں ایک بار پھر تیز ہوگئی تھیں۔ بعض سفارت کاروں نے تو تمام سفارتی آداب کو بالائے طاق رکھ کر بھٹو کی جان بچانے کے لئے اس تیزی سے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے تھے، جیسے بھٹو پاکستانی نہیں، ان کے ملک کا باشندہ ہو اور اسے بے بنیاد الزامات کے تحت سزا دی جارہی ہو۔

سفارتخانوں کی سرگرمیاں

اب جب کہ سپریم کورٹ میں مسٹر بھٹو کی نظرثانی کی درخواست کی سماعت آخری مراحل میں ہے، ان سفارت کاروں کی سرگرمیوں میں ایک بار پھر شدت آگئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی سفارتی حلقوں میں مختلف قسم کی افواہیں بھی تیزی سے گشت کرنے لگی ہیں۔ ان دنوں راولپنڈی، اسلام آباد کے حلقوں کا سب سے اہم موضوع بھٹو کی جان بخشی کے لئے چند دوست ملکوں کے سربراہوں کی پاکستان میں متوقع آمد ہے۔

ان حلقوں کے مطابق اگر سپریم کورٹ نے نظرثانی کی درخواست بھی مسترد کردی اور مسٹر بھٹو کی سزائے موت بحال رکھی، تو اس فیصلے کے اعلان کے فوراً بعد عرب دوست ملک لیبیا کے صدر کرنل معمر قذافی اپنے دوست کی جان بچانے خود پاکستان آئیں گے۔ اس کے ساتھ ہی ترکی کے وزیرِ اعظم جناب ملند ایجوت کی متوقع آمد کے بھی بہت چرچے ہیں۔ کہا جارہا ہے کہ ترکی کے وزیر اعظم صدر پاکستان سے ایک بار پھر درخواست کریں گے کہ وہ بھٹو انہیں دے دیں۔ پیپلز پارٹی کے حلقے یہ تاثر دے رہے ہیں کہ دونوں رہنما مسٹر بھٹو کو اپنے ساتھ ہی لے جائیں گے، جب کہ ان دونوں دوست ملکوں کے سفارت خانے ان "خبروں" پر ہر قسم کے تبصرے سے گریز کر رہے ہیں۔

اور اب ایک نئی افواہ

یہی حلقے سعودی عرب کے شاہ فیصل شہید کے فرزند جناب خالد الفیصل کی پاکستان میں متوقع آمد کو بھی "بھٹو بچاؤ" تحریک کا ہی ایک حصہ قرار دے رہے ہیں۔ ان حلقوں کا کہنا ہے کہ شاہ خالد نے بھٹو کی جان بخشی کی جو اپیل صدر محمد ضیاء الحق سے کی تھی، وہ اس کے جواب سے مطمئن نہیں۔ یاد رہے کہ ایک اعلیٰ سرکاری وفد نے حال ہی میں سعودی عرب کا دورہ کیا تھا۔ ان حلقوں کا کہنا ہے کہ اس وفد نے جو معروضات پیش کی تھیں، شاہ خالد ان سے مطمئن نہیں ہیں اس لئے وہ اپنے دست راست جناب خالد الفیصل کو پر زور سفارشات کے ساتھ پاکستان بھیج رہے ہیں، تاکہ وہ بھٹو کی جان بخشی کے لئے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرسکیں۔

اس افواہ میں حقیقت کا شائبہ تک نہیں، اس کے باوجود پیپلز پارٹی اپنے کارکنوں کے حوصلے بڑھانے کے لئے مسلسل بے پر کی اڑا رہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شہزادہ خالد الفیصل شاہ خالد کے نمائندے کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ذاتی دورے پر پاکستان تشریف لانے والے ہیں تاکہ وہ جماعتِ اسلامی کے بانی مولانا سید مودودی سے ملاقات کرسکیں، جنہیں ان کی اعلیٰ اسلامی خدمات پر دنیائے اسلام کا سب سے بڑا اعزاز "فیصل ایوارڈ" دیا گیا ہے۔ اسلام آباد میں سعودی عرب کے سفارت خانے کے ایک اعلےٰ افسر نے بھی اس خبر کی تردید کردی ہے کہ شہزادہ خالد الفیصل بھٹو کی جان بخشی کے لئے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنے پاکستان آنے والے ہیں۔

افواہیں ہی افواہیں

پیپلز پارٹی کے اخبارات ملائشیا کے سابق وزیر اعظم جناب تنکو عبدالرحمٰن کے حالیہ دورہ پاکستان جو ۲۱ مارچ سے شروع ہورہا ہے، کے بارے میں بھی یہی تاثر دے رہے ہیں۔ گویا تنکو عبدالرحمٰن بھی "بھٹو بچاؤ" تحریک کو آگے بڑھانے پاکستان آرہے ہیں۔ سفارتی حلقوں کے مطابق موصوف جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں کی اسلامی علاقائی کانفرنس کے انعقاد کے سلسلے میں پاکستان آرہے ہیں، جو کہ

سمرقند و بخارا کی
خونیں سرگزشت
— اعظم ہاشمی —

روسی ترکستان کے مسلمانوں کی روداد الم جسے پڑھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ "سوشلزم" اسلام کے لیے کتنا عظیم خطرہ ہے اور اس کے ظاہر و باطن میں کتنا بھیانک فرق موجود ہے۔

سفید کاغذ　فوٹو آفسٹ طباعت　حسین سرورق
قیمت : ۲/۲۵ روپے
مکتبۂ اردو ڈائجسٹ سمن آباد۔ لاہور

کوالالمپور میں رابطہ عالم اسلامی کے تعاون سے منعقد ہوگی۔ اسلامی علاقائی کانفرنس کے سلسلے میں پاکستان کے تعاون پر تبادلہ خیال کرنے وہ پاکستان تشریف لائیں گے۔ جہاں تک ملائیشیا کا تعلق ہے اس کے وزیراعظم جناب داتو حسین بن عون جب جنوری میں پاکستان تشریف لائے تھے، تو انہوں نے واشگاف الفاظ میں ملائیشیا کا نقطۂ نظر واضح کر دیا تھا کہ بھٹو پاکستان کا اندرونی معاملہ ہے اور ہم اس سلسلے میں ہر قسم کی مداخلت سے اجتناب برتتے ہیں۔

بی بی سی نے سارا پول کھول دیا۔

پیپلز پارٹی کے مذہبی اخبار —— ایران کے مذہبی رہنما آقائے خمینی کے بارے میں بھی متعدد خبریں شائع کر چکے ہیں کہ انہوں نے بھی مسٹر بھٹو کی جان بخشی کی اپیل کی ہے۔ اس ماہ کے پہلے ہفتہ میں مسٹر بھٹو کے ایک فرزند کے حوالے سے بھی یہ خبر شائع ہوئی کہ آقائے خمینی نے انہیں یقین دلایا ہے کہ بھٹو کی جان بچالی جائے گی۔ انہی ذرائع سے یہ خبر بھی سامنے آئی کہ تنظیم آزادیٔ فلسطین کے سربراہ جناب یاسر عرفات بھی آقائے خمینی کے نمائندے کے طور پر پاکستان آنے والے ہیں تاکہ صدر ضیاء الحق کو بھٹو کی جان بخشی پر آمادہ کر سکیں۔ اب پیپلز پارٹی کے سب سے معتبر ذریعہ خبر بی بی سی نے بھی ہماری اس اطلاع کی تصدیق کر دی ہے کہ آقائے خمینی بھٹو کی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ ۱۱ر مارچ کو اپنے نشریہ میں بی بی سی نے کہا ہے کہ مسٹر بھٹو کی سزائے موت کے خلاف جان بخشی کی اپیل پر آقائے خمینی کے خیالات کے بارے میں ایرانیوں کا کہنا ہے کہ انہیں اس شخص کی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں جو اپنے ملک میں علمائے دین کی تضحیک کرتا رہا ہو۔ بی بی سی کے بقول مسٹر بھٹو کا صاحبزادہ آقائے خمینی سے ملنے قم پہنچا تھا، مگر اس کی ملاقات کے بارے میں پتہ نہیں چل سکا۔

اس طرح پیپلز پارٹی کی طرف سے پھیلائی جانے والی ان افواہوں کی بھی تردید ہو گئی ہے کہ جناب خمینی خصوصی اختیارات کے ساتھ جناب یاسر عرفات کو پاکستان بھیج رہے ہیں تاکہ وہ صدر جنرل محمد ضیاء الحق کو بھٹو کی سزائے موت معاف کرنے پر آمادہ کر سکیں۔

سماعت ۷ ار مارچ تک ملتوی

اس ہفتہ سپریم کورٹ نے مسٹر بھٹو کی نظر ثانی کی درخواست کی سماعت غلام علی میمن کی اچانک وفات کی وجہ سے ۷ ار مارچ تک ملتوی کر دی ہے۔ مسٹر بھٹو کے وکیل اور سندھ کے سابق ایڈووکیٹ جنرل غلام علی میمن ۹ ر مارچ کو فلیش مین ہوٹل میں اچانک حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال کر گئے تھے۔ جس پر مسٹر بھٹو کے سینئر وکیل مسٹر یحییٰ بختیار نے سپریم کورٹ سے درخواست کی تھی کہ سماعت دو ہفتوں کے لئے ملتوی کر دی جائے، کیونکہ وہ اپنے قابلِ اعتماد ساتھی کی اچانک وفات کی وجہ سے سماعت میں فوری طور پر حصہ نہیں لے سکتے۔ چیف جسٹس نے اس درخواست پر فیصلہ دیا کہ سپریم کورٹ کے بنچ کے اراکین جناب غلام علی میمن کے انتقال پر وکلائے صفائی سے ہمدردی رکھتے ہیں، مگر ان اراکین کا خیال ہے کہ طویل التوا نہ تو درست ہے، نہ مناسب، عام طور پر اس معاملے کی سماعت تجہیز و تدفین کے فوراً بعد شروع ہو جانی چاہیے تھی، مگر التوا کی درخواست کے پیشِ نظر اس معاملے کو ۷ ار مارچ تک ملتوی کیا جاتا ہے، تاکہ صفائی کے وکیلوں کو تیاری کے لئے مزید وقت مل سکے۔

سماعت کی غیر ضروری طوالت کیوں؟

مسٹر یحییٰ بختیار نے سماعت ۷ ار مارچ تک ملتوی کرنے پر عدمِ اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے مسٹر بھٹو کے ایڈووکیٹ آن ریکارڈ مسٹر افضل صدیقی سے فون پر بات کرتے ہوئے کہا کہ

مسٹر اعجاز بٹالوی

۱۵ ار مارچ کو ہم راولپنڈی پہنچیں گے۔ جس کے بعد سماعت کی مکمل تیاری کے لئے صرف ایک دن ملتا ہے، جو نا کافی ہے، خیال کیا جا رہا ہے کہ بھٹو کے وکیل ایک بار پھر نظر ثانی کی درخواست کی سماعت میں التوا کی درخواست کریں گے۔ لاہور ہائی کورٹ میں اس مقدمے کی سماعت کے دوران میں ممتاز وکیل ایم انور بار ایٹ لا اچانک وفات پا گئے تھے، مگر مقدمے کی سماعت اتنے عرصہ کے لئے ملتوی نہیں ہوئی تھی۔ اسی طرح سپریم کورٹ میں مقدمے کی سماعت کے دوران میں ایک فاضل جج کے خسر کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود فاضل جج مقدمے کی کارروائی کو ملتوی کر کے تعزیت کے لئے بھی نہیں گئے تھے۔ ان واضح مثالوں کے باوجود پیپلز پارٹی کے چیئرمین کے وکیل سماعت کو غیر ضروری طور پر طول دے رہے ہیں۔

منگل ۱۳ ر مارچ کو وکیل سرکار مسٹر اعجاز حسین بٹالوی نے یحییٰ بختیار کے دلائل کے جواب دیے۔ مسٹر بٹالوی نے یحییٰ بختیار کے اکتیس نکات کے بارے میں کہا کہ مسٹر بختیار نے انہیں فیصلے کی خامیاں کہا ہے، مگر یہ نکات مفروضہ اور ناقابلِ فہم ہیں۔ مسٹر بھٹو کی اپیل کی سات ماہ تک سماعت کی گئی ایک ایک شہادت کا جائزہ لیا گیا۔ اگر ایک فریق کو پریشانی ہو تو یہ نظرِ ثانی کی بنیاد نہیں بنتی۔ نظر ثانی انتہائی نامساعد حالات میں ہوتی ہے۔ سزا پر نظرِ ثانی صرف انتظامیہ کا کام ہے۔

اس نکتے پر کہ اپیل کنندہ موقع پر موجود نہیں تھا ——

—— مسٹر بٹالوی نے کہا کہ قتل کے لیے اکسانے اور قتل کا ارتکاب کرنے والا ایک ہی سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے کالعدم فیڈرل سیکورٹی فورس کے انسپکٹر صوفی غلام مصطفےٰ کے بارے میں بتایا کہ وہ بھی موقع پر موجود نہیں تھا، مگر تمام ججوں نے اسے متفقہ طور پر سزائے موت کا مستحق قرار دیا ہے۔ اس موقع پر وکیل سرکار نے کئی حوالے دیے۔

برما کے سابق وزیر اعظم کو پھانسی کی سزا دی گئی

انہوں نے بتایا کہ برما کے ایک سابق وزیرِ اعظم مسٹر یوسا کو برما کی سپریم کورٹ نے سزائے موت دی، جبکہ وہ موقع پر موجود نہیں تھے۔ برما کی سپریم کورٹ نے مسٹر یوسا کی نظر ثانی کی اپیل مسترد کر دی تھی۔ ●●

غلام علی میمن مرحوم

یخ بستہ ہواؤں کے باوجود لوگوں نے اپنے رہنماؤں کی تقاریر بڑے اطمینان سے سُنیں۔

حالات کا تقاضا ہے کہ

قوم ایک ہی پرچم تلے متحد رہے

قومی اتحاد کے راہنماؤں کے دورۂ بہاولپور کی رپورٹ

بہاولپور ڈویژن ان دنوں یخ ہواؤں کی زد میں ہے، لیکن قومی اتحاد کے جلسوں نے فضاؤں کو گرما رکھا ہے۔ یہ دورے اس لحاظ سے طوفانی کہے جا سکتے ہیں کہ پاکستان قومی اتحاد کے رہنما ایک دن میں تین چار مقامات پر خطاب کر رہے ہیں اور یوں عوام کی ایک بڑی تعداد پر اپنے افکار کے نقش ثبت کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ ملتان ڈویژن کا دورہ مکمل کر کے قومی اتحاد کے مرکزی رہنماؤں نے بہاولپور شہر سے اس ڈویژن میں دوروں کا آغاز کیا۔

استقبال

جمعرات ۸ مارچ کی شام قومی اتحاد کے رہنما بہاولپور تشریف لاتے تو اتحاد کے مقامی رہنماؤں نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ استقبال کرنے کے لیے مقامی رہنما ستلج کے پُل پر نمازِ عصر کے وقت ہی جمع ہونا شروع ہو گئے۔ جس وقت مغرب سے کچھ دیر پہلے مرکزی رہنما مولانا مفتی محمود، نوابزادہ نصر اللہ خاں، مولانا جان محمد عباسی اور خان محمد اشرف خان کاروں کے ایک جلوس کی شکل میں پُل پر پہنچے تو خاکساروں کے دستے نے ان کو سلامی دی۔ قومی اتحاد کے رہنماؤں اور ان کا استقبال کرنے والوں نے ستلج کے پُل پر ہی نمازِ مغرب ادا کی۔ یہ ایک ایمان افروز منظر تھا۔ ایک طرف تو تاریکی دریا کے پانیوں پر اتر رہی تھی۔ دوسری طرف ایمان کا نور دلوں کو روشن کر رہا تھا۔

قائدین کاروں کے جلوس کی صورت میں شہر کی جانب بڑھے۔ فضا نعرۂ تکبیر کی صداؤں سے گونج رہی تھی۔ یہ کارواں فرید گیٹ، شاہی بازار اور فتح خاں بازار سے ہوتا ہوا چودھری حشمت علی کے گھر پہنچا۔ وہیں پر ان کو رات کا کھانا کھلایا گیا۔

خطاب

پاکستان قومی اتحاد کے قائدین نے نمازِ عشاء کے بعد مسجد الصادق میں عظیم الشان "نظام اسلام کانفرنس" سے خطاب کرنا تھا۔ لوگ نمازِ عشاء سے پہلے ہی جوق در جوق مسجد میں آنا شروع ہو گئے تھے۔ مسجد کے صحن میں ٹینٹ نصب کر دیے گئے تھے۔ جب اتحاد کے قائدین مسجد میں پہنچے تو لوگوں نے نعرے لگا کر ان کا خیر مقدم کیا۔ اس کے بعد جلسہ شروع ہوا۔ فضا یخ بستہ تھی کہ کوئٹہ اور مری سے چلی ہوئی ٹھنڈی ہواؤں کا سنگم ہو رہا تھا مگر لوگوں نے رات گئے تک قائدین کی تقریریں سنیں اور جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔

قوم کی قسمت جاگ اُٹھی ہے

مولانا مفتی محمود نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ سے ملک کی قسمت جاگ اُٹھی ہے اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ سعودی عرب کے بعد پاکستان میں اسلامی حدود نافذ کی گئیں۔ اب اگلا قدم یہ ہو گا کہ دیوانی قوانین بھی اسلامی سانچے میں ڈھالے جائیں گے۔

افغانستان کا مسئلہ

مولانا مفتی محمود نے افغانستان کی صورتِ حال پر تبصرہ کرتے

ہوئے کہا کہ وہاں سے ملنے والی اطلاعات خاصی تشویش ناک ہیں۔ صورت یہ ہے کہ ایک فیصد کمونسٹوں نے ۹۹ فیصد مسلمانوں کی آبادی پر قبضہ کر لیا ہے۔ اب تک افغانستان میں ۲۵ ہزار مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔ افغانستان کے گوشے گوشے میں خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں، علما کو ان کے گھروں سے گرفتار کر کے تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ پاکستان کے حوالے سے انھوں نے کہا کہ کمونزم ہمارے ملک کے دروازے پر پہنچ چکا ہے۔ افغانستان روس کی گود میں چلا گیا ہے۔ ترہ کی حکومت حزبِ اسلامی کے کارکنوں کو ہراساں کر رہی ہے۔ ادھر ایران کے حالات بھی ہمارے سامنے ہیں۔ اس صورتِ حال کا تقاضہ یہ ہے کہ ہمارے عوام مکمل طور پر متحد ہو جائیں تاکہ ملکی سلامتی کو کوئی خطرہ پیش نہ آئے۔

مارشل لا حکومت سے تعاون

ہم نے عظیم قومی مفاد کے لیے اپنا سیاسی کیریئر داؤ پر لگا دیا ہے۔ یہ بات غلط ہے کہ ہم چور دروازے سے اقتدار میں شامل ہوئے ہیں۔ ہمارے اس اقدام سے ملک کا مستقبل محفوظ ہو گیا ہے۔

قومی اتحاد سے الگ ہونے والے

مولانا مفتی محمود نے پاکستان قومی اتحاد سے الگ ہو جانے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہم اب بھی ان کو واپس آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر ان جماعتوں نے میری اپیل کا مثبت جواب دیا تو میں ان کے گھر پر جا کر ان کی منت کرنے کو تیار ہوں۔ کیوں کہ ہم ایک دوسرے کے مزاج کو جانتے ہیں لہٰذا متحد رہ کر ہی صحیح معنوں میں قوم کی خدمت کر سکتے ہیں۔ فرقہ واریت کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ دیوبندی اور بریلوی کا سوال اٹھا کر فرقہ بندی کو ہوا نہ دی جائے۔ فرقہ واریت کی بنیاد پر قوم کو تقسیم کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ پاکستان فرقوں کے لیے نہیں مسلمانوں نے لیے بنا ہے۔

قومی اتحاد کے نائب صدر نوابزادہ نصر اللہ خاں نے کہا کہ قومی اتحاد اسلامی نظام کے نفاذ اور جمہوریت کی بحالی کے لیے اقتدار میں شامل ہوا ہے ہمارا ایک مقصد پورا ہو گیا ہے۔ دوسرے کے لیے کوشش جاری ہے۔

نوکر شاہی اسلام کے نفاذ کی راہ میں روڑے اٹکا رہی ہے

خاکسار تحریک کے سربراہ محمد اشرف خان نے کہا کہ نوکر شاہی اسلامی نظام کے نفاذ کی راہ میں روڑے اٹکا رہی ہے۔ اس کی تطہیر لازمی ہے۔ جرائم ختم کرنے کے لیے چور کے ساتھ رشوت خور افسر کا ہاتھ بھی کاٹ کر لٹکانا ہو گا۔

مولانا جان محمد عباسی نے کہا کہ پاکستان کی سالمیت کو نقصان پہنچانے کے لیے فرقہ واریت کو ہوا دی جا رہی ہے ہمیں علاقائی عصبیت کو ہوا دینے والوں کا بھی مقابلہ کرنا ہے۔ عوام کو ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ انھوں نے کہا کہ عوام کو عدلیہ پر مکمل اعتماد ہے، عدلیہ کو اپنا کردار ادا کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔

خلوص و محبت کے مظاہرے، اسلام اور جمہوریت کی باتیں

رابطۂ عوام کی مہم کے سلسلے میں قومی اتحاد کے قائدین ڈیرہ غازی خاں تشریف لائے۔ چھ مارچ کا سورج طلوع ہوتے ہی ڈیرہ غازی خاں کے جیالوں نے والہانہ استقبال کی تیاریاں شروع کر دیں۔ پل قنبر والی اور چوک چورہٹہ پر لوگوں کا جم غفیر رہا تاکہ وہ اپنے قائدین کو پُرجوش طور پر خوش آمدید کہہ سکیں۔ مرکزی عید گاہ کے احاطہ میں شامیانے نصب کر دیے گئے تھے۔ دیواروں پر خوبصورت بینرز آویزاں تھے جن پر اسلامی انقلاب کے نعرے درج تھے۔ سورج غروب ہوتے ہی یہ جلسہ گاہ رنگ برنگی روشنیوں سے بقعۂ نور بن گئی۔

قومی اتحاد کے رہنماؤں کی بتدریج آمد نو بجے شب شروع ہوئی۔ ان رہنماؤں میں مولانا مفتی محمود، جناب حمزہ صاحب، خان محمد اشرف خاں، نوابزادہ نصراللہ خاں، جناب زاہد الراشدی اور جناب بارک اللہ ایڈووکیٹ شامل تھے۔ عید گاہ کے باہر عوام نے بڑے جوش و خروش سے ان کا استقبال کیا اور پُرجوش نعرے بلند کیے گئے۔ خاکسار تحریک کے رہنما خان اشرف خاں کو طالب علموں نے گھیر لیا اور ان سے آٹوگراف لیے۔ قومی اتحاد کے ضلعی صدر جناب طالب داؤدی ایڈووکیٹ کو کرسی صدارت دی گئی اور تلاوت کلام پاک کے بعد کارروائی کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض جناب غلام حسین بزدار نے سرانجام دیے اور پہلے جناب زاہد الراشدی کو اظہار خیال کی دعوت دی گئی۔

جناب زاہد الراشدی

انہوں نے کہا کہ —————— خلوص و محبت کے اس مظاہرے نے ثابت کر دیا ہے کہ پاکستان کے عوام قومی اتحاد کے ساتھ ہیں۔ آپ نے ڈاکٹر نذیر شہید کو ووٹ دے کر لادینی نظریات کو رد کر دیا (نعرے)

آپ نے شرافت و انسانیت کا ساتھ دیا ہے اور جبر و ستم کی راہ روک دی ہے۔ پاکستان کے عوام نے ایک بہت بڑی تبدیلی کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اس فیصلے کی پشت پر طویل قربانیاں ہیں، لیکن اسلامی انقلاب کو کامیاب بنانے کے لیے اس سے زیادہ جذبہ درکار ہے۔

انہوں نے افسر شاہی کو انتباہ کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں آئینی اور قانونی ذرائع پر اعتماد ہے، لیکن بیوروکریسی کا منفی ردِ عمل قومی جذبات کو مجروح کر رہا ہے۔ مکمل اسلامی انقلاب آ کر رہے گا۔ اگر اس کی راہ میں مزاحم ہونے کی کوشش کی گئی، تو اس کی ذمہ داری ناعاقبت اندیش بیوروکریسی پر ہوگی۔

اس کے بعد جناب بارک اللہ ایڈووکیٹ مائیک پر آئے۔

جناب بارک اللہ ایڈووکیٹ

انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر شہید نے فطرت کے عناصر کی نگہبانی کی۔ ایک تحریک نے جنم لیا، جبر و استبداد کی حکومت ختم ہوئی — اب دنیا پر اس تحریک کے اثرات مرتب ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ جناب بارک اللہ نے میاں طفیل محمد امیر جماعت اسلامی کے حوالے سے بتایا کہ ایران میں اسلامی انقلاب کی تحریک مولانا مودودی، ڈاکٹر اقبال اور حسن البناء شہید سے متاثر ہوئی ہے۔ ——— آخر میں انہوں نے مطالبہ کیا کہ سیاست دانوں کا محاسبہ کافی نہیں، اس کے ساتھ ساتھ نوکر شاہی کا محاسبہ بھی ضروری ہے۔

جناب حمزہ صاحب

جناب حمزہ نے ملے جلے جذبات کے انداز میں کہا کہ آزادی کے بعد ملک کی اخلاقی و معاشی حالت بتدریج بگڑتی گئی۔ حکمران اسلام کا نام لے کر حکمرانی کرتے رہے، لیکن ان کا کردار بھیانک رہا، حتیٰ کہ قائد اعظم کا دیا ہوا پاکستان ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ —————— انہوں نے انتباہ کرتے ہوئے کہا کہ اب اگر خوابِ خرگوش میں سو گئے تو کامیابی ممکن نہیں۔ دہریے، قادیانی، شرابی، زانی اور رشوت خور موجود ہیں۔ وہ اس تاک میں ہیں کہ موقعہ ملے، تو ان اقدامات کو ختم کر دیا جائے۔

نوابزادہ نصراللہ خاں

اسلامی دنیا نہایت اشتیاق سے ہمارے اس تجربے کو دیکھ رہی ہے۔ —————— انہوں نے افغانستان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہاں علما اور عوام پر تشدد جاری ہے اور کمیونزم کے تجربے نے اس قوم کو خون میں نہلا دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے چند روٹھے ہوئے بھائی غلط فہمی کی وجہ سے ہم سے علیحدہ ہو گئے، انہیں چاہیے کہ وہ فرقہ واریت کو خیرباد کہہ کر دوبارہ قومی اتحاد کی صفوں میں شریک ہوں۔

خان محمد اشرف خاں

انہوں نے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ جس نظامِ حق کے ہم متمنی تھے، وہ نافذ ہو چکا ہے۔ بھٹو اس کوٹھڑی میں بند ہے جہاں لانگ مارچ کے سلسلے میں مَیں بند ہوا تھا۔ انہوں نے موجودہ احتسابی کارروائیوں کے متعلق کہا کہ یہ احتساب کے نام پر مذاق ہے۔ ابھی بہت سے وڈیرے محفوظ ہیں اور ستم کی بات یہ ہے کہ موجودہ حکمرانوں کے ساتھ پینگیں بڑھا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ "مضبوط کرسی والا" اسلام کے راستے سے ہٹ گیا ہے۔ دنیا منتظر ہے، اب یہاں اسلامی نظام نافذ ہوگا اور انشاء اللہ دُنیائے اسلام کا ایک مضبوط واحد بلاک بن جائے گا۔

نواب زادہ نصراللہ خاں

ایک سنجیدہ مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے اپنی تقریر کا آغاز کیا اور حسبِ دستور اس میں برجستہ اشعار کے موتی بکھیرتے چلے گئے۔ انہوں نے کہا جب قومی روایات سے روگردانی کی سازشیں پروان چڑھنے لگیں، تو ایک تحریک اٹھی، ایک جمہوری تحریک جو زیرِ زمین نہیں تھی، اس میں ہر طبقے کے افراد نے حصہ لیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر مقصد نہ ہو تو تحریک چلائی نہیں جا سکتی۔ دھاندلی کے نتیجے میں جب اس "حاتم طائی" نے ہمیں اڑتیس نشستیں دینا گوارا کیا، تو بائیکاٹ کے نتیجے میں دیہاتوں اور شہروں کے پولنگ اسٹیشن ویران پڑ گئے۔ ایک ہزار سے زائد افراد شہید اور ایک لاکھ سے زائد جیلوں میں گئے، لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ کسی نے معافی نہیں مانگی۔

انہوں نے خبردار کرتے ہوئے کہا کہ چند عناصر ملک میں کھلبلی مچا کر الیکشن رکوانا چاہتے ہیں، لیکن انہیں جان لینا چاہیے کہ وہ بہت بڑی غلطی پر ہیں۔

پونے بارہ بجے شب مولانا مفتی محمود جلسہ گاہ میں تشریف لائے پُرجوش نعروں سے ان کا استقبال کیا گیا۔

مولانا مفتی محمود

انہوں نے کہا کہ ہمارے ملک میں دو سو سال سے انگریزوں کا قانون رائج تھا۔ آزادی کے بعد سعی و عمل اور جدوجہد کے دور کا آغاز ہوا، لیکن تیس سال سے جو با اقتدار و با اختیار سیاست ملک پر مسلط رہی، وہ بھی ان باطل قوانین کا سہارا لیتی رہی، پھر آپ نے ایک تحریک شروع کی۔ اس میں آنسو ہی نہیں خون بھی بہایا گیا۔ عورتوں نے رو رو کر دعائیں مانگیں اور اللہ تعالیٰ نے وہ نظام آپ کو دے دیا جس کے آپ متمنی تھے اور آپ اس سلسلے میں مبارک باد کے مستحق ہیں۔

انہوں نے کہا میں اسلام کے بارے میں غیر "سیاسی" ہوں۔ ہم نمائندہ حکومت یا انتخابات کا انتظار نہیں کر سکتے تھے۔ اسلام کو نمائندہ حکومت پر موقوف نہیں کیا جا سکتا، وہ مارشل لاء کے ذریعے سے آئے یا کسی اور ذریعے سے۔ ہم نے اپنے آپ کو موجوں کے حوالے کر دیا، جبکہ ہمارے کچھ ساتھی ساحل پر موجود ہیں، ہمیں طعن و تشنیع کر رہے ہیں۔ ہم نے اسلامی نظام کا گوہرِ آبدار نکال کر دے دیا۔

انہوں نے مقامی انتظامیہ پر کڑی تنقید کرتے ہوئے کہا کہ شہر ڈیرہ غازی خاں کی سڑکیں ناگفتہ بہ حالت میں ہیں۔ میونسپل کمیٹی انہیں درست نہیں کراتی۔ انہوں نے کہا کہ میونسپل کمیٹی میں غبن کا انکشاف ہوا ہے، اس کی تحقیق کرائی جائے اور میونسپل کمیٹی کا محاسبہ کر کے مجرموں کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ ●●

شاہین کا خون رنگ لا رہا ہے

یہی مارچ کا مہینہ تھا۔ میری عزیز بچی اس عالم میں ایف ایس ایف کی گولیوں کا نشانہ بن گئی کہ وہ صحن میں اپنے گھریلو کام کاج میں مصروف تھی۔ اب جبکہ اس دور کے ستم پیشہ حکمران مکافاتِ عمل کی زد میں ہیں، بچی کی شہادت کا زخم کسی حد تک مندمل ہو رہا ہے؛ تاہم شہید بچی کی یاد آتی ہے، تو بڑی شدت سے آتی ہے۔

(محمد سلیمان، پوسٹ بکس ۱۸، مسقط)

"شاہین باجی کی دوسری برسی کے موقع پر آنے کی ضرور کوشش کریں۔ آپ نہ آسکے تو اس کی رُوح بے چین ہوگی۔ دو سال ہو رہے ہیں مگر باجی واپس نہیں آئی۔ میں اکیلی سکول جاتی ہوں۔ ہر روز اسے یاد کرتی ہوں مگر روٹھی باجی جواب تک نہیں دیتی۔ اچھا! کاتبِ تقدیر کی یہی مرضی ہوگی۔"

یہ شاہین شہیدہ کی چھوٹی بہن کے کل کے خط سے اقتباس ہے۔ دو سال ہونے کو ہیں کہ اس کی باجی ایف ایس ایف کی گولیوں کا نشانہ بنی تھی۔ وہ اپنی باجی کو اب تک نہیں بھلا سکی۔ بھلاتے بھی کیسے۔ وہ اس کی ہم سکول تھی۔ دونوں ایک ساتھ سکول جاتی تھیں۔ وہ اس کی استاد تھی۔ گھر پر اس کو پڑھاتی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اس کی بہن تھی اور اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی لاش زمین پر گری تھی۔ خون کی بہتی ہوئی ندی اُبلتا ہوا فوارہ اس کے سامنے رواں تھا۔ آن کی آن میں اس کی ہنستی کھیلتی باجی خون میں نہائی اور ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی۔ پھر کتنے دن اس نے کھانا نہ کھایا کہ اس کی باجی بھوکی پیاسی اس سے رُوٹھ گئی تھی۔ اس دن نہ وہ روئی نہ چلائی۔ البتہ اس دن سے خاموش رہتی ہے۔ خوف زدہ، سہمی سہمی، گم سم۔ یہ بچی جب بھی مجھے خط لکھتی ہے کوئی نہ کوئی بات ایسی لکھ جاتی ہے جو مجھے پہروں رُلاتی ہے۔ میں ہمیشہ اس کو لکھتا ہوں کہ تم باجی کو بھول جاؤ۔ خدا کو یہی منظور تھا۔ انسان کو تقدیر پر راضی رہنا چاہیے۔ یہی مسلمانی کا شیوہ ہے۔ مگر چلتے چلتے وہ اپنے دل کا زخم کھول جاتی ہے۔

آج میں اس کا خط پڑھ کر کتنی دیر تک روتا رہا۔ شاہین کی بھولی بھالی صورت آنکھوں کے سامنے گھومنے لگی۔ اقبالؒ کی نظم "پرندے کی فریاد" وہ اکثر بچپن میں سُنایا کرتی تھی ؎

وہ پیاری پیاری صورت وہ کامنی سی مورت
آباد جس کے دم سے تھا میرا آشیانہ

سینکڑوں بار اس نے یہ شعر سنایا ہوگا۔ لیکن اس شعر کا مفہوم اب ایسا ذہن نشین ہوا ہے کہ کوشش کے باوجود اس کو نہیں بھلا سکتا۔ لگتی ہے چوٹ دل پر آتا ہے یاد جس دم۔ سوچتا ہوں کہ دنیا اگر اسباب و علل پر قائم ہے اور اس میں مکافاتِ عمل کا اصول رواں دواں ہے۔ سزا صرف گناہ کرنے والے ہی کو ملتی ہے۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی، تو میری معصوم شاہین نے کونسا قصور کیا ہوگا، جس کی پاداش میں قدرت نے اس سے خون کا نذرانہ طلب کیا۔ وہ تو بڑی ہی نیک بچی تھی۔ غنی القلب، سادہ طبع۔ ہر ایک کے دُکھ کو اپنا دُکھ سمجھنے والی پرندے کی فریاد پڑھ کر رونے اور رلانے والی۔ پھر سوچتے سوچتے اچانک دل میں احساس اُبھرتا ہے کہ قدرت بھی بطورِ اتمامِ حجت اور ظہورِ جلال و کبریائی کے لیے معصوم خون کا بہانہ تلاش کرتی ہے۔ اس کی قہاری و غضب ناکی کو حرکت ہی اس وقت ہوتی ہے، جب معصوموں کا خون مانندِ آبِ ارزاں ہو تاکہ ظالم کو اپنے ظلم پر کسی قسم کا شبہ کسی صورت نہ رہے۔ اس کا ضمیر اس کی خود شہادت دے۔

اِس احساس کے ساتھ ساتھ صبر آمیز سکون ملتا ہے۔ آہستہ آہستہ سر فخر سے اُٹھتا ہے کہ اس سرزمین پر اپنے نظام کے نفاذ کا سبب پیدا کرنے کیلئے خدائے قدوس نے اس حقیر گھرانے کو منتخب کیا۔ شائد شاہین کا خون نہ بہتا تو نظامِ مصطفٰے کا ہنگامہ" بھی سویا رہتا۔ ہم شاہین شہیدہ کے خون کی قسم کھاتے ہیں ہم نظامِ مصطفٰے لاکر رہیں گے۔ جوانوں کے ان نعروں سے ہری پور کے در و دیوار بے بہرہ رہتے۔ نہ مضبوط کرسیاں ٹوٹتیں نہ مکرو فریب کے تار و پود بکھرتے۔ نہ فدائیانِ مصطفٰے کے دل گرم ہوتے اور شائد نہ ہی خدا کی قہاری کو جوش آتا۔

پھر میں اپنی آنکھوں سے نخوت و تکبر کو نظریں جھکائے نوشتہ دیوار پڑھتے دیکھتا ہوں۔ ظلم و استبداد اپنی ضمیر کی آگ میں جھلتے دکھائی دیتا ہے۔ فتنہ و فساد کے نمائندے ایف ایس ایف خود عدالتوں میں چیخ چیخ کر تسلیم کرتے نظر آتے ہیں کہ ہم قاتل ہیں ہم قتل کرتے تھے۔ ہم خدا کی زمین میں فساد پھیلایا کرتے تھے۔ انہی خیالات کی رَو میں بہتے ہوئے جب میں نے وطن کی عدالتِ عالیہ کا فیصلہ سُنا تو نہ مجھے خوشی ہوئی نہ ملال۔ نہ حیرت نہ استعجاب، بلکہ خداوندکریم کی کبریائی کی مسبب الاسبابی اور کبریائی پر ایمان اور مضبوط ہوا۔

اسی طرح ابھی ابھی (۱۲ ربیع الاوّل) جو میں نے صدرِ پاکستان کا خطاب سنا ہے، اس کا بھی مجھ پر کوئی جذباتی اثر نہیں ہوا، بلکہ ایمان و ایقان میں اضافہ ہوا کہ وہی حکیم ہستی اپنی سکیم کو سٹیج کے مختلف مہروں کے ذریعے اپنے فطری انجام تک لیے جا رہی ہے، اس انجام تک جس کا آغاز معصوم شاہین کے بے گناہ خون سے ہوا تھا۔ شاہین کی خاموش فریاد نے ہی ۲۶ مارچ ۷۷ء کو خدائے منتقم کے عرش کے کنگروں کو ہلایا تھا، جس کے جواب میں فرعون کے استبداد کا خاتمہ کرنے کے لئے اسی کے پروردہ موسیٰ علیہ السلام کو مخصوص سٹیج پر نمودار کیا۔۔۔۔

شاہین نے شہادت سے تھوڑی دیر قبل اپنی نوٹ بک میں ایک شعر لکھا تھا۔

گھٹائیں پھر بھی آئیں گی مگر ہم تم جدا ہونگے
بہاریں پھر بھی آئیں گی، مگر ہم تم جدا ہونگے

غم و اندوہ کی گھڑی میں میری بچی مجھ سے جدا رہی۔ اب اس کی قربانی رنگ لاتی دکھائی دے رہی ہے اور آثار بتاتے ہیں کہ بہاریں اپنے جلو میں رحمتیں اور برکتیں لئے آنے کو ہیں، مگر میری بچی مجھ سے جدا ہی رہے گی۔ کہتے ہیں وقت کے ساتھ ساتھ غم کی شدت بھی کم ہوجاتی ہے، مگر میرے لئے شاہین کی بے وقت موت کا غم وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہی جارہا ہے۔ صرف ایک بات سے صبر آتا ہے اور ڈھارس بندھتی ہے کہ میری معصوم شاہین! تیرا جوان خون اس بنیاد کے لئے بہا، جس پر عصرِ حاضر کی ایک عجیب مگر نہایت خوبصورت تعمیر ہو رہی ہے۔ نظام مصطفٰےؐ کی عمارت۔ نظامِ خدا کی عمارت، جب یہ عمارت بفضلِ ایزدی مکمل ہوگی اور یہ سرزمین اپنے رب کے نور سے چمکے گی، جگمگائے گی اور جب اس عمارت کے ماتھے پر نام کی تختی لٹکائی جائے گی، تو شاید تیرا نام بھی اس میں درج ہو۔ شاید کل کا مؤرخ تعصب سے بالاتر ہوکر عصرِ جدید میں "نظام مصطفٰےؐ کے نفاذ" کی تاریخ لکھنے بیٹھے گا، تو تمہید یوں تحریر کرے:۔

"اگرچہ نظامِ مصطفٰےؐ کی جدّ وجہد میں سینکڑوں ابنائے اسلام نے جانی و مالی قربانی دی، لیکن اس کی بنیاد، اسلام کی معصوم بیٹی، ہری پور کی نوجوان طالبہ اور سلیمان کی لختِ جگر شاہین بی بی کے بے گناہ خون پر اٹھی"۔

نامِ مصطفٰےؐ و نظامِ مصطفٰےؐ پر خون کا ہدیہ پیش کرنے والی بچی! اپنی دوسری برسی پر اپنے دکھی باپ کا سلام قبول کر۔ اللہ تیری روح کو ابدی مسرتوں سے نوازے۔

●●

طاہر نسیم

پاکستان میں

اسلامی نظام کا آغاز پوری اُمت کیلئے باعثِ فخر ہے

پاکستان میں نفاذِ شریعت کے بعد سے متعدد اسلامی ممالک کے وفود سرزمین پاک میں آ رہے ہیں، صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کو مبارکباد کے پیغامات وصول ہو رہے ہیں، ساتھ ہی یورپی ذرائع ابلاغ نظامِ شریعت کے نفاذ پر شدید ردِ عمل کا اظہار بھی کر رہے ہیں۔ سابق وزیرِ اعظم بھٹو کو سپریم کورٹ کی طرف سے سزائے موت کے فیصلے کے سلسلے میں بھی مختلف ممالک نے رحم کی اپیلیں صدرِ مملکت کو بھیجی ہیں، لیکن پیپلز پارٹی کے حامی اخبار "مساوات" نے سعودی عرب کے شاہ خالد کی طرف سے رحم کی ایک نام نہاد اپیل کی زبردست تشہیر کی ہے اور عدالتِ عظمیٰ کی کارروائی کو متاثر کرنے کا مذموم منصوبہ تیار کیا ہے۔ ہم یہاں اُن حقائق کی نقاب کشائی کرنا چاہیں گے جو اسلامی نظام کے نفاذ اور بھٹو کے لئے رحم کی اپیلوں سے متعلق ہیں۔

ہماری اطلاع کے مطابق شاہ خالد بن عبدالعزیز نے صدرِ پاکستان کو بھٹو کی جان بخشی کے سلسلے میں کوئی تحریری رحم کی اپیل نہیں کی۔ صرف زبانی طور پر شاہ خالد کی طرف سے اس خواہش کا اظہار کیا گیا تھا جسے پیپلز پارٹی کی پراپیگنڈہ مشنری اور "مساوات" نے مبالغہ آمیز انداز میں عوام کے سامنے پیش کیا ہے۔ ہمارے ذرائع کے مطابق شاہ خالد پاکستان کے داخلی معاملات میں مداخلت کرنا مناسب خیال نہیں کرتے۔ پاکستان میں مقیم سعودی عرب کے سفیر ریاض الخطیب چند روز قبل اس بات کی اچھی طرح وضاحت کر چکے ہیں کہ بعض پاکستانی اخبارات نے شاہ خالد کے ساتھ ایسی باتیں منسوب کر دی ہیں جو انہوں نے نہیں کہی تھیں، جبکہ صدر جنرل محمد ضیاء الحق بھی اس امر کی تردید کر چکے ہیں کہ اس سلسلے میں شاہ خالد یا کسی دوسرے اسلامی ملک کے سربراہ سے اُن کی ٹیلیفون پر کوئی بات چیت ہوتی ہے۔

بھٹو اور الشیخ عبداللہ بن حمید

سعودی عرب کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس الشیخ عبداللہ بن حمید نے عدل کے معاملہ میں پاکستان کی سپریم کورٹ کے کردار اور اس کے فاضل ججوں کی اہلیت، صلاحیت اور دیانتداری کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ انہوں نے بھٹو کے مقدمہ کی طویل اور منصفانہ سماعت پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کی عدلیہ نے عدل کے تمام معروف تقاضوں کو پورا کیا ہے۔ اسلام میں عدل و انصاف کے معاملہ میں چھوٹے بڑے کا کوئی امتیاز نہیں، قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔

انہوں نے جناب خلیل حامدی سے ایک ضیافت کے دوران میں بات چیت کرتے ہوئے ایک مشہور حدیث کا حوالہ دیا جس میں قریش کی ایک عورت فاطمہ بنت مخدوم کو چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنے کی سزا دی گئی تھی۔ صحابی رسول ﷺ حضرت اسامہ بن زید نے انہیں معاف کر دینے کی سفارش کر دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی، تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔

رحم کی اپیل اور سعودی حکومت کا نقطہ نظر

بھٹو کے لئے رحم کی اپیل کے سلسلے میں سعودی عرب کی حکومت کا نقطہ نظر بڑا واضح اور غیر مبہم ہے۔ اس بات کا اندازہ سعودی عرب کے اُن علماء و مشائخ اور رہنماؤں کے بیانات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے، جو وقتاً فوقتاً پریس میں آتے رہے ہیں۔ مغربی پریس ان بیانات کو نمایاں کر کے شائع کرتا ہے۔ پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے فیصل مسجد ریاض کے خطیب اور قاضی شیخ عبداللہ بن حسن بن قعود نے کہا ہے کہ قومی زندگی کی بقاء کے لئے قاتل کو قتل کرنا ضروری ہے اس لئے کہ قرآن مجید کے مطابق قصاص میں ہی زندگی ہے اور قصاص کے نتیجے میں پھر دوسروں کو اس جرم کے ارتکاب کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے کراچی کی جامع مسجد نیو ٹاؤن میں نمازِ جمعہ کے خطاب کے دوران میں کیا۔ واضح رہے کہ وہ اور عبداللہ بن ابراہیم الفتوح سعودی عرب کے وزیرِ امور اسلامی شیخ عبدالعزیز بن بدر کا صدرِ پاکستان کے لئے پیغام لے کر پاکستان آتے تھے۔ دونوں مہمانوں نے پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ پر گہری مسرت اور اطمینان کا اظہار کیا۔

رابطہ عالمِ اسلام کے وفد کی لاہور میں آمد

مطلع ابر آلود ہے اور فضا میں خنکی ہے۔ تیز سرد ہوا کے جھونکے گالوں کو سہلا رہے ہیں۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے۔ سورج کی آب و تاب سیاہ بادلوں کے دامن میں پوشیدہ ہے۔ لاہور کے ہوائی اڈے پر ایک عجیب گہما گہمی کا عالم ہے۔ وی آئی پی لاؤنج کے باہر رن وے پر ہشاش بشاش مخصوص چہروں کی منتظر نظریں پی آئی اے کے ایک مسافر بردار طیارے پر جمی ہوئی ہیں جس نے تقریباً ایک سو گز کے فاصلے پر ابھی رن وے کے دوسرے کونے کے سینے پر اپنے پہیے پیوست کر دیئے ہیں۔ اس وقت ٹھیک سوا گیارہ بجے ہیں۔ طیارے کے صدر دروازے سے دیگر مسافروں کے ہمراہ رابطہ عالمِ اسلامی کا ایک چھ رُکنی وفد دھیمی دھیمی مسکراہٹوں کے ساتھ سیڑھیاں اُتر رہا ہے۔ پریس فوٹوگرافر اپنی کارروائی میں مصروف ہیں۔ امیر جماعتِ اسلامی میاں طفیل محمد، وفاقی وزراء پروفیسر غفور احمد، چودھری رحمت الٰہی کے علاوہ جماعتِ اسلامی کے دیگر رہنماؤں اور سرکاری و غیر سرکاری افراد اُن کے فقید المثال استقبال کے لیے جمع ہیں۔ وفد کے قائد رابطہ عالمِ اسلامی کے سیکرٹری جنرل شیخ محمد علی الحرکان اپنے دیگر ساتھیوں اور افغانستان کے سابق وزیر عبدالستار سیرت (جو آجکل سعودی عرب میں جلاوطنی کے دن گزار رہے ہیں)، مجلسِ تاسیس کے ممبر الشیخ محمد محمود الصواف، السید عدنان پاشا، مجلسِ تاسیسی کے نمائندے عبداللہ علی المطوع کے ساتھ ساتھ وی آئی پی لاؤنج کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ جہاں اخبار نویس اُن کے منتظر ہیں۔

وی آئی پی لاؤنج میں اخبار نویسوں سے بات چیت

کمرے کے ایک گوشے میں وفد کے قائد محمد علی الحرکان صوفے پر براجمان ہیں۔ اُن کے پہلو میں جماعتِ اسلامی کے رہنما اور شعبہ عربی منصورہ کے فیض ہمدانی بیٹھے ہوئے ہیں، جو اخبار نویسوں کی مدد کے لیے مترجم کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ہلکی ہلکی مسکراہٹ کو سمیٹتے ہوئے محمد علی الحرکان کہتے ہیں کہ پاکستان کا دورہ کرنے کا مقصد عالمِ اسلام کے مسلمانوں کی طرف سے آپ کو اسلامی نظام کے نفاذ پر دلی مبارکباد دینا ہے اور سلام پیش کرنا ہے۔ یہ ایک تاریخی اور عظیم اسلامی واقعہ ہے۔ جس روز پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق اسلامی نظام کے نفاذ کا اعلان کر رہے تھے۔ اُس وقت تمام اسلامی ممالک کے مسلمان خدا کے سامنے ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر اور سر بسجود ہو کے دعائیں مانگ رہے تھے کہ اے خدا پاکستان کے عوام کو توفیق دے کہ وہ اس پر عمل پیرا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ہم پاکستان کے جیالے اور غیور عوام سے ملنے آئے ہیں جنہوں نے تحریکِ نظامِ مصطفےٰ کے دنوں میں بے لوث قربانیاں دی تھیں۔

ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے وفد کے قائد اظہارِ خیال کر رہے ہیں کہ اب تمام اسلامی ممالک کے عوام سے ہم سن رہے ہیں کہ پاکستان کی طرح اُن کے ملکوں میں بھی اسلامی نظام کے نفاذ کا اعلان کیا جائے۔ لہٰذا ہمیں متحد ہو کر مخالف قوتوں کا مقابلہ کرنا چاہیے اور دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں کی مدد کرنی چاہیئے۔

اخبار نویس ابھی جانے کے لیے پر تول رہے ہیں کہ اسلام آباد سے خصوصی طور پر استقبال کی غرض سے آنے والے وفاقی وزیر پروفیسر غفور احمد اور چودھری رحمت الٰہی وفد کے ارکان سے محوِ گفتگو ہو گئے ہیں۔ سب کے چہروں پر تمازت اور مسکراہٹ پھیلی ہوئی ہے۔

ہوائی اڈے سے روانگی

کاروں کے ایک جلوس میں وفد ہوائی اڈے سے سیدھا مفکرِ اسلام اور بانی جماعتِ اسلامی سید ابوالاعلیٰ مودودی کی قیام گاہ

کی جانب رواں دواں ہے۔ میاں طفیل محمد وفد کے قائد محمد علی الحرکان کے ساتھ ایک کار میں سفر کر رہے ہیں۔ تقریباً سوا بارہ بجنے کو ہیں۔ یہ وفد اچھرہ کی ایک مشہور گلی میں واقع ایک سفید رنگ کی کوٹھی پر رُکا ہے۔ جہاں کارکنانِ جماعتِ اسلامی، اسلامی جمعیت طلبہ کے نوجوان اور دیگر شہری اپنے معزز مہمانوں کے استقبال کیلئے موجود ہیں۔

عقیدت کا نذرانہ

محمد علی الحرکان اپنے دوسرے پانچ ساتھیوں کے ہمراہ آہستہ آہستہ مولانا مودودی کے کمرے میں داخل ہو رہے ہیں جو مولانا کمرے کے ایک گوشہ میں کرسی پر تشریف فرما ہیں ——— وفد کے اراکین جھک جھک کر اُن سے گلے مل رہے ہیں۔ مولانا کے باریش چہرے پر بوسے دے رہے ہیں۔ مولانا ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر اپنے مہمانوں کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں خوش آمدید

محمد علی الحرکان منصورہ میں جماعتِ اسلامی کے استقبالیہ سے خطاب کر رہے ہیں۔

کہہ رہے ہیں اور بیٹھنے کا اشارہ کر رہے ہیں۔ عقیدت و محبت کا یہ منظر قابلِ دید ہے۔ باری باری تمام اراکینِ وفد مولانا کی مزاج پرسی کرتے ہوئے اپنی نگاہوں سے عقیدت کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔ محمد علی الحرکان عربی زبان میں پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ پر مولانا کو مبارک باد پیش کرتے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ شریعت کے نفاذ کے اثرات پورے عالمِ اسلام پر ہو رہے ہیں۔ دنیا بھر کے مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے۔

اُن کا کہنا ہے کہ پاکستان کے علماء اور عوام نے اسلامی نظام کے نفاذ کی ابتداء کرانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ علماء کو ہمیشہ متحد اور ثابت قدم رہنا چاہیے اور خود کو مثالی زندگی گزارنے کا نمونہ پیش کرنا چاہیئے۔ وفد کے سربراہ، مولانا مودودی کو شاہ فیصل ایوارڈ ملنے پر رابطہ عالمِ اسلامی کی طرف سے مبارک باد دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ایوارڈ اسلام کی سربلندی کے لیے آپ کی خدمات کا واضح اعتراف ہے۔ وہ نہایت مسرت کے ساتھ یہ بتا رہے ہیں کہ جب آپ کا وہ پیغام تقریب کے دوران پڑھ کر سنایا گیا جس میں آپ نے اسے دنیاوی انعام قرار دیا اور کہا کہ میں یہ انعام اسلام کی اشاعت کے لیے وقف کر رہا ہوں تو ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ محمد علی الحرکان نے مزید کہا کہ اس انعام سے آپ کی عزت میں کوئی اضافہ نہیں ہوا بلکہ انعام کی حیثیت کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ آپ نے جس جذبے کا مظاہرہ کیا ہے اس کے نتیجہ میں شاہ فیصل ایوارڈ کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ درحقیقت آپ نے ایوارڈ کو ایک ناقابلِ فنا اعزاز بخشا ہے۔

کویت کے نمائندے عبداللہ علی المطوع مولانا کو نہایت مسرت سے بتاتے ہیں کہ جب ہم پہلے پاکستان آتے تھے تو ہمیں آپ سے ملنے نہیں دیا جاتا تھا۔ سابق حکومت کی سی آئی ڈی ہمارے تعاقب میں ہوتی تھی۔ لیکن آج جب ہم آپ سے آزادانہ ماحول میں مل رہے ہیں تو اس کے لیے رابطہ عالمِ اسلامی کے ارکان صدر جنرل محمد ضیاالحق کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ وہ مزید بتاتے ہیں کہ جب صدرِ پاکستان سے ملاقات کے دوران ہم نے آپ سے ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو انھوں نے پرجوش انداز میں کہا کہ آپ ضرور ملیں۔ انھوں نے آپ کی مقدس شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور آپ کی بے حد تعریف کی۔

وفد کے معزز رکن ——— مولانا مودودی کو مبارک باد پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پاکستان میں مخلوط تعلیم کو ختم کرنے اور خواتین کی الگ یونیورسٹیاں قائم کرنے کے فیصلے سے ہمارے حوصلے بلند ہو گئے ہیں اور اب ہم بھی اپنے ملک میں اس کا مطالبہ کریں گے۔ عرب ملکوں میں یہ احساس پیدا ہو گیا ہے کہ پاکستان قرآن و سنت کا نظام نافذ کرنے میں ہم پر سبقت لے گیا ہے۔"

نیز اراکینِ وفد اس امر پر بھی خوشی کا اظہار کرتے ہیں کہ جب ہم اسلامی کانفرنسوں کے ایام میں پاکستان آئے تو ہوٹلوں کے فریج ہمیں شراب کی بوتلیں پیش کرتے تھے جس پر ہم شدید ردِ عمل کا اظہار کرتے تھے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ آج جب ہم ہوٹل کے فریج کو کھولتے ہیں تو ہمیں کوکا کولا اور سیون اپ جیسے مشروبات ملتے ہیں۔ اس پر ہم آپ کو اور پاکستانی عوام کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ سعودی عرب میں مقیم افغانستان کے جلاوطن رہنما عبدالستار سیرت بتاتے ہیں کہ پاکستان کے عوام سے افغانستان کے مجاہدین کو جو مدد مل رہی ہے ہم اس پر شکر گزار ہیں۔ سید مودودی سے اجازت لینے سے قبل محمد علی الحرکان پُرزور آواز میں کہہ رہے ہیں کہ مجھے لاہور آکر دلی مسرت ہوئی ہے۔ کیونکہ یہاں کے شہریوں نے دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں کی عملاً حمایت کی ہے۔ ایک بجکر دس منٹ ہونے کو ہیں اور مہمان مفکرینِ اسلام دنیا کی عظیم مذہبی شخصیت سے اجازت لے کر کاروں میں بیٹھ رہے ہیں۔ کاروں کا جلوس انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل پر جاکر رُک گیا ہے۔ اب مہمان آرام کی غرض سے اپنے کمروں میں چلے گئے ہیں۔

منصورہ میں استقبالیہ

شام کے چار بج چکے ہیں۔ موسم کی دلکشی آنکھوں کو مسرور کر رہی ہے۔ جماعت اسلامی کی طرف سے وفد کے اعزاز میں استقبالیہ پیش کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ منصورہ کے دفاتر کے صدر دروازے سے بالائی منزل کے ہال تک سرخ فرش اور سیڑھیوں کو سرخ قالینوں کا لباس پہنایا گیا ہے۔ تلاوتِ کلام پاک سے اس پروقار تقریب کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد میاں طفیل محمد امیر جماعتِ اسلامی پاکستان نے وفد کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ ہم رابطہ عالمِ اسلامی سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ افغانستان کے مسلمانوں کے تحفظ کے لئے پورے عالمِ اسلام میں آواز اٹھائے۔ پاکستان کے عوام نے زبردست جدوجہد کے بعد ملک میں شریعت کے نفاذ کی بنیادیں رکھ دی ہیں۔ اب ملک کے ہر شہری کو حق حاصل ہے کہ کوئی فیس ادا کئے بغیر عدالتِ عالیہ میں جا کر خلافِ اسلام قوانین کو چیلنج کر سکتا ہے۔ میاں صاحب نے مزید فرمایا کہ قومی اتحاد نفاذِ اسلام کے سلسلے میں حکومت میں شامل ہے اور اسلامی قوانین کا نفاذ قومی اتحاد اور فوجی حکمرانوں کی متحدہ کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ انتخابات کے انعقاد کے مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے امیر جماعتِ اسلامی کہتے ہیں کہ پوری مستعدی سے اس بات کا انتظام کیا جا رہا ہے کہ انتخابات کے ذریعے حکومت کی باگ ڈور عوام کے منتخب نمائندوں کے سپرد کر دی جائے۔ انتخابات کے سلسلے میں یہ پہلی مرتبہ طے کیا گیا ہے کہ مسلم اور غیر مسلم اپنی مرضی کے مطابق نمائندے منتخب کر سکیں گے۔ جناب میاں طفیل محمد کی تقریر کے بعد وفد کے قائد السید محمد علی الحرکان تقریر کے لئے اٹھے۔

آپ نے فرمایا کہ پاکستان کے عوام صدر جنرل محمد ضیاالحق کی حکومت سے بھرپور تعاون کریں، تاکہ ملک میں اسلامی انقلاب کی تکمیل ہو سکے۔ پاکستان میں اسلامی قوانین کا نفاذ رابطہ عالمِ اسلام کے لئے باعثِ فخر ہے۔ قرآن مجید میں بتائے ہوئے اصولوں کو رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے آئینے میں دیکھے اور سمجھے بغیر ان اصولوں کا فہم و ادراک ناممکن ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہاتھ کاٹ دینے سے یا زنا کے جرم میں کوڑے لگانے سے اسلام کا قانون نافذ ہو گا، بلکہ معیشت، سیاست اور معاشرت وغیرہ میں اسلام کا عملی نفاذ ہونا چاہیئے۔ اس لئے ہم آپ سے تعاون کریں گے سو میرے بھائیو! ہم آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ نے ہمیں یہ موقع دیا۔ یہ ملاقات ہوئی اور میں آپ کی اس مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میاں صاحب اور معزز مہمان کی ترجمانی کے فرائض جناب خلیل حامدی نے انجام دیئے۔ تقریر کے اختتام پر مہمانوں کو ایک پُر تکلف چائے پیش کی گئی۔ اسی دوران میں مغرب کی اذان کی آواز بلند ہوئی۔ اس طرح یہ پُر رونق تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

محمد عارف قریشی

"یہ بات ہماری ملی حمیت کے منافی ہے کہ ہم ان کے لیے اپنے ملک کے دروازے کھولنے کے بجائے انہیں عیسائی مشنریوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیں"

بنگلہ دیش میں محصور

پاکستانیوں کو پاکستان لایا جائے

بنگلہ دیش میں اس وقت تقریباً تین لاکھ بہاری مختلف کیمپوں اور گوداموں میں کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں یا کھلے آسمان کے نیچے موسم کی شدتوں کی زد میں ہیں۔ ان کے پاس خوراک ہے، نہ پہننے کے لیے کپڑا اور رہائش کی کیفیت یہ ہے کہ ایک چھوٹے سے کمرے میں ۲۰ سے زائد افراد محبوس ہیں۔

ابتلا کی زندگی اس لیے ان کا مقدر بن گئی ہے کہ انہوں نے ۱۹۷۱ء میں پاکستان کے دفاع کے لیے پاک فوج کے شانہ بشانہ مجیب کی مکتی باہنی اور اندرا گاندھی کی مسلح افواج کے خلاف جنگ کی اور پاکستان کے لیے اپنا سب کچھ لٹا دیا۔

قیام بنگلہ دیش کے بعد ان محب وطن پاکستانیوں نے ریڈ کراس کے ڈیکلریشن فارم میں خود کو پاکستانی ڈکلیئر کیا اور یوں بنگلہ دیش میں ان کی شہریت کے حقوق ختم کر دیے گئے۔ انہیں عالم بے بسی میں کیمپوں میں منتقل کر دیا گیا۔

بنگلہ دیش میں محصور بہاری، پاکستان آنے کی شدید خواہش رکھتے ہیں، اس لیے کہ ایک تو وہ اول و آخر پاکستانی ہیں اور دوسرا ان میں سے بیشتر کے عزیز اور رشتہ دار پاکستان آچکے ہیں۔

تحریکِ اتحادِ پاکستان

انہی پاکستان پہنچنے والوں نے آج سے پانچ سال پیشتر اپنے بقیہ عزیزوں کو پاکستان لانے کے لیے "تحریکِ اتحادِ پاکستان" کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔ یہ تنظیم ۱۹۷۳ء سے اس مقصد کیلئے کوشاں ہے۔ گزشتہ روز اسی تنظیم کے تحت لاہور میں ایک کانفرنس کا اہتمام کیا گیا، جس میں صوبہ سرحد، سندھ اور پنجاب سے بہاریوں کے کوئی دو سو نمائندوں نے شرکت کی۔ کانفرنس کا افتتاحی اجلاس ۱۰ بجے صبح بیبر ہال نسبت روڈ میں منعقد ہوا۔ جس کی صدارت جسٹس (ریٹائرڈ) بدیع الزماں کیکاؤس نے کی۔

اس موقع پر "تحریکِ اتحادِ پاکستان" کے صدر حسیب ہاشمی نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ بہاریوں کو بلا تاخیر پاکستان لایا جائے۔ ان کا استدلال تھا کہ بنگلہ دیش کے قیام کے بعد جن بنگالیوں نے پاکستان میں قیام کی خواہش ظاہر کی، انہیں پاکستان میں رہنے کی اجازت دے دی گئی، تو ان بہاریوں کو پاکستان آنے کی اجازت کیوں نہیں دی جاتی جو پاکستانی بھی ہیں اور مسلمان بھی اور انہوں نے بنگلہ دیش میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو پاکستانی قرار دیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ اسلام اور پاکستان سے محبت کا دعوی کرتے

(بہاریوں کا یہاں آنا ان کا حق ہے، جنرل نیازی

ہوئے محب وطن بہاریوں کو بھی یاد رکھا جائے، جو بھوک اور افلاس سے تنگ آکر عیسائی مشنریوں کے ہاتھوں عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کر دیے گئے ہیں۔

جسٹس کیکاؤس نے اپنی صدارتی تقریر میں پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ اگر اب سے پہلے پاکستان میں اسلامی حکومت قائم ہوتی تو بنگلہ دیش سے پاکستانیوں کو لانے کا کام مکمل ہو چکا ہوتا۔ انہوں نے کہا: "بنگلہ دیش میں رکے ہوئے تین لاکھ بہاری ہم سے بہتر پاکستانی ہیں۔ انہوں نے پاکستان کے لیے دو مرتبہ قربانیاں دی ہیں، اس لیے پاکستان پر ان کا حق دوسروں سے کہیں زیادہ ہے"۔ جسٹس کیکاؤس نے صدر ضیاء الحق سے اپیل کی کہ وہ بنگلہ دیش میں محصور بہاریوں کی پاکستان منتقلی کے لیے حکومت بنگلہ دیش سے رابطہ قائم کریں۔

انہوں نے کہا کہ پاکستان کا دل تو اتنا کشادہ ہے جس میں دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے گنجائش موجود ہے، جب کہ بہاری تو ہمارے اپنے ہی ہم وطن ہیں۔

اس اجلاس سے تحریک کے چیف آرگنائزر منظر العابدین، لاہور کانفرنس کے چیف پیٹرن برکت اللہ صدیقی، سینئر نائب صدر عبدالستار شاکر اور دیگر مندوبین نے بھی خطاب کیا۔

دوسرا اجلاس

کانفرنس کی دوسری نشست ۳½ بجے سہ پہر منعقد ہوئی۔ مہمانِ خصوصی مشرقی پاکستان میں پاکستانی افواج کے آخری کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل اے اے کے نیازی تھے۔

اس موقع پر پاکستان مسلم لیگ (چٹھہ گروپ) کے سیکرٹری جنرل ملک محمد قاسم نے کہا کہ میری جماعت پاکستان کی بانی جماعت ہونے کی حیثیت سے قراردادِ پاکستان پر پوری طرح یقین رکھتی ہے اور بنگلہ دیش میں پھنسے ہوئے ان تین لاکھ بہاریوں کو پاکستان آنے

HTH
ایکسرے
مستند ریڈیالوجسٹ کی رپورٹ۔ تجربہ کار عملہ
مستورات کے لیے خاتون عملہ (صبح کے وقت)
(فی الحال سینہ اور ہڈی کے ایکسرے کا انتظام ہے)
ایکسرے فیس ۱۵ روپے
معذور اور تپ دق کے مریضوں سے ۱۰ روپے
اوقات:- صبح ۸ تا ۹ بجے، شام ۴ تا ۵ بجے } تعطیلِ جمعہ
بول، براز، خون اور بلغم ٹیسٹ کیلئے کلینیکل لیبارٹری
ہومیوپیتھک ٹرسٹ ہسپتال
محمد نگر۔ بی بی پاکدامن لاہور، فون: ۶۷۸۱۳
رفاہی ادارہ بیس سال سے زائد خدمت میں سرگرم عمل

کا مستحق سمجھتی ہے، جنہوں نے خود کو پاکستانی ڈکلیئر کیا ہے۔ بہاریوں نے تحفظِ پاکستان کے لیے بے پناہ قربانیاں دی ہیں اور اگر پاکستان کے لیے قربانیاں دینے والوں کو پاکستان میں داخل نہ ہونے دیا گیا تو کل اس ملک کی سالمیت کے لیے کون آگے بڑھے گا؟

ملک محمد قاسم نے صدرِ پاکستان اور تمام وزراء سے مطالبہ کیا کہ وہ اس مسئلے کو انسانی بنیادوں پر حل کرنے کا فوری اہتمام کریں۔

میانوالی سے آتے ہوتے کرنل محمد اسلم خان نیازی نے کہا کہ تین لاکھ بہاریوں کو پاکستان لانا بے پناہ اہمیت کا حامل ہے اور ہمیں اس ضمن میں اپنے فرائض کی ادائیگی میں تاخیر نہیں کرنی چاہیئے کرنل اسلم نے تالیوں کی گونج میں اعلان کیا کہ ہم بہاریوں کو اپنی جائدادیں بانٹ کر دینے کو تیار ہیں۔

سامعین ہمہ تن گوش

غیر سیاسی سٹیج! سیاسی تقریر

سابق وزیرِ اعلیٰ پنجاب اور مساوات پارٹی کے سربراہ جناب حنیف رامے اس نشست کے واحد مقرر تھے جنہوں نے اس غیر سیاسی سٹیج پر سیاسی تقریر کی، حالانکہ اس سے پہلے منتظمین واضح طور پر اعلان کر چکے تھے کہ بہاریوں کی بنگلہ دیش سے واپسی سراسر ایک انسانی مسئلہ ہے اور اسے سیاسی مسئلہ نہیں بنایا جائے گا۔

حنیف رامے نے کانفرنس کے شرکاء کو اپنے حقوق کے حصول کیلئے سڑکوں پر نکلنے کی تلقین کی اور کہا کہ آپ اپنے قدموں پر کھڑے ہوں گے تو ہم آپ کی آواز میں اپنی آواز ملائیں گے۔ حنیف رامے کے خیال میں یہاں کے لوگوں کا خون سرد ہو چکا ہے، کیونکہ یہاں صرف اسلام کا نام لیا جا رہا ہے، اس پر عمل نہیں کیا جا رہا۔ "یہاں اس اسلام کی بات ہو رہی ہے جس میں صرف حقوق اللہ کا ذکر ہے حقوق العباد کا نہیں۔"

حنیف رامے صاحب نے حسبِ عادت قومی اتحاد کی حکومت میں شمولیت اختیار کرنے والی جماعتوں پر شدید تنقید کی اور وہی بوسیدہ الزام دہرایا کہ اس وقت حکومت کے عہدوں پر موجود افراد وہی ہیں، جنہوں نے پاکستان کے مطالبے کی مخالفت کی تھی۔ یہ لوگ چور دروازوں کے ذریعے اقتدار تک پہنچ گئے ہیں، انہیں پاکستان سے کوئی محبت نہیں۔

یہاں یہ امر بھی واضح رہے کہ اس غیر سیاسی اجتماع کا اہتمام کرنے والے حبیب ہاشمی صاحب نے حنیف رامے کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیے اور ان کی "نگاہ بلند"، "سخن دلنواز"، "جاں پُرسوز" کو شاندار خراجِ عقیدت پیش کیا۔ غالباً حبیب ہاشمی اس حقیقت سے آگاہ نہ تھے کہ حنیف رامے وہی شخصیت ہیں جنہوں نے ایک موقع پر اپنے نام کے ساتھ محمد لکھنا ترک کر دیا تھا اور وہ کسی اور کے محمد حنیف رامے لکھنے پر بھی چڑھ جایا کرتے۔

پگارا گروپ کے سیکرٹری جنرل اور سابق وزیرِ قانون جناب ایس ایم ظفر نے کہا کہ بہاریوں کی واپسی ایک انسانی مسئلہ ہے، اس لیے اسے انسانی بنیادوں پر بلا تاخیر حل کیا جانا چاہیے۔ انہوں نے اس کے لیے مشترکہ جد و جہد کی ضرورت پر زور دیا۔ جناب ایس ایم ظفر نے کہا کہ سقوطِ ڈھاکہ کے وقت مشرقی پاکستان کی حفاظت کرنے والوں میں بہاری بھی برابر کے شریک تھے، اس لیے انہیں نظر انداز کرنا حقائق اور فرائض سے چشم پوشی ہے۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ اس سلسلے میں اسلامی ممالک سے بھی رابطہ قائم کرنا چاہیئے۔ جناب ایس ایم ظفر نے تحریکِ اتحادِ پاکستان کے منتظمین کو اپنی جد و جہد تیز تر کر دینے کا مشورہ دیا، ایسی جد و جہد جو آئین کے دائرے میں آتی ہو۔ انہوں نے مسلم لیگ کی طرف سے بہاریوں کے مطالبے کی مکمل حمایت کا یقین دلایا۔

جنرل نیازی کا خطاب

آخر میں صدرِ اجلاس جنرل ... اے کے نیازی نے اپنی صدارتی تقریر میں ملک میں سیاسی انتشار پر افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ ہمارے ہاں سیاسی جماعتیں مسائل کو الجھا رہی ہیں۔ ان میں سے بیشتر نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی علیحدہ مسجد بنا رکھی ہے۔ اگر یہ متحد ہو جائیں تو ہمارے تمام مسائل چشم زدن میں حل ہو سکتے ہیں۔ بہاریوں کے مسئلہ کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اس سلسلے میں ہمیں اپنے لیڈروں اور قوم کو جھنجھوڑنا پڑے گا۔ نیازی صاحب نے کہا کہ پاکستان کا قیام دنیا کے مسلمانوں کی جائے پناہ کے طور پر عمل میں لایا گیا تھا، اس لیے بہاریوں کو یہاں لایا جانا اُن کا حق ہے۔

بعض حلقوں کی طرف سے اس اعتراض کے جواب میں کہ بہاریوں کو یہاں لانے سے پاکستان کی معیشت متاثر ہو گی، انھوں نے کہا کہ یہ مفروضہ باعثِ افسوس ہے۔ جنرل نیازی نے حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کیا کہ بنگلہ دیش سے بہاریوں کو فوراً پاکستان لایا جائے کیوں کہ وہ سچے پاکستانی ہیں اور پاکستان کے لیے ان کی قربانیاں قابلِ تقلید ہیں۔ انھوں نے واضح کیا کہ اگر بنگال میں بہاری ہمارا ساتھ نہ دیتے تو ہم اتنی دیر تک بھارتی فوج اور بنگالیوں کے خلاف جنگ جاری نہ رکھ سکتے تھے۔

اس سے پہلے سٹیج سیکرٹری نے مختلف مذہبی اور سیاسی رہنماؤں کی طرف سے کانفرنس کے نام پیغامات پڑھ کر سنائے جن میں بہاریوں کے مسئلہ پر تحریکِ اتحادِ پاکستان کو مکمل حمایت کا یقین دلایا گیا تھا۔ پیغام بھیجنے والوں میں جناب میاں طفیل محمد، جناب حمود الرحمان (سابق چیف جسٹس)، مولانا محمد اجمل، خواجہ صفدر، محمود اعظم فاروقی شامل ہیں۔

قراردادیں

کانفرنس کے آخر میں قراردادیں منظور کی گئیں جن میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ:

۱ : صدرِ پاکستان ۲۰ مارچ سے قبل بہاریوں کی پاکستان واپسی کے پروگرام کا اعلان کریں (۲) تحریکِ اتحادِ پاکستان کے وفد کو اس مسئلے پر گفتگو کے لیے ملاقات کا موقع دیں (۳) اس سلسلے میں مالی اخراجات پورے کرنے کے لیے عالمِ اسلام سے امداد حاصل کی جائے۔

میاں طفیل محمد کا پیغام

برادرم حبیب ہاشمی صاحب! السلام علیکم و رحمۃ اللہ!

آپ کی طرف سے تحریکِ اتحادِ پاکستان کے تحت منعقدہ کانفرنس میں شرکت کا دعوت نامہ موصول ہوا بعض ناگزیر مصروفیات کی بنا پر اس کانفرنس میں شرکت کرنا تو ممکن نہیں ہے البتہ میری طرف سے کانفرنس کے شرکاء تک ان جذبات کو پہنچا دیجیے کہ جس مقصد نے آپ حضرات کو یہاں جمع ہونے پر مجبور کیا ہے ہم اس مقصد کے حصول کے سلسلہ میں نہ صرف یہ کہ آپ کے ہم خیال ہیں، بلکہ اس ضمن میں اپنی بساط کے مطابق کوشش بھی کریں گے۔ جماعت اسلامی کے نزدیک ہر وہ فرد قابلِ قدر اور پاکستان کا قیمتی سرمایہ ہے جس نے سالمیتِ پاکستان کی جنگ لڑی۔ ایسے افراد اور خاندان جو پاکستان اور اسلام کے نام پر اپنی جائیدادوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں، انھیں پاکستان میں بسانا اور پاکستان لانے کے سلسلہ میں امکانی کوشش کرنا ہر پاکستانی کا فرض ہے۔ یہ ہماری ملی غیرت و حمیت کے منافی ہے کہ ایسے لوگ پاکستان آنے اور بسنے کے متمنی ہوں، مگر ہم ان کے لیے مُلک کے دروازے کھولنے کی بجائے انھیں کیمپوں میں عیسائی مشنریوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں۔

خاکسار ——— طفیل محمد

امیر جماعت اسلامی ——— پاکستان

زاہد سرفراز پیر پگارا پر خوب برسے

ذوالفقار علی بھٹو نے کہا:

"قرآن نے شراب کو حرام قرار نہیں دیا"

فروری کے اختتام پر ملتان میں سیاسی سرگرمیاں عروج پر رہیں۔ قومی اتحاد کے سربراہ مولانا مفتی محمود، ۲۷ر فروری کو اسی ماہ کے دوران تیسری مرتبہ ملتان تشریف لائے۔ ڈیرہ اسماعیل خان اپنے آبائی گاؤں سے ملتان پہنچے تو ہوائی اڈے پر قومی اتحاد کے صدر شیخ خلیل احمد، شیخ محمد یعقوب، شیخ عبدالمالک، ملک عطاء اللہ سید خورشید عباس گردیزی اور دیگر کارکنوں نے ان کا شاندار خیر مقدم کیا۔ اخباری نمائندوں سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا بلدیاتی انتخابات ملک میں عام انتخابات کے بعد منعقد ہوں گے، تاہم یہ ہو سکتا ہے کہ صدرِ مملکت اپنے خصوصی اختیارات کے تحت آئین میں یہ شق شامل کریں کہ قومی وصوبائی اسمبلی کے انتخابات کے فوری بعد یا ایک دو ماہ کے اندر بلدیاتی انتخابات ہوں گے۔ قومی اتحاد کا انتخابات کے متعلق مؤقف واضح ہے، ہم عام انتخابات سے قبل بلدیاتی انتخابات کے مخالف ہیں۔ جو لوگ یہ رائے رکھتے ہیں کہ جمہوریت کی ابتدا بلدیاتی انتخابات سے کی جائے، ان کا استدلال اس لیے غلط ہے کہ ملک میں بنیادی جمہوریتوں کا نظام رائج نہیں۔ انہوں نے واضح کیا کہ اس سال اکتوبر میں عام انتخابات یقیناً منعقد ہوں گے۔

قومی اتحاد کے سربراہ نے کہا کہ لادینی قوتیں اسلامی نظام کے خلاف مصروفِ عمل ہیں۔ موجودہ نوکر شاہی، پولیس، انتظامیہ اور عوام کو اسلامی نظام کامیاب بنانے کے لیے اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ اگر پولیس نے جھوٹے مقدمات بنا کر کسی بے گناہ کو سزا دلوا دی یا کسی مجرم کو رشوت لے کر چھوڑ دیا۔ جھوٹے گواہ تیار ہو گئے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ اسلامی نظام ناکام نہ ہو جائے۔

ڈسٹرکٹ بار کے ارکان سے خطاب

بار ایسوسی ایشن کے ارکان سے خطاب کرتے ہوئے قومی اتحاد کے سربراہ نے واضح کیا کہ اگر اکتوبر میں عام انتخابات منعقد نہ ہوئے تو حکومت سے تعاون ختم کر کے ہم وزارتوں سے باہر آجائیں گے۔

مفتی صاحب نے انکشاف کیا کہ بھٹو شراب کو حرام قرار نہیں دیتے تھے اور بھٹو نے اس وقت بڑی بحث کی جب مولانا نے بطور وزیرِ اعلیٰ صوبہ سرحد اپنے صوبے میں اس کی ممانعت کر دی۔ انہوں نے بتایا کہ مسٹر بھٹو نے کہا کہ قرآن نے شراب کو حرام قرار نہیں دیا جب ان کے سامنے آیت قرآنی تلاوت کی گئی، جس میں شراب کو پلید قرار دیا گیا، تو مسٹر بھٹو نے کہا: "آپ نے صوبہ سرحد کی مالیت کو سخت نقصان پہنچایا ہے"۔

۲۸ر فروری کو وفاقی وزیرِ تجارت میاں زاہد سرفراز کراچی سے یہاں پہنچے تو مسلم لیگی کارکنوں نے پُرجوش نعروں اور گُل پاشی کے ذریعے ان کا شاندار خیر مقدم کیا۔ استقبال کرنے والوں میں مسلم لیگ پنجاب کے جوائنٹ سیکرٹری شیخ ظہور احمد، مشتاق احمد انصاری، میاں مشتاق ایڈووکیٹ اور دیگر رہنما شامل تھے۔ وفاقی وزیر کے خیر مقدم نے سابق وزیرِ اعظم بھٹو کے دور کی یاد دلا دی۔ اس کی آمد پر اتنی بڑی تعداد جمع ہوتی تھی، مگر اس کے کسی بھی وزیر کو ایسا استقبال نصیب نہیں ہوا۔ وہ کینال ریسٹ ہاؤس سے ٹیپو سلطان کالونی پہنچے تو انہیں ۲۱ گولوں کی سلامی دی گئی۔ اس جلسہ میں قدرتی طور پر اتنی تیز دھوپ نکلی کہ وہاں بیٹھنا محال ہو گیا۔ وفاقی وزیر پسینے سے شرابور ہو گئے، مگر عوام ڈٹے رہے۔

وفاقی وزیر نے کہا کہ اصل مسلم لیگ ملک میں صرف ایک ہے۔ یہ ۵، ۶ اور ۱۰ ابھی ہو سکتی ہیں لیکن ہمیشہ مسلم لیگ کارکنوں کی رہی ہے اور رہے گی۔ اپنی تقریر میں زاہد سرفراز پیر صاحب پگاڑا پر خوب برسے۔ ان کا کہنا ہے کہ پیر پگاڑا نے مسلم لیگ کو رنڈی بنا دیا تھا جو چاہتا ڈرائینگ روم میں اس کے ساتھ شب بسری کرتا اور چلا جاتا۔ اس لیے عوام کا اعتماد بھی ختم ہو رہا تھا، لیکن ہم بحال کریں گے۔ پاکستان قومی اتحاد کے زیرِ اہتمام پہلا تاریخی جلسہ کراچی میں پیر صاحب کی صدارت میں ہونا تھا، مگر انہوں نے انکار کر دیا، تو اسی روز فیصل آباد وہ بذریعہ طیارہ پہنچے اور مسلم لیگ کی نمائندگی کی۔ مزید انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ پیر صاحب اصلی کونسلوں کو تو تسلیم نہیں کرتے، لیکن لاہور نتھ فورس کے بانی صلاح الدین صدیقی کو کونسلر تسلیم کر لیا ہے۔

کینال ریسٹ ہاؤس میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے میاں زاہد سرفراز نے کہا کہ سندھ میں پیر پگاڑا کی ٹھیکیداری نہیں چلے گی۔ ہم جلسے کریں گے، عوام کی خدمت کریں گے تو وہ انشاء اللہ ہمارا ساتھ دیں گے۔ فرمانے لگے جن وزراء کو یہ اعتراض ہے کہ انہیں اختیارات نہیں ملے، وہ دراصل نااہل ہیں۔ مجھے ایسی کوئی شکایت نہیں کیونکہ میں اپنا کام جانتا ہوں جو وزیر سیکرٹری سے یہ پوچھے کہ دستخط کس جگہ کرنے ہیں۔ وہ بھلا اختیارات کیسے استعمال کر سکتا ہے۔

رات کو مسلم لیگ صوبہ پنجاب کے جوائنٹ سیکرٹری شیخ ظہور احمد نے وفاقی وزیر کے اعزاز میں عشائیہ دیا۔ اس موقعہ پر قومی اتحاد کے ایک وفد نے ان سے بند کمرے میں ملاقات کی۔

ملتان کے ہوائی اڈے پر مفتی محمود کا خیر مقدم

ملتان میں گزشتہ برسوں کی طرح امسال بھی جشنِ بہاراں منایا گیا۔ جو یکم مارچ سے شروع ہو کر ۳ مارچ کو ختم ہوا۔ ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ملتان میجر جنرل اعجاز عظیم کی اہلیہ نے اس کا افتتاح کیا۔ اس مرتبہ سیاسی اور سماجی حلقوں کے پُرزور مطالبہ کے پیشِ نظر قمار بازی کی اجازت نہیں دی گئی تھی اس کے تمام تر پروگرام تفریحی اور شائستہ تھے۔ جشنِ بہاراں جس کی تمام آمدنی جونیئر کمیشنڈ آفیسرز اور اس سے کم عہدے کے فوجیوں کی فلاح وبہبود پر خرچ ہوتی ہے۔ اس دفعہ تھیٹر تک کی اجازت نہ تھی۔ اس میں دیگر تقریبات کے علاوہ ۱۹۶۵ء کی جنگ کی فلم بھی دکھائی گئی۔ اس مرتبہ جشنِ بہاراں کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ملک میں خاصی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔

● تحریکِ استقلال - کوئی پیش رفت نہیں ● محکمہ خوراک کے سفید ہاتھی

کسانوں کو تمام سہولتیں گندم کے عوض بہم پہنچائی جائیں گی

نیشنل سنٹر میں ویسے تو آئے روز تقاریب کا اہتمام رہتا ہے اور یوں مقررین اپنے دل کا غبار تقریروں کی صورت میں نکالتے رہتے ہیں، ایسی تمام تقریبات میں نیشنل سنٹر کے ہال کی نصف سے زائد خالی کرسیاں اہلِ گجرات کی بے ذوقی کا رونا روتی رہتیں، مگر گزشتہ دنوں ارشد وحید چودھری اسسٹنٹ ڈائریکٹر نیشنل سنٹر گجرات نے ایک ایسی تقریب کا اہتمام کیا کہ عوام کی عدم دلچسپی کی شکایت ختم ہو گئی، اس تقریب کی صدارت صوبائی مشیر زراعت ڈاکٹر عبدالغفور بھٹی نے کی، جب کہ مقررین میں گجرات آڑھت ایسوسی ایشن کے صدر چودھری غلام حسین امیر جماعت اسلامی ضلع گجرات میجر غلام رسول مونگیہ اور نثار احمد چودھری ایڈووکیٹ جنرل سیکرٹری قومی اتحاد ضلع گجرات شامل تھے۔ گفتگو کا موضوع تھا "زراعت کے فروغ میں منڈی کا کردار"۔

چودھری غلام حسین نے کہا کہ پنجاب میں منڈیوں کا نظام بہت تسلی بخش اور زمیندار کے لئے باعث اطمینان ہے، چنانچہ زمیندار قیمت اور وزن کے سلسلے میں منڈی کے نظام سے مطمئن ہے۔ منڈی پرائیویٹ سیکٹر کی نسبت زیادہ مؤثر انداز میں کام کر رہی ہے، حالانکہ پرائیویٹ سیکٹر کو حکومت کی طرف سے قرضہ کے علاوہ دیگر کئی سہولتیں بھی میسر ہیں۔

میجر غلام رسول مونگیہ نے، جو خود بھی ایک زمیندار ہیں کہا کہ منڈیاں قدیم ادارہ ہیں اور معاشی لحاظ سے بہت اہمیت کی حامل ہیں، لیکن کاشتکاروں کی منڈیوں کی طرح کوئی تنظیم نہیں ہے۔ اس لئے ہر کاشتکار کو انفرادی طور پر اپنی جنس کی فروخت کے لئے تمام مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ میجر صاحب نے کاشت کاروں کے منظم ہونے کی ضرورت پر زور دیا۔

نثار احمد چودھری نے اپنی تقریر میں کسان کی پریشانی کا سبب فرسودہ زرعی نظام کو دیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ زرعی پالیسی مرتب کرتے وقت کسانوں کی سہولت کو مدِ نظر رکھنا چاہیئے۔ نثار چودھری نے منڈی کے نظام کو بہتر بنانے، ذرائع رسل و رسائل کو وسعت دینے اور کھاد کی صحیح تقسیم پر زور دیا۔

صوبائی مشیر زراعت ڈاکٹر عبدالغفور بھٹی نے صدارتی تقریر میں کہا کہ ہم نے اپنے وسائل کو دیانتداری سے استعمال نہیں کیا اور یوں بیشمار مسائل کو خود جنم دیا۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کسانوں کو تمام سہولتیں گندم کے عوض بہم پہنچانے کا تجربہ کر رہی ہے، اس طرح اس سال ایک لاکھ اسی ہزار ٹن بیج گندم کے عوض کسانوں کو دیا جائے گا، جب کہ دیگر سہولتیں جن میں کھاد اور بنکوں کے قرضے بھی شامل ہیں۔ گندم ہی کے عوض بہم پہنچائی جائیں گی۔

ڈاکٹر بھٹی نے کہا بنکوں کا قرضہ بلا سود ہوگا اور اس کی وصولی گندم کی صورت میں کی جائے گی۔ کھاد کی تقسیم کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے، اس کی تقسیم گاؤں کی یونین کونسل کے ذریعے کی جائے گی۔ تاکہ کاشت کار کو کھاد کے حصول میں کسی دقت کا سامنا نہ کرنے پڑے۔ انھوں نے مزید کہا کہ مارکیٹ ایکٹ جلد ہی نافذ کر دیا جائے گا جس کے تحت ۱۰یا ۱۱ افراد پر مشتمل مارکیٹ کمیٹیاں قائم کی جائیں گی۔ یہ کمیٹیاں آڑھتیوں، کاشت کاروں اور متعلقہ علاقے کے صارفین پر مشتمل ہوں گی۔ اس طرح صارفین کو بھی زرعی اجناس کی فراہمی میں بڑی مدد ملے گی۔

واپڈا کی کرم فرمائیاں

ان دنوں بجلی کے صارفین واپڈا کے اہل کاروں کے ہاتھوں سخت مشکل میں مبتلا ہیں۔ انہیں سب سے زیادہ پریشانی بلوں کے متعلق اٹھانا پڑتی ہیں۔ جن میں ہر ماہ غلط اندراج کر کے بھیج دیا جاتا ہے۔ ستم یہ کہ بار بار کی یقین دہانی اور دفاتر کے چکر کاٹنے کے باوجود ان کی تصحیح نہیں کی جاتی اور یوں شہریوں کا وقت الگ ضائع ہوتا ہے اور زائد رقم الگ جمع کرانا پڑتی ہے۔ انجمنِ صارفین نے واپڈا کی اس اندھیر نگری پر سخت احتجاج کیا ہے اور وفاقی وزیرِ بجلی و قدرتی وسائل چودھری رحمت الٰہی سے مطالبہ کیا ہے کہ ان کی فوری داد رسی کی جائے۔

محکمہ خوراک کے سفید ہاتھی

واپڈا کے ساتھ محکمہ خوراک کا باوا آدم بھی نرالا ہے۔ متعدد ڈپو ہولڈروں نے اعلیٰ حکام سے شکایت کی ہے کہ مل مالکان ہر دفعہ نئی بوریوں کی بجائے پرانی بوریوں میں آٹا دیتے ہیں جب کہ محکمہ انھیں نئی بوریاں فراہم کرتا ہے پھر اس کے ساتھ ساتھ ہر بوری میں ۲ سے لے کر ۳ کلو تک آٹا بھی کم ہوتا ہے۔ انھوں نے الزام لگایا ہے کہ مل مالکان ایسا صرف محکمہ فوڈ کے تعاون کی وجہ سے کرتے ہیں جس کی بنا پر انھیں ہر مرتبہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے کیا وفاقی وزیرِ خوراک اپنے محکمے کے ان سفید ہاتھیوں کی خبر لینا پسند کریں گے۔

صبیحہ شکیل کا دورہ

اس ہفتے تحریک استقلال کی نائب صدر اور مزدور لیڈر صبیحہ شکیل نے کنجاہ، جلال پور جٹاں، گجرات، لالہ موسیٰ اور منڈی بہاؤ الدین میں تحریک کے کارکنوں سے خطاب کیا۔ ان مقامات پر خطاب کرتے ہوئے بیگم صاحبہ نے موجودہ سول کابینہ کو اپنی تنقید کا سب سے زیادہ ہدف بنایا اور الزام لگایا کہ سابقہ حکومتوں نے عورتوں کو جو آزادی دی تھی موجودہ حکومت نے اسے غصب کر لیا ہے۔ انھوں نے اپنے خطاب میں جلد از جلد انتخابات کے انعقاد پر زور دیا۔ بیگم صبیحہ کے دورے کے باوجود تحریک استقلال اُسی مقام پر کھڑی ہے، جہاں دورے سے پہلے تھی۔ ●●

فرقہ پرستی کے خلاف اعلانِ جہاد

۲۸ فروری کی شام کو جمعیت طلبائے اسلام پاکستان کی گوجرانوالہ شاخ کے نومنتخب مجلسِ عاملہ کے ارکان کی تقریب حلف برداری میں مرکزی قائد میاں محمد عارف ایڈووکیٹ نے کہا کہ جب تک پاکستان میں اسلامی نظام مکمل طور پر نافذ نہیں ہو جاتا مسلم نوجوانوں کو اپنی جدوجہد جاری رکھنی ہو گی۔

اس تقریب میں دینی اور جدید تعلیمی اداروں کے طلبہ کے اشتراک و تعاون کا منظر قابلِ دید تھا اور مقررین نے ملک سے بے حیائی، فحاشی اور مغربی نظامِ تعلیم کو ہدفِ تنقید بنایا۔

مقررین میں میاں عارف، جمعیت العلمائے اسلام کے مقامی رہنما قاری محمد یوسف عثمانی، محمد ضمیر بٹ، فضل الرحمن ڈار، جناب فخر الدین محمد نواز بلوچ بھی شامل تھے اور ان مقررین نے پاکستانی عوام پر واضح کیا کہ قوم کو اپنی قیادت علمائے حق کے سپرد کر دینی چاہیے تاکہ اسلامی انقلاب صحیح معنوں میں اپنے منطقی انجام تک پہنچے۔

مقررین نے فرقہ بازی کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ حالیہ نظامِ مصطفیٰ کی تحریک میں شامل کروڑوں مسلمانوں نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ پاکستان میں قرآن اور سُنت پر مبنی نظامِ حیات کے طالب ہیں اور انفرادی و اجتماعی زندگی میں اُس پر عمل کرنے کے لیے صاحبِ اقتدار افراد کو صدق دلانہ تعاون پیش کرتے ہیں۔

مقررین نے ذرائع ابلاغ پر جنسی جذبات ابھارنے والے مناظر و خیالات پر تشویش ظاہر کی اور قومی اتحاد کے قائدین پر زور دیا کہ وہ ملک سے مخلوط طرزِ تعلیم اور مخلوط اجتماعات کا خاتمہ کرنے کے لیے مؤثر تدابیر اختیار کریں اور بے پردگی اور بے حیائی کی حوصلہ شکنی کی ابتدا سرکاری سطح پر شروع کرائی جائے۔ ●●

پیپلز پارٹی کا لیڈر قتل کے الزام میں گرفتار

پیر صفی الدین صرف الیکشن کے دنوں میں ادھر کا رخ کرتے ہیں

سردار شوکت حیات اپنی مسلم لیگ بنائیں گے

پیپلز پارٹی کے بانی، متحدہ پاکستان و نواب محمد احمد خان کے قاتل، بھٹو کو ہائی کورٹ سے سزائے موت و سپریم کورٹ سے اس کی توثیق کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے ملک میں اب کوئی بھی قاتل اور مجرم قانون کی نظروں سے زیادہ دیر اوجھل نہ رہ سکے گا اور ایک نہ ایک دن قانون کی گرفت میں ضرور آئے گا، خواہ وہ پیپلز پارٹی کا سربراہ ہو یا اسی پیپلز ٹمپل فرقے کے ٹکٹ پر کامیاب ہونے والا امیدوار صوبائی اسمبلی ۔ یہی بات پی پی کے ٹکٹ پر ۱۹۷۰ء میں کامیاب ہونے والے فتح جنگ کے حلقے سے امیدوار صوبائی اسمبلی ملک منور خان کی ہے، جنہیں قتل کے الزام میں گرفتار کر کے ڈسٹرکٹ جیل اٹک بھیج دیا گیا ہے ۔ یہ گرفتاری پولیس تھانہ فتح جنگ نے ۲۰ فروری کو مقامی منڈی مویشیاں کے ٹھیکے دار محمد نواز خان کے مقدمۂ قتل کے سلسلے میں عمل میں لائی ہے ۔

ایس ایچ او تھانہ فتح جنگ نے ملک منور خان کو ۲۱ فروری کو علاقہ مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کر کے جوڈیشل ریمانڈ حاصل کر کے ڈسٹرکٹ جیل اٹک کی جوڈیشل حوالات میں پہنچا دیا۔ منور خان کی یہ گرفتاری مرحوم نواز خان کے لواحقین اور مارشل لاء حکام کی ہدایت پر پنجاب پولیس کرائمز برانچ کی تفتیش کے نتیجے میں عمل میں لائی گئی ہے ۔ مرحوم نواز خان کو ۳ ستمبر ۱۹۷۴ء کو تحصیل و بلدیہ فتح جنگ کے دفاتر کے قریب ایک مکان میں پُراسرار حالت میں قتل کر کے مکان کو تالا لگا دیا گیا تھا اور ایک ہفتہ بعد اس مکان سے مرحوم نواز خان کی بوسیدہ اور متعفن نعش برآمد کی گئی ۔ اس مقدمے میں ایک ملزم میر زمان عرف ککو کا چالان ہوا تھا جو بعد ازاں سیشن عدالت سے بری ہو گیا تھا ۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس مقدمے میں ملوث پولیس کو ملک منور کے کچھ عزیزوں کی گرفتاری بھی مطلوب ہے، جس کے لیے پولیس چھاپے مار رہی ہے ۔ ملک منور خان مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخابات سے قبل پیپلز پارٹی سے علٰحدگی اختیار کر کے تحریکِ استقلال میں شامل ہو گئے تھے ۔

ضلع اٹک میں دو پرانے سیاسی وڈیروں سردار شوکت حیات اور پیر صفی الدین آف مکھڈ کی آمد ہمیشہ انتخابات کے وقت ہوتی ہے ، ورنہ انتخابات سے قبل یہ دونوں، پیر اور سردار صاحب اپنے آبائی ضلع کا بھول کر بھی رُخ نہیں کرتے ۔ اس ماہ کے دوران یہ دونوں صاحب اٹک میں اپنے اپنے انتخابی حلقوں میں آئے اور اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں ۔ پیر صفی الدین جو کہ مکھڈ کی زیارت کے گدی نشین ہیں ، سال میں بارہ مہینے اسلام آباد میں اپنی رہائش گاہ مکھڈ ہاؤس میں مقیم رہتے ہیں، لیکن اس ماہ کے شروع میں یہ اپنے انتخابی حلقے میں آئے اور اکتوبر ۷۷ء کی انتخابی سرگرمیوں کے بعد مرنے والے تمام مرحومین کے گھر گئے اور فاتحہ خوانی کی ۔ اس کے علاوہ ۲۲ فروری کو سردار شوکت حیات اپنی طویل علالت سے

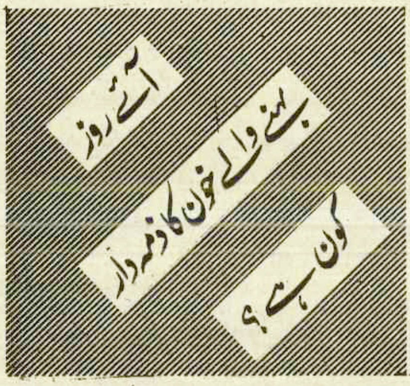

فراغت پانے کے بعد اپنے دستِ راست پاکستان کے سابق مرکزی وزیر سردار ممتاز علی خان کی رہائش گاہ پر اپنی سیاسی سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے ۔ سردار صاحب نے اسلام آباد سے اٹک پہنچنے پر یہاں کھٹر قبیلہ کے سرکردہ سرداروں سے اپنے سیاسی لائحہ عمل پر تبادلۂ خیال کیا ۔

اس موقع پر انہوں نے اخباری نمائندوں کو کسی قسم کا بیان دینے سے احتراز کیا اور ٹال مٹول سے کام لیا ۔ سردار صاحب نے اپنی سیاسی پالیسی ابھی تک وضع نہیں کی ، چونکہ مسلم لیگ دو حصوں میں بٹ چکی ہے اور سردار شوکت حیات نے اسلام آباد میں اپنی بیماری کے دوران میں بسترِ علالت سے ایک بیان میں دونوں مسلم لیگی گروپوں کے اتحاد پر زور دیا تھا ، اب جبکہ ان دونوں گروپوں میں اتفاق کی کوئی امید نظر نہیں آ رہی ، تو سردار صاحب نے اپنا علٰحدہ مسلم لیگی گروپ بنانے کا ارادہ کر لیا ہے ، کیونکہ سردار صاحب کو اسلام آباد میں ہونے والے دونوں مسلم لیگیوں کے مشترکہ اجلاس میں شرکت کی دعوت نہیں دی گئی اور اس طرح مسلم لیگ کے دونوں گروپ سردار صاحب کی سرداری کو مسلسل نظر انداز کر رہے ہیں جو کہ انہیں قطعاً پسند نہیں ۔

معلوم ہوا ہے کہ ائیر مارشل (ریٹائرڈ) نور خان بھی سردار موصوف کے ساتھ ہیں اور وہ چوتھی مسلم لیگ قائم کرنے میں شوکت حیات کی مدد کریں گے ۔ سردار صاحب اور پیر مکھڈ کی اٹک آمد کسی نئے طوفان کا پیش خیمہ بھی ہو سکتی ہے ۔

۱۰ مارچ کو قائم ہونے والی پیپلز ٹمپل فرقے کی نام نہاد پنجاب کی کالعدم اسمبلی کے ممبر ملک محمد اسلم نے اٹک میں ایک پریس کانفرنس میں اُس مجرم کی رہائی کا مطالبہ کیا ہے جس کو عدالتِ عالیہ پنجاب سزائے موت کا حکم دے چکی ہے اور جس کی عدالتِ عظمٰی توثیق بھی کر چکی ہے ۔ ایک صحافی کے سوال پر کہ بھٹو کی رحم کی اپیلیں ہی کیوں آ رہی ہیں ، میاں عباس کے لیے رحم کی اپیلیں کیوں نہیں آ رہیں ۔ ملک صاحب نے کہا ہم بھٹو کو قاتل نہیں سمجھتے اور باقیوں کے متعلق ہم کچھ نہیں جانتے ۔ ملک اسلم کی عوام دوستی کا حال یہ ہے کہ جب حکومت نے جی ٹی روڈ سے لے کر اُن کے آبائی گاؤں شمس آباد تک عوام کی آمد و رفت کی سہولت کے لیے سڑک بنانے کے لیے ان ملکانِ شمس آباد سے زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا خریدنا چاہا تو ان مفاد پرست ملکوں نے عوام کے مفاد پر اپنے ذاتی مفاد کو ترجیح دی جس کی وجہ سے حکومت کو ایک ایسی خطرناک سڑک بنانی پڑی جو آئے دن حادثات کا باعث بنی رہتی ہے جس روز ان ملکوں نے پیپلز ٹمپل فرقے میں شمولیت اختیار کرنا تھی اس دن بھی اس شمس آباد کے خطرناک موڑ پر دو گاڑیاں الٹ گئی تھیں ۔ ملک صاحب اتنے بڑے عوامی لیڈر ہیں کہ جن دنوں پی پی کے شر پسندوں کی گرفتاریاں ہو رہی تھیں اُن دنوں ملک صاحب ضلعے سے ایسے غائب ہوئے جیسے ....

●●

کراچی — اکرام غازی

❁ انہیں بھٹو سے زیادہ اپنے مستقبل کی فکر ہے

❁ ممتاز بھٹو شریف انسان بننے کی ریہرسل کر رہے ہیں

این ڈی پی کا اندرونی انتشار کھل کر سامنے آگیا

جوں جوں ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف مقدمہ قتل اپنے منطقی انجام پہنچ رہا ہے، اس کے ساتھ ساتھ پیپلز پارٹی کی قیادت (رہی سہی) کو بھٹو کے انجام سے زیادہ اپنے مستقبل کی فکر زیادہ دامن گیر ہوتی جارہی ہے۔ پارٹی کا اس سے بڑا المیہ کیا ہو سکتا ہے کہ جس پارٹی کے سیکرٹری جنرل ملک سعید حسن کراچی میں آکر یہ دعوٰی کر جائیں کہ کراچی اب پیپلز پارٹی کا شہر ہے، وہ پارٹی نظامِ اسلام یا عید میلاد النبیؐ کو "بہانہ" بنا کر ایک بھی تقریب منعقد نہ کر سکی۔ یہی وجہ ہے کہ بھٹو کی رہائی کا معاملہ ہو یا جان بخشی کا، پیپلز پارٹی کا سارا زور پاکستان سے باہر کی سرگرمیوں ہی تک مرتکز ہو کر رہ گیا ہے۔ پارٹی یہ سوچنے کے اہل ہی نہیں رہی کہ اہلِ وطن سے اپنے مقاصد کے لیے کیا مدد لی جاتی ہے۔ سارا زور غیر ملکی اخبارات اور لیڈروں سے اپنے مطلب کے بیانات دلوانے پر صرف کیا جا رہا ہے۔ اس کے لئے کسی بھی غیر معروف لیڈر یا اخبار کی رائے کو انتہائی اہم قرار دے کر پارٹی کے اخبارات "مساوات"، "امن" اور "صداقت" خوب اچھال رہے ہیں اور عوام حیران ہیں کہ یہ کیسی پارٹی ہے جو باہر کے ذرائع پر بھروسہ کر رہی ہے۔ پاکستان کے اندر پارٹی اگر کچھ کر سکتی ہے، تو اس کی اہلیت اب تک صرف تخریب کاری کی وارداتوں تک محدود ہے۔

پیرزادے کو نیک چلنی کی سند درکار ہے

ایسے میں پارٹی کے ایک لیڈر عبدالحفیظ پیرزادہ نے صدر جنرل محمد ضیاء الحق اور دوسرے جرنیلوں سے ملاقات کا پروگرام بنایا۔ ان ملاقاتوں کا مقصد صرف ذوالفقار علی بھٹو کی جان بخشی کے لئے اپیل کرنا ہی نہیں تھا، بلکہ فوجی حکمرانوں کو اپنی "نیک چلنی" کی ضمانت دینا بھی تھا تاکہ اپنے آئندہ سیاسی کردار کے متعلق راستہ صاف کیا جائے۔ اس سے کچھ عرصہ قبل پارٹی کے "دانشور انجینیئر" جو ملک کی معیشت کا خانہ خراب کر چکے ہیں۔ صدر سے ملاقات کر چکے ہیں۔ ممتاز بھٹو بھی جیل سے رہائی کے بعد ایک "شریف الطبع" انسان بننے کی ریہرسل کر رہے ہیں اور اندرونِ سندھ شکار کھیلتے ہیں فرق اب اتنا ہے کہ — شکار انسانوں کا تھا۔ اب سوردل کا ہوتا ہے۔ ممتاز بھٹو جیسے کراچی کے لوگ اللہ میاں کی ایک لعنت سمجھتے رہے ہیں۔ اپنے ہمنواؤں کے بظاہر اکسانے پر بھی کوئی بیان دینے سے گریزاں نظر آتے ہیں۔ جناب کوثر نیازی بھی اس دور میں افادیت ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ ان کی وجہ سے پارٹی کا دایاں بازو الگ الگ نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پارٹی کا اپنے تئیں "مخلص" حلقہ یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ اصلی تے وڈی چیئرمین نصرت بھٹو کا یہ خفیہ اشارہ ہے کہ جب تک میں ہاں نہ کردوں اس وقت تک پیرزادہ اور ممتاز بھٹو پر پوری طرح اعتبار نہ کیا جائے۔

سارا بھانڈا پھوٹ گیا

ادھر کراچی میں صدرِ پاکستان نے کسٹمز کی صد سالہ تقریبات کی افتتاحی تقریبات کے بعد صحافیوں سے غیر رسمی گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ پیرزادہ ان سے بھٹو کی جان بخشی کی اپیل کرنے کے لئے ملے تھے۔ جس کے لئے وہ پچھلے ایک ماہ سے کوشش کر رہے تھے۔ جنابِ صدر نے کہا کہ چونکہ وہ مصروف تھے اس لئے اس دوران میں پیرزادہ نے جنرل فیض علی چشتی سے کہا کہ ان کی کچھ مشکلات ہیں، جن کے لئے وہ چشتی صاحب سے ملنا چاہتا ہے۔

انہوں نے پیرزادہ کو ملاقات کا وقت دے دیا۔ اسی دوران میں نے بھی ملاقات کا وقت دے دیا جو کہ اتفاقاً جنرل چشتی سے پیرزادہ کی ملاقات سے ایک دن قبل کا تھا۔ اس لئے ان سے ملاقات کے بعد وہ جنرل چشتی سے بھی ملے۔ بہرحال خواب دونوں کا ایک ہی تھا کہ سپریم کورٹ جو فیصلہ کرے گی، انہیں قبول ہوگا اور وہ اپنی یکم مارچ کی پریس کانفرنس پر قائم ہیں۔ صدر نے مزید یہ بتایا کہ پیرزادہ نے جان بخشی کی جو اپیل ان سے کی تھی، اس کے گواہ اور ثبوت موجود ہیں۔

پیرزادہ صدرِ مملکت سے پھر ملیں گے

مگر پیرزادہ صاحب اب بھی رٹ لگا رہے ہیں کہ وہ صدر صاحب سے پھر ملیں گے۔ مبصرین حیران ہیں کہ جب پیرزادہ خود کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے رحم کی درخواست نہیں کی، تو پھر صدر صاحب سے دوبارہ ملنے کا یہ شوق کیسا ہے، کیونکہ صدر صاحب سے آج کل ملاقات کا تاثر تو رحم طلبی کا ہی ملتا ہے۔ بھٹو اینڈ کمپنی کے اندازِ سیاست سے جو لوگ واقف ہیں۔ ان کے لئے یہ باور کرنا کوئی مشکل نہیں کہ پیرزادہ صاحب وغیرہ نے یہ لائن اختیار کر رکھی ہے کہ اندر جا کر صدر صاحب کے سامنے ہاتھ پیر جوڑ لیں اور باہر آکر شور مچائیں کہ بھٹو اور انہوں نے رحم کی اپیل نہیں کی۔ اگر جان بچ گئی، تو شور کریں گے کہ صدر صاحب بین الاقوامی دباؤ کے آگے جھک گئے، کیونکہ انہوں نے تو رحم طلبی نہیں کی تھی، "ساڈا بھٹو شیر اے"

لیکن اس کے ساتھ ساتھ بھٹو شاہی کے ظلم و ستم اور لوٹ مار میں پوری طرح شریک پیرزادہ، ممتاز بھٹو، غلام مصطفیٰ جتوئی اور دوسرے لیڈر جس انداز میں اب تک احتساب سے محفوظ رہ کر آئندہ بھی سیاست میں کوئی کردار ادا کرنے کے ارادے باندھ رہے ہیں اور در پردہ یقین دہانیوں کی بنا پر جو دوڑ بھاگ کر رہے ہیں، قوم اس سے سخت آزردہ، پریشان اور متنفر ہے۔

پیرزادہ پیپلز پارٹی کا ہونے والا چیئرمین

مبصرین کا کہنا ہے کہ پیرزادہ اپنے آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں جو لائنیں دے رہے ہیں۔ ان کے مطابق وہ اس بات پر مطمئن نظر آتے ہیں کہ ان کی حالیہ رہائی کے بعد ابھی انہیں کسی اور مقدمہ میں گرفتار نہیں کیا گیا۔ اس کے علاوہ قرطاس ابیض میں بھی ان کا نام کہیں نظر نہیں آتا۔ پیرزادہ اور ممتاز بھٹو پیپلز پارٹی کی قیادت سنبھالنے کے لئے اپنے آپ کو قابلِ قبول بنانے کے لئے پارٹی کارکنوں کو یہ تاثر دے رہے ہیں کہ وہ بھٹو کی جان بخشی کے لئے انتھک کوشش کر رہے ہیں۔ اس میں اگر ناکام رہتے ہیں، پھر بھی وہ کارکنوں کو ساتھ ملانے کے لئے واویلا کریں گے کہ ہم نے تو پوری کوشش کی تھی۔

ادھر پارٹی کے باخبر حلقے یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ پیرزادہ اور ممتاز بھٹو نے حکومت میں اعلیٰ حکام اور دوسری طرف پارٹی کی موجودہ قیادت سے کہا ہے کہ پھانسی کے بعد بھٹو کی نعش ان کے حوالے کر دی جائے تاکہ وہ پارٹی کے اندر اپنی قیادت کو جمانے کا سلسلہ شروع کر سکیں۔ اگر انہیں قیادت میسر ہو جاتی ہے، تو وہ حکومت کے لئے ایک قابلِ قبول پیپلز پارٹی میدانِ سیاست میں اتار دیں گے جو حکومت کے لئے تو نہیں۔ قومی اتحاد کے لئے کچھ مسئلہ بن سکے گی،

پیرزادہ پیپلز پارٹی کی قیادت سنبھالنے کے لئے شروع ہی سے اپنے آپ کو سب سے مناسب شخصیت سمجھتے رہے ہیں۔ دسمبر ۱۹۷۳ء میں سندھ پیپلز پارٹی کے کنونشن میں ذوالفقار علی بھٹو نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ میری پارٹی کے ایک سینئر ممبر نے نشہ میں یہ کہا ہے کہ اگر بھٹو قتل ہو جائے، تو میں وزیر اعظم بن سکتا ہوں۔ پارٹی کے قریبی حلقے اس سینئر ممبر سے مراد حفیظ پیرزادہ لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ باخبر ذرائع کے مطابق اس دور میں بیگم سعدیہ حفیظ پیرزادہ داتا دربار جا کر دعائیں مانگ چکی ہیں کہ ان کے شوہر وزیر اعظم بن جائیں۔ اسی دوران میں پیرزادہ نے اپنے آپ کو عملاً ملک کا وزیر اعظم سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ ان کی گردن کی اکڑ مزاج میں درشتی اور ماتھے پر تیوریاں اپنے آپ کو "شے" سمجھنے کا نتیجہ تھیں۔

پارٹی کا نصرت بھٹو حلقہ یہ بھی کہتا ہے کہ پیپلز پارٹی کی حکومت سے محاذ آرائی کی پالیسی پیرزادہ اور ممتاز بھٹو کے کہنے پر اختیار کی گئی تھی، ورنہ ایک دور میں نصرت بھٹو حکومت سے مذاکرات کے لئے تیار نظر آتی تھیں، بشرطیکہ ان مذاکرات میں الیکشن کی تاریخ کی بات کی جاتی۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ اگر یہ محاذ آرائی اور تشدد کی پالیسی اختیار نہ کی جاتی، تو سپریم کورٹ کے فیصلے سے قبل یا بعد میں بھٹو کی جان بخشی کے لئے صدر سے بہت بہتر ماحول میں اپیل کی جا سکتی تھی، مگر اب وقت گزر چکا ہے۔

اب ہم سیاست میں حصہ نہیں لیں گے

جہاں تک بھٹو خاندان کی طرف سے اس یقین دہانی کا تعلق ہے کہ وہ سیاست میں حصہ نہیں لیں گے اور ملک سے باہر چلے جائیں گے۔ باہر جمع شدہ پیسہ بھی واپس لانے کا وعدہ لے سکتے ہیں۔ بہر حال پیرزادہ اپنی سی چالیں چل رہے ہیں، جبکہ مبصرین کہتے ہیں کہ ان کے پیر و مرشد بھٹو کی طرح ان کے بھی تمام ڈرامے اب کام نہیں کریں گے۔

اس کے ساتھ ساتھ پیپلز پارٹی اب بھی ذہنی اور فکری انتشار کا شکار ہے۔ کوئی واضح پارٹی لائن موجود نہیں ہے۔ نہ تو لیڈر شپ ہے اور نہ ہی فنڈز اور پیسے تک کارکنوں کی پہنچ ہے۔ اس لئے پارٹی کیسے چلے، جو کچھ بھی پیسہ کہیں سے آتا ہے، وہ حسب روایت پارٹی کے وظیفہ خور صحافیوں، دانشوروں، اخبارات اور دوسرے کھانے پینے والے افراد کی نذر ہو جاتا ہے۔ عادتیں اتنی جلدی تو نہیں بدل سکتیں۔ پارٹی کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے۔

پارٹی کا بایاں بازو اس امر سے بالکل بے نیاز نظر آتا ہے کہ بھٹو کا کیا بنے گا اور پارٹی کا کیا ہوگا، وہ اس مقولہ کی صداقت پر پورا یقین رکھتے ہیں کہ زندہ ہاتھی لاکھ کا ہوتا ہے اور مرا ہوا سوا لاکھ کا۔ اس لئے وہ پارٹی سے زیادہ اب دوسری لائن پر کام کر رہے ہیں جس کے تحت مخالف پارٹیوں کو آپس میں لڑانا اور اسلامی نظام کے بارے میں نئے سے نئے شوشے چھوڑنے سے لے کر عوام میں آپس کا نفاق اور مذہبی جھگڑے پیدا کرنا اور اچھالنا شامل ہیں۔ اس میں یہ بایاں بازو کچھ کامیاب نظر آتا ہے۔

توقع کے مطابق نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کا اندرونی انتشار پارٹی کے کارکنوں کے ایک اجلاس میں سامنے آگیا، جبکہ اعتدال پسند اور تشدد پسند کارکنوں کے درمیان نعروں کا تبادلہ ہوا اور ایک نے دوسرے کو امریکی ایجنٹ کہا تو دوسرے نے اسے کمونسٹ کہہ کر للکارا۔ کچھ کارکن پارٹی کے منشور کو چار قومیتوں اور سیکولر بنانے کے نعرے لگا رہے تھے اور کچھ منشور میں کسی تبدیلی کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ نعرے بھی کچھ لگے، پارٹی کا نظریاتی خلفشار اور سیکولر لیڈر شپ اب کھل کر سامنے آچکی ہے اور این ڈی پی کے صدر سردار شیر باز مزاری اس وقت سخت مشکل میں ہیں کہ پارٹی کے دونوں دھڑوں کو کس طرح ساتھ لے کر چلیں۔

این ڈی پی نے قومی اتحاد میں شامل ہو کر بھٹو حکومت کے خلاف تحریک میں بھرپور حصہ لیا تھا، جس کی وجہ سے پارٹی اور اس کے لیڈر پورے ملک میں محب وطن کے طور پر متعارف ہوئے تھے، یہاں تک کہ ولی خان کو مستقبل کا وزیر اعظم سمجھا جانے لگا۔ پارٹی نے اس کے ساتھ اپنے منشور میں قرآن و سنت کے منافی کوئی قانون نہ بنانے کا عہد بھی کر رکھا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی قومی لیڈر شپ کی طرف سے چار قومیتوں اور صوبائی خود مختاری کے قابل قبول بیانات آتے رہے ہیں۔ مگر غوث بخش بزنجو کے پارٹی میں شامل ہو جانے کے بعد پارٹی کے اندر موجود سیکولر ذہن تقویت محسوس کرنے لگا اور موقعہ کی تلاش میں رہا کہ پارٹی کا منشور نیپ کے خطوط میں ڈھل جائے۔ کچھ بلوچ لیڈروں نے جو پارٹی میں شامل تو نہیں تھے، مگر امید کرتے تھے کہ اس میں موجود سیکولر ذہن طاقتور ہو جائے گا، تو ان کے نظریات کو این ڈی پی میں جگہ مل جائے گی اور وہ اپنا کام دکھا سکیں گے۔ ایسی کوئی صورت حال سامنے نہ آسکی تو انہوں نے ۵ فروری کو کوئٹہ میں انتہا پسند لیڈروں کا ایک اجلاس بلایا۔

شیر باز مزاری، انتہا پسندوں سے چھٹکارا چاہتے ہیں

سردار شیر باز مزاری بھی اس اجلاس کے انعقاد پر خوش تھے کہ انتہا پسندوں سے چھٹکارا ملنے کا کوئی رستہ نکلے گا۔ مگر انتہا پسندوں میں کوئی بات آپس میں طے نہ ہو سکی اور مسائل طے کرنے کے لیے انہوں نے ایک تین رکنی کمیٹی بنا دی۔ اسی دوران میں سردار خیر بخش مری کا ایک بیان اخبارات میں بھی شائع ہو چکا تھا کہ وہ پاکستان کی سالمیت پر یقین رکھتے ہیں اور وہ ایسی کسی سرگرمی میں حصہ لینے کو تیار نہیں، جس سے پاکستان کو نقصان پہنچے۔ اس کے ساتھ ساتھ سردار عطاء اللہ مینگل، میر بخش مری المعروف شیروف اور بزنجو وغیرہ کی بلوچستان اور سندھ کے گورنروں سے کئی ملاقاتیں ہو چکی تھیں، اسی لیے "انتہا پسندوں" کی اس میٹنگ میں کچھ طے نہ ہو سکا۔ بلکہ باخبر ذرائع یہ کہتے ہیں کہ وہ میٹنگ شک و شبہ کی فضاء میں ختم ہوئی تھی۔

ولی خاں اور نسیم ولی کی خاموشی

ادھر نسیم ولی خان اور اُن کے شوہر ولی خان خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں، وہ پارٹی کے انتہا پسندوں کی کسی حرکت سے محنت سے حاصل کردہ نیک نامی کو اب مشکوک نہیں بنانا چاہتے۔ افغانستان میں سوشلسٹ انقلاب کے خلاف وہاں کے عوام کی جنگ کی وجہ سے خان غفار خاں بھی کابل سے کوچ کرنا چاہتے ہیں، جس کے لیے انہوں نے دہلی یا چیکوسلواکیہ جا کر اپنا علاج کرانے کا عندیہ ظاہر کیا ہے۔

افغانستان سے آنے والے ہزاروں افراد نے صوبہ سرحد اور بلوچستان کی ذہنی اور نظریاتی فضاء کو یکسر بدل دیا ہے۔ اس لیے پٹھان لیڈر ہوں یا بلوچ سردار، ان کے لیے سیکولرازم کو نعرہ بنانا مفید نہیں رہا ہے۔ اس ساری صورتِ حال سے گھبرا کر این ڈی پی کے انتہا پسندوں اور سیکولر لیڈروں نے مایوسی کے عالم اور جھنجلاہٹ میں ذاکر مشہدی کے گھر پر اس میٹنگ کو خراب کر دیا اور سردار شیر باز مزاری اور عابد زبیری تقریر کیے بغیر اجلاس سے اٹھ آئے جب کہ سندھ میں صوبائی صدر عبدالحمید خاں جتوئی بھی اپنا مدعا پورا بیان نہ کر سکے۔ سندھ این ڈی پی کے سیکرٹری فصیح الدین سالار کا گروپ اس کوشش میں تو کامیاب ہو گیا کہ سیکولر نعرے اور صوبائی خود مختاری کی آوازیں لگا کر اس اجلاس کو ناکام کر دیا گیا جس کے لیے انھیں غوث بخش بزنجو کی اشیر باد حاصل تھی۔ مگر سردار شیر باز مزاری نے بعد میں صاف طور پر کہہ دیا کہ پارٹی کے منشور میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔

این، ڈی پی میں پھوٹ پڑگئی

فصیح الدین سالار وغیرہ کو چند ماہ قبل پارٹی سے نکالا جا رہا تھا مگر بزنجو کے آجانے سے انھیں سہارا مل گیا۔ سالار صاحب قومی اتحاد کی تحریک کے ———— دوران قومی اتحاد کے ساتھ ساتھ چلتے تھے مگر ان کا پرنٹنگ پریس پیپلز پارٹی کے اکثر پوسٹر اور پمفلٹ شائع کرنے کا بڑی تندہی سے بندوبست کرتا رہا۔

عبدالحمید خاں جتوئی ابھی کھل کر سامنے آنے کی جرأت نہیں رکھتے۔ سیکولرازم اور صوبائی خود مختاری کی بات کرنا ان کے لیے کچھ مشکل ہے مگر اس حد تک فائدہ ضرور اٹھانا چاہتے ہیں کہ ان نعروں سے سندھی نیشنلزم کا پلیٹ فارم سجانے میں آسانی ہو۔ کیوں کہ وہ صوبہ سندھ سے کسی سیاست میں آگے جا نہیں سکتے۔

این ڈی پی میں سیکولرازم اور انتہا پسندی کے مخالفوں میں عابد زبیری کے علاوہ سردار شیر خاں وغیرہ شامل ہیں۔ یوسف مستی خاں ایک سردار ہونے کے علاوہ بڑے بزنس مین ہیں اس لیے غوث بخش بزنجو کی مہمانداری کے باوجود انتہا پسندی کا ساتھ دینا اُن کے لیے مزاجاً مشکل ہے۔

سردار شیر باز خاں نے اس میٹنگ میں سیکولرازم والوں کو للکارا اس سے قبل بھی وہ پارٹی کی ہائی کمان سے مطالبہ کر چکے ہیں کہ کمیونسٹوں کو پارٹی سے نکالا جائے۔

باخبر حلقوں کے مطابق ملک کی عام اسلامی فضا اور سرحد پار سے مسلم ذہنیت کے پٹھانوں کی آمد اور وہاں کمیونسٹ حکومت سے ان کی کشمکش کے نتیجہ میں این ڈی پی نظامِ مصطفےٰ کا سلوگن استعمال کرے گی اور اس کے لیے سردار شیر باز مزاری کو پارٹی میں بیشتر لیڈروں اور کارکنوں کی حمایت حاصل ہے جب کہ انتہا پسند اس وقت سخت مایوسی کے عالم میں ہیں اور آئندہ لائحہ عمل اختیار کرنے میں انھیں بہت سخت مل رہی ہے۔

●●

جی ایچ حیدری

لاڑکانہ

پیپلز پارٹی افواہوں کے سہارے زندہ ہے

اندرونِ سندھ — تعصبات کے جزیرے

گزشتہ چند ماہ سے سندھ میں ایک طبقہ پلاننگ کے ساتھ افواہیں پھیلانے میں سرگرم عمل ہے۔ افواہوں کا پھیلنا کوئی نئی بات نہیں۔ بھٹو کے زوال کے بعد ان کے حامیوں کی طرف سے کئی قسم کی افواہیں پھیلتی رہیں، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ پی پی پی یا بھٹو عوام میں افواہوں کی وجہ سے ہی زندہ رہے اور رہ رہے ہیں، لیکن جب افواہوں کو قومی، لسانی اور ثقافتی رنگ چڑھا دیا جاتا ہے۔ تو یہ افواہیں کچھ نہ کچھ اثر ضرور دکھاتی ہیں۔ جہاں تک ان اثرات کا تعلّق ہے، دوسری وجوہات کے ساتھ ساتھ کچھ نادان دوستوں کا بھی ہاتھ ہے، جو حکمت سے کام نہیں لیتے اور ایک بڑا حصّہ مقامی اور قومی اخبارات کا بھی ہے۔

سندھ کی جغرافیائی حیثیت

سندھ جغرافیائی لحاظ سے ایک نازک صوبہ بن گیا ہے۔ آبادی دو حصوں میں بٹ چکی ہے۔ سکھر، حیدر آباد، کراچی اور چند شہروں میں غیر مقامی (نئے سندھیوں) کی اکثریت ہے۔ پھر چونکہ دونوں طبقوں کے رہن سہن کا بالکل مختلف انداز ہے۔ مختلف زبانیں ہیں، مختلف ثقافت ہے، اس لیے اس طبقے کو، جو افواہوں پر ہی زندہ رہتا ہے یہ موقع مل جاتا ہے کہ جب وہ لسانی، ثقافتی اور قومی تعصبات کی بات کرتا ہے تو سنجیدہ طبقہ کا ایک حصّہ ان باتوں کا وزن محسوس کرنے لگتا ہے، کیونکہ ان کا یہ ہتھکنڈا بڑے معصومانہ انداز میں ہوتا ہے۔

اب سے چند سال قبل

ایک وقت تھا کہ سندھ کا پڑھا لکھا آدمی مقامی اور غیر مقامی یا سندھی یا مہاجر کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا، لیکن گزشتہ چند سالوں سے اب یہ بات نہیں رہی۔ اس کی دو وجوہات ہیں:

۱۔ گزشتہ حکومت نے اپنی شہ پر سیاسی فوائد حاصل کرنے کے لیے دونوں طبقات میں کشیدگی پیدا کر دی۔ دونوں کو آپس میں لڑا دیا۔ بھٹو دور میں لسانی ہنگامہ اس بات کا ثبوت ہے۔

۲۔ قوم پرست طبقے نے گزشتہ سات برسوں میں سب سے زیادہ توجہ ادب اور لٹریچر پر دی۔ ہر ماہ کئی کتابی سلسلے اور کتابیں مارکیٹ میں آتی رہیں جن میں طبقاتی نفرت کو اتنا ابھارا گیا جس کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

دونوں طبقات میں نفرت اور تعصب کس حد تک ہے، اور کیونکر ہے، ان سوالات کو چھوڑتے ہوئے ہم یہاں پر اس وقت کی پھیلی ہوئی افواہوں اور ان کے تدارک پر کچھ کہنا چاہتے ہیں۔

اُردو، قومی زبان

جب سے انگریزی کی جگہ پر اُردو کو قومی زبان کا درجہ دینے کا مطالبہ ہوا اور یہ مطالبہ منظور ہوا تو سندھ کے ایک مخصوص طبقے نے اسے غلط رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی کہ سندھی زبان کو ختم کیا جا رہا ہے۔ تمام اسکولوں میں اُردو زبان ہو گی، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ جہاں پر انگلش میڈیم تھا، وہاں پر اُردو میڈیم کو رائج کیا جا رہا ہے اور جن اداروں میں سندھی میڈیم ہے، وہاں سندھی ہی رہے گا، لیکن مقامی اخبارات میں بیانات کی بھرمار ہو گئی اور ایک دو اداریئے بھی لکھے گئے۔ مجبوراً سندھ گورنمنٹ نے اس کی وضاحت کر دی، لیکن وضاحت مبہم اور ادھوری ہے اور افواہ پھیلنے والے اب بھی اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ اس لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ اس بات کا جلد از جلد نوٹس لے اور قومی اخبارات کے علاوہ مقامی اخبارات کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ ہر مسئلے کے دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھ کر کوئی قدم اُٹھائیں۔

سندھیوں کو ان کا حق نہیں مل رہا

اس وقت ایک تاثر یہ بھی پایا جاتا ہے کہ اب سندھیوں کو وقعت نہیں دی جا رہی یا انھیں اپنا حق نہیں مل رہا جہاں تک ہم سمجھتے ہیں یہ بات بالکل غلط ہے۔ موجودہ حکومت اس بات کا بار بار اعلان کر رہی ہے کہ تمام صوبوں اور علاقوں کے باشندوں کو ان کا پورا پورا حق دیا جائے گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بھٹو دور میں جو سندھی ملازموں پر بیتی ہے، تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ہم ان لوگوں سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ بھٹو نے جب لوگوں کو ملازمتوں سے برطرف کیا تو کیا اس میں سندھی ملازموں کا ۶۰ فیصد تناسب نہیں تھا۔ ہم ان تمام سنجیدہ لوگوں، اداروں اور قومی اور مقامی اخبارات سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ذاتی مصلحتوں اور سیاسی وابستگیوں سے ہٹ کر کم سے کم ایسے معاملات میں جو مخالفت اور نفرت ——— کا سبب بنتے ہیں اور طبقاتی کشمکش پیدا ہوتی ہے محتاط رہیں اور ہر بات کے دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھ کر کچھ کریں۔

اس کے ساتھ ہم یہ بھی عرض کرتے ہیں کہ اگر کسی ملازم کے بارے میں کوئی شکایت یا بیان یا مراسلہ آئے تو اس انداز سے اس پر توجہ دینی چاہیے کہ وہ طبقاتی کشمکش کا سبب نہ بنے۔ دونوں طبقات میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بغیر کسی موقع و محل کے بیانات داغ دیتے ہیں جس سے ماحول کی فضا مکدر ہو جاتی ہے اور صحیح بات بھی اچھی محسوس نہیں ہوتی۔

تعلیمی اداروں میں کوٹہ سسٹم

سندھ کا ایک اہم مسئلہ تعلیمی اداروں میں کوٹہ سسٹم پر داخلے کا ہے اور یہ امور طے شدہ ہیں۔ اس کی مخالفت یا موافقت میں دلائل دینے کا معاملہ اب ختم ہو چکا ہے، لیکن افسوس ہے ایک طبقہ پھر سے اس مسئلے کو ابھار رہا ہے جو مناسب نہیں ہے۔ اس سے پسماندہ علاقوں کی آبادی جو ۹۰ فیصد ہے میں احساسِ محرومی کا جذبہ ابھر رہا ہے جس سے نفرت اور طبقاتی کش مکش کی فضا پیدا ہو سکتی ہے۔ سخت تعجب ہے کہ جب کوٹہ سسٹم کی مخالفت میں بولا جاتا ہے تو حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے۔ چند دن پہلے ایک مضمون اس طرح کا چھپا کہ سندھ میں کراچی حیدر آباد اور سکھر کے میڈیکل کالجوں میں فرسٹ ڈویژن والے بھی داخلہ سے محروم رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ گزشتہ چند سالوں سے ان مقامات کے علاوہ لاڑکانہ ضلع، خیرپور ضلع اور ایک دو اور مقامات پر بھی فرسٹ ڈویژن حاصل کر رہے ہیں اور طلبہ کی جو رفتار ہے، ایک دو سال میں ہر مقام سے فرسٹ ڈویژنز رہنے لگیں گے۔ اس کا علاج یہ نہیں کہ کوٹہ سسٹم ختم کیا جائے بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ تعلیمی اداروں میں اضافہ کیا جائے۔

ایک اہم مسئلہ

اس وقت سب سے اہم مسئلہ کراچی ٹیلی وژن سے سندھی پروگراموں کے لئے وقت میں اضافے کا ہے۔

گذشتہ دنوں جب وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات جناب محمود اعظم فاروقی اپر سندھ کے دورے پر تشریف لائے تھے، تو ہر مقام پر ان سے سندھی پروگراموں کے وقت بڑھانے کا مطالبہ کیا گیا تھا، قومی اتحاد کے علاوہ اسلامی جمعیت طلبانے بھی ہر مقام پر ان سے پُر زور مطالبہ کیا تھا۔ وزیر موصوف نے کئی مقامات پر اپنی تقریر میں کہا تھا کہ سندھی پروگراموں کا موجودہ وقت بھٹو کے دور کا مقرر کیا ہوا ہے جس کے حامی آج ان کو سندھی کہتے ہیں۔ بھٹو سندھی ہو کر بھی سندھی پروگراموں کا وقت نہیں بڑھا سکا، لیکن ہمیں احساس ہے کہ سندھی زبان ایک مکمل، تاریخی اور بنیادی زبان ہے، اسکو پھلنے پھولنے کا پورا پورا موقع دیا جائے گا۔ سندھی پروگراموں کا وقت بڑھایا جائے گا ——— لیکن ان اعلانات کو چھ ماہ سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، لیکن ابھی تک کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ بلکہ چند اچھے پروگرام بھی بند ہو گئے ہیں۔

سندھ میں ایک ٹیلی وژن اسٹیشن قائم ہے، لیکن ایک کروڑ آبادی کے لئے صرف ۲۰ منٹ کا پروگرام ہے گویا ایک ماہ میں دس گھنٹے اور سال میں ایک سو بیس گھنٹے ہیں جو سندھی زبان کو دیئے جاتے ہیں، جب کہ انگریزی پروگراموں کی بھرمار ہے۔ انگریزی پروگراموں سے مقامی اور دیہاتی آبادی کو کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟ ہمارے معاشرے، ماحول، ثقافت، زبان اور نسل پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ انگریزی پروگرام کتنے ہی معیاری کیوں نہ ہوں، مزدوروں، ہاریوں اور دیہاتی لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے مضافات سندھ کے عوام کا K.T.V. والوں سے پُر زور مطالبہ ہے کہ انگریزی پروگراموں کو کم کر کے سندھی پروگراموں کا وقت بڑھایا جائے اور حکام بالا سے مطالبہ ہے کہ اگر وہ انگریزی پروگراموں کو کم نہیں کر سکتے۔ تو ایک دوسرا ٹیلی وژن اسٹیشن قائم کیا جائے جو مقامی اور دیہاتی آبادی کی نمائندگی کرے۔

●●

تھرپارکر — ارباب عبدالمالک انیس

جام صادق کی ہندو بیوی نے بھی اس معاملے میں بھرپور دلچسپی لی۔

ہندوؤں اور قادیانیوں پر نوازشات کی بارش

تھرپارکر ضلع کی آبادی ہندوؤں اور مسلمانوں پر مشتمل ہے ۱۹۷۱ء کی جنگ سے پہلے تک ہندو ہر لحاظ سے تھرپارکر پر مضبوط گرفت کے ساتھ مسلط تھا۔ تھر علاقے کی پانچ تحصیلیں مکمل طور پر ہندوؤں کے رحم وکرم پر تھیں۔ زراعت اور سروسز وغیرہ پر ہندوؤں کی اجارہ داری تھی، جس کے نتیجے میں پورے ضلع میں ہندو خوشحالی کی وجہ سے اور مستقبل میں اپنے مخصوص مفادات کے تحفظ کے لئے تعلیم پر زیادہ توجہ دیتا رہا۔ تھرپارکر میں ہندوؤں کی سرگرمیاں بھارت کے ساتھ ملنے والی سرحد کی وجہ سے ۱۹۶۰ء سے ہی اخبارات میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ ٹھاکر لچھمن سنگھ اور بعد ازاں رانا چندر سنگھ کے زیر سایہ ہندوؤں کی وطن دشمن اور اسلام دشمن سرگرمیاں گاہے گاہے چھپتی رہی ہیں اور آج تھرپارکر میں ہندو لفظ پاکستان دشمنی کے مترادف ہو گیا ہے۔

ان سرگرمیوں میں ہندو تعلیم یافتہ نوجوان پیش پیش رہے ہیں۔ جیئے سندھ تحریک کا بمبئی انڈیا میں چھپنے والا لٹریچر بھی تھرپارکر کے ہندوؤں کی کوششوں سے پاکستان پہنچتا اور تقسیم ہوتا رہا ہے۔ اسی طرح تھر دیش تحریک کا منصوبہ بھی اس تمام صورت حال کو مدنظر رکھ کر حکومت نے لیاقت میڈیکل کالج جامشورو میں تھرپارکر ضلع کے ہندو طلبہ کے لئے چند سیٹیں مخصوص کی تھیں۔ بقیہ سیٹوں پر مسلمان طلبہ براہ راست مقابلے کے ذریعے میڈیکل کے لئے منتخب ہوتے تھے۔ جس کے نتیجے میں کافی مسلمان طالب علم ہر سال میڈیکل کالج میں پہنچتے تھے۔

میڈیکل کالجز میں غیر مسلم طلبہ کی مخصوص نشستوں کا خاتمہ

بھٹو حکومت نے چار سال تک پرانی پالیسی بحال رکھنے کے بعد ۱۹۷۴ء میں ہندوؤں اور قادیانیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے چند وزراء کی مخصوص حرکتوں کو دوام بخشنے کے لئے اسے ختم کر دیا۔

اسی پالیسی کو ختم کرانے میں قادیانی اور ہندو بیوروکریسی کے ساتھ جام صادق علی کی عمر کوٹ کی ہندو دیوی کی دلچسپی بھی شامل تھی۔

چنانچہ ۱۹۷۴ء میں ہندو مسلم کی تفریق کو ختم کرتے ہوئے براہ راست انتخاب کا طریقہ رائج کیا۔ جس کے نتیجے میں ۱۹۷۶ء میں ۱۹ ہندو طلبہ ۱۹۷۷ء ۲۲ اور ۱۹۷۸ء میں ۳۴ میڈیکل کالج میں سیلکٹ ہوئے ہیں جب کہ ۱۹۷۸ء میں مسلمان طلبہ کی تعداد ۲۷ ہے۔

اس تعداد میں قادیانی طلبہ کی تعداد شامل نہیں ہے جو ۸ سے زیادہ ہے اور یہی تناسب اگر برقرار رہا تو آئندہ چند سالوں میں تھرپارکر سے کوئی مسلمان طالب علم میڈیکل کالج میں داخلے کے قابل نہیں رہے گا۔ اس سے قبل ڈاکٹر بن کر نکلنے والے ہندو پاکستان میں رہنے کے بجائے بھارت اور دیگر ممالک کو چلے جاتے ہیں۔ حکومت پاکستان ہر میڈیکل کے طالب علم پر تقریباً تین لاکھ روپے خرچ کرتی ہے۔ اتنی خطیر رقم خرچ ہونے کے بعد ہندو طلبہ بیرون ملک چلے جاتے ہیں اور پاکستان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

علاوہ ازیں ہندو ماسٹر بھی وطن دشمن سرگرمیوں میں ملوث رہتے ہیں۔ بھارت کے لئے مخبری کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل تک سرحدی علاقوں کے قریب کے اسکولز میں ہندو اساتذہ کی تعیناتی ممنوع تھی۔ ہماری اطلاع کے مطابق اب بھی یہ پابندی برقرار ہے۔

ہندوؤں کی وطن دشمنی

تھرپارکر کی وطن دشمن سرگرمیوں کی تفصیلات طویل ہیں صرف ۱۹۷۱ء کی جنگ میں اُس وقت کی حکومت کے اعداد وشمار کے مطابق ۸۰ ہزار ہندو بھارت فرار ہو گئے تھے۔ یہ تعداد ہندوؤں کی کل آبادی کا ۹۰ فیصد ہے۔ واضح رہے کہ رانا چندر سنگھ کے ایماء پر بھٹو حکومت نے مفرور ہندوؤں کو واپس لانے کے لئے چار مرتبہ ہندوستان وفود بھیجے تھے۔

اب بھی بھٹو حکومت کی خالص سیاسی مصلحتوں اور مفادات کے نتیجے میں مسلمان طلبہ کے حقوق کو غصب کرنے والے فیصلے کو برقرار رکھا گیا ہے۔

تھرپارکر کے سیاسی سماجی حلقوں میں تشویش پائی جاتی ہے اور تمام سیاسی جماعتوں نے اس کی مذمت کی ہے۔

یہاں یہ بات بھی حیرت انگیز ہے کہ تھیوری میں مسلمان طلبہ کے نمبر ہندوؤں کے برابر ہیں، لیکن پریکٹیکل میں بہت ہی حیرت انگیز حد تک فرق ہے۔ حتیٰ کہ ایک ہندو طالب علم تھیوری میں فیل ہو گیا ہے، لیکن اُسے پریکٹیکل میں ۳۰ میں سے ۲۹ نمبر ملے ہیں۔ ——— اس طرح کی کئی مثالیں ہیں۔

اسی طرح قادیانیوں کے عزائم اظہر من الشمس ہیں، ختم نبوت تحریک کے موقعہ پر اور اس سے قبل قرآن مجید کو نذر آتش کرنے اور مسلمان طلبہ پر گولیاں چلانے کے واقعات قومی پریس میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

اس کے باوجود اگر مسلمان طلبہ کو جن کی اکثریت دیہات پر مشتمل ہے ان ہندوؤں اور قادیانیوں سے براہ راست مقابلے میں منتخب کیا جائے، تو ناممکن ہے کہ کوئی طالب علم ہندو اور قادیانی با اثر و رسوخ سرمایہ داروں سے زیادہ نمبر لے جائے۔ اس تمام صورت حال کے باوجود بھٹو حکومت کی پالیسی کو برقرار رکھنا سانپ کو دودھ پلا کر اپنے لئے ہلاکت کا سامان تیار کرنے کے مترادف ہے۔

مسلمان طلبہ وظائف سے بھی محروم ہیں۔

حال ہی میں جنرل ضیاء الحق صاحب کے حکم پر ہندو طلبہ کے لئے علیحدہ ایک لاکھ روپے کے وظائف کا بھی اعلان کیا گیا۔ جبکہ اس سہولت سے مسلمان طلبہ کو مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ ہندو طلبہ کو علیحدہ

اور بے پناہ وظائف دے کر غریب مسلمان طلبہ سے مقابلہ کرنا سراسر زیادتی ہے۔

تیکنیکل کالج کا قیام

ضلع تھرپارکر آبادی کے لحاظ سے سندھ کا سب سے بڑا ضلع ہونے کے ساتھ مسائل کے اعتبار سے بھی پہلے نمبر پر ہے۔ بیسیوں ہائی اسکول، چھ کالج ہونے کے باوجود طلبہ کی اعلیٰ تعلیم اور ٹیکنیکل تعلیم کے لئے کوئی انتظام نہیں ہے۔ ایک عرصے سے مختلف اداروں کی جانب سے اس سلسلے میں مطالبات اٹھائے جا رہے ہیں۔

میڈیکل اور انجینئرنگ میں محدود داخلے کے بعد بقیہ طلباء ٹیکنیکل کالج کی سہولیت سے محروم ہیں اور مجبوراً اپنی تعلیم نامکمل چھوڑ دیتے ہیں۔

اسی طرح کامرس کالج اور لاء کالج سے بھی یہ ضلع محروم ہے، جبکہ حال ہی میں جنرل ضیاء صاحب نے ایک کروڑ پچیس لاکھ روپے کی خطیر رقم سے پبلک اسکول کے قیام کی منظوری دی ہے۔ پبلک اسکول کی مخالفت میں وزیرِ دفاع سید علی احمد تالپور نے اپنے دورہ تھرپارکر کے دوران میں واضح کیا کہ پبلک اسکول کی یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ علاقہ بنیادی تعلیمی سہولتوں سے محروم ہے۔ تالپور صاحب کی یہ بات بالکل صحیح ہے، کیونکہ پبلک اسکول میں تھرپارکر کے غریب طلباء کے بجائے سرمایہ داروں، وڈیروں اور ہندوؤں کے بچے ہی تعلیم حاصل کر سکیں گے۔

●●

خیرپور — ریاض شاہد

بھٹو حکومت کی عطا کردہ محرومیوں کا نوحہ

ماضی کی عظیم الشان ریاست . . . . بعد میں ڈویژنل ہیڈ کوارٹر اور آج صرف ضلع خیرپور . . . . . ماضی اور حال پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے، تو ماضی ایک سنہرا خواب . . . . حال خوابِ پریشان کی تلخی لئے ہوئے اور مستقبل میں دور دور تک روشنی کی لہروں کا گماں تک نہ تھا۔ خیرپور کیا تھا اور کیا بن گیا ہے۔ خیرپور کے باشندے ہر سرکردہ سیاسی لیڈر، وفاقی وزراء اور ہر اس ذریعے کی سمت کیوں بے تابانہ لپکتے ہیں، جہاں سے انہیں امید کی ہلکی سی کرن بھی جھلکتی نظر آئے۔ اور اس وقت ان کے لبوں پر ایک ہی فریاد ہوتی ہے کہ للہ خیرپور کو ڈویژنل ہیڈ کوارٹر واپس کرا دیجئے! ایسے میں شدتِ فریاد کی تپش کو محسوس کرتے ہوئے اور کچھ حقائق کو مدِ نظر رکھ کر ہر لیڈر اعتراف کر لیتا ہے کہ "ڈویژنل ہیڈ کوارٹر، خیرپور کا حق ہے اور اس کی واپسی کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی"! سرکردہ لیڈروں کا اعتراف اور امید دلانا جہاں خیرپور کے باشندوں کو وقتی طور پر خوش کر دیتا ہے۔ وہیں ان کے مطالبے کو جائز اور ڈویژنل ہیڈ کوارٹر کی منتقلی کے فیصلے کے ظالمانہ اور غلط ہونے کی توثیق بھی کر دیتا ہے۔ ضلع خیرپور کے پانچ لاکھ باشندوں کے اس نازک مسئلے پر کچھ لکھنے سے قبل خیرپور کے ماضی پر ایک سرسری نظر ڈالنا ضروری ہے۔

ایک خوشحال ریاست

خیرپور میرس ایک آزاد ریاست تھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد ریاست نے پاکستان کا حصہ بننا قبول کیا، تاہم ریاست کی جو کہ ایک مکمل چھوٹے صوبے جیسی حیثیت رکھتی تھی، برقرار رہی۔ ریاست کی عدلیہ، مقننہ اور انتظامیہ اپنی تھی اور والیٔ ریاست خیرپور میرس ریاست کی ترقی اور خوشحالی کے لئے سرتوڑ کوششیں کر رہے تھے۔ کئی منصوبے زیرِ تکمیل تھے۔ نیز سینکڑوں منصوبوں کے خاکے بنائے گئے تھے۔ ۱۳/ اکتوبر ۱۹۵۵ء تک خیرپور میرس کی ریاست کی حیثیت برقرار رہی اور ۱۴/ اکتوبر ۱۹۵۵ء کے سورج نے خیرپور ریاست کی حیثیت ختم ہوتے دیکھی اور اسے وفاقی مغربی پاکستان کا حصہ بنا دیا گیا، جس وقت ون یونٹ کے قیام کی تحریک شروع ہوئی تھی، تو اس وقت چھوٹے صوبوں اور ریاستوں نے اس کی شدت سے مخالفت کی تھی، کیونکہ انہیں خدشہ تھا کہ ان کے مفادات کا تحفظ نہ ہو سکے گا، لیکن ون یونٹ بنا اور اسے ۱۴، ۱۵ سال چلانے کی کوشش کی گئی۔ ریاست ختم کرتے وقت خیرپور کی اہمیت کو برقرار رکھنے کے لئے خیرپور کو ڈویژنل ہیڈ کوارٹر کی حیثیت دی گئی اور اس بات کو قانونی اور اخلاقی طور پر تسلیم کیا گیا کہ ڈویژنل ہیڈ کوارٹر خیرپور میں رہے گا اور اس سلسلے میں اس وقت کے گورنر جنرل کا ۱۶/ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو ایک حکم نمبر ۱۷ بھی جاری ہوا، جس کی رو سے خیرپور کو ڈویژنل ہیڈ کوارٹر قرار دیا گیا۔ ۱۹۵۵ء سے قبل تک ریاست خیرپور صنعتی مرکز بن چکا تھا۔ یہاں پر دو ٹیکسٹائل ملیں، سلک فیکٹری، ماچس فیکٹری، سگریٹ فیکٹری، اسٹیل فیکٹری، سیمنٹ پائپ فیکٹری، آئل فیکٹری اور دیگر کئی چھوٹی بڑی صنعتیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ایک اندازے کے مطابق ۲۲ بڑی صنعتوں کا قیام اور خیرپور یونیورسٹی کا قیام شامل تھا۔ یونیورسٹی کے لئے ۹۵ ایکڑ زمین بھی حاصل کی جا چکی تھی۔ جدید پرنٹنگ پریس کے لئے جاپان سے مشینری منگائی گئی تھی نیز سیٹلائٹ ٹاؤن کا ایک وسیع و عریض منصوبہ بھی بنایا گیا تھا۔ ۱۹۵۵ء تک خیرپور معاشی طور پر اس قدر مستحکم تھا کہ ریاست نے کاشتکاروں کو لگان میں جز ۲۵ چھوٹ دے رکھی تھی۔ المختصر ۱۹۵۵ء سے قبل خیرپور معاشی و اقتصادی لحاظ سے پاکستان کا اہم اور خوشحال ترین علاقہ شمار ہوتا تھا۔ خیرپور ریاست کے باشندوں کے لئے خیرپور ایک چھوٹی سی ارضی جنت تھی، جہاں ان کی معمولی معمولی ضرورتوں کا بھی خیال رکھا جاتا تھا۔

جب ریاست اپنی اہمیت کھو بیٹھی

ریاست کی حیثیت ختم ہوتے ہی گویا خیرپور کو تنزلی کی شاہراہ پر دھکیل دیا گیا۔ نئی صنعتوں کے منصوبے ختم اور پرانی صنعتیں ایک ایک کر کے اللہ کو پیاری ہونا شروع ہو گئیں۔ معاشی اور اقتصادی حالت دن بدن بگڑتی گئی اور پھر نام نہاد عوامی دورِ حکومت بھی آیا۔ بڑے بڑے دعوے کئے گئے۔ سنہرے خواب دکھائے گئے، لیکن خیرپور ۱۵ سال میں اس قدر تباہ و برباد نہ ہوا، جس قدر ۵½ سالہ "عوامی دور" میں ہوا۔ بھٹو نے اقتدار میں آتے ہی جہاں اور کئی غلط فیصلے کئے، وہیں ۱۹۷۲ء میں کمشنریاں ختم کر دیں، لیکن جب ان کا "تجربہ" بری طرح ناکام ہو گیا، تو ۱۹۷۵ء کو دوبارہ کمشنریاں بحال کر دی گئیں۔ کراچی اور حیدرآباد کو تو ڈویژنل ہیڈ کوارٹر واپس کیا گیا، لیکن خیرپور کا ڈویژنل ہیڈ کوارٹر سیاسی تحفے کی نذر ہو کر سکھر پہنچ گیا اور خیرپور کے باشندوں پر گویا بجلی گر پڑی اور وہ چلا اٹھے، لیکن خیرپور کے منتخب عوامی نمائندے سید قائم علی شاہ مرکزی وزیر ہونے کے باوجود اس سراسر ناانصافی پر خاموش رہے اور ایک لفظ بھی نہ کہا اور دوسری سمت خیرپور کے باشندوں نے احتجاجاً عام ہڑتال کر دی۔ تحفظ حقوق خیرپور کمیٹی بنائی گئی۔ تین روز تک کاروباری زندگی معطل رہا۔ زبردست مظاہرے کیے گئے، گرفتاریاں ہوئیں، لیکن خیرپور کے عوامی نمائندے کو اپنے شہر کا خیال تک نہ آیا۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ ایک موقع پر غلام مصطفےٰ جتوئی نے کہا کہ ڈویژنل ہیڈ کوارٹر خود قائم علی شاہ نے سکھر بھیجا ہے۔ اس طرح عوامی دورِ حکومت نے عوام کی مرضی اور رائے کو کچلتے ہوئے تمام قانونی اور اخلاقی پہلوؤں کی دھجیاں بکھیر کر خیرپور سے ڈویژنل ہیڈ کوارٹر سکھر منتقل کر دیا۔ خیرپور جو کہ پہلے ہی بحرانی کیفیت میں تھا اس فیصلے سے لبِ گور پہنچ گیا اور پھر ضلع خیرپور کے باشندوں نے یہ بھی دیکھا کہ خیرپور ٹیکسٹائل مل اور اسماعیل ٹیکسٹائل مل تباہی کے کنارے پہنچ گئیں اور بھٹو دورہی میں مزدوروں کے بچے ہاتھ میں کاسہ گدائی لینے پر مجبور ہو گئے۔ خیرپور کی صنعتیں ختم ہونے سے ایک محتاط اندازے کے مطابق، ۱ہزار مزدور اور دیگر شعبہ زندگی سے متعلق لوگ مع اپنے خاندانوں کے نقل مکانی کرنے پر مجبور ہو گئے اور انہوں نے

دوسرے شہروں کا رُخ کیا اور آج خیرپور معاشی اور اقتصادی طور پر نیم جان ہے۔

ڈویژنل ہیڈ کوارٹر کی سکھر منتقلی کا فیصلہ کس قدر سود مند اور صحیح تھا۔ اس پر نظر ڈالنے سے قبل سکھر کے بارے میں چند سطریں:

ایک جائزہ

سکھر سندھ کا تیسرا بڑا شہر، پنجاب اور بلوچستان کے سنگم پر دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے اور شروع ہی سے اسے بالائی سندھ کا سب سے بڑا تجارتی مرکز ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ سکھر میں لوگوں کی آبادکاری کسی منصوبہ بندی کے تحت نہ ہوئی۔ اس لیے شہر میں مکانوں، دوکانوں اور آفسوں میں کوئی ترتیب یا خوبصورتی نظر نہیں آتی۔ سٹلائٹ ٹاؤن کا کوئی منصوبہ نہ ہونے یا کوئی باقاعدہ کالونی نہ بننے کی وجہ سے سکھر لوگوں کا جنگل بنتا چلا گیا۔ جس نے جہاں چاہا اور جس طرح چاہا، چہار دیواری کھڑی کر لی۔ جغرافیائی حدود اربعہ سکھر کے سینے کو مزید تنگ اور مختصر کرنے کا باعث ہے۔ دو سمت دریائے سندھ نغمے الاپ رہا ہے۔ تو تیسری سمت کرخت پہاڑیاں ترقیاتی منصوبوں کے سامنے رقیب روسیاہ بنی کھڑی ہیں۔ اس لیے سکھر میں کسی قسم کے تعمیراتی منصوبے کے لیے جگہ کا ڈھونڈ نکالنا گویا پارس ہاتھ لگ جانے کے مترادف ہے۔ چوتھی سمت جہاں سورج اپنے سفر کا اختتام کرتا ہے۔ لے دے کر وہی سمت رہ جاتی ہے جہاں پر تعمیراتی کاموں کے لیے زمین مل سکتی ہے، لیکن سیم و تھور کی زیادتی نظروں کو مایوس لوٹنے پر مجبور کر دیتی ہے اور وہاں ہاؤسنگ سوسائٹیز بنانے کا منصوبہ سالوں سے فائلوں میں پڑا سسک رہا ہے۔ سکھر شہر کو اگر اوور لوڈ سٹی کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

کس کا فائدہ کس کا نقصان

سکھر ڈویژنل ہیڈ کوارٹر کی منتقلی کس کے لیے کس قدر فائدہ مند اور کس کے لیے کس قدر تباہ کن ثابت ہوئی۔ اس کا جائزہ لیتے ہوئے باآسانی محسوس ہوتا ہے کہ ڈویژنل ہیڈ کوارٹر سکھر بنانے سے سکھر کو بظاہر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اگر ہیڈ کوارٹر منتقل نہ کیا

خیرپور کا

رہا سہا حُسن بھی لُٹ گیا

جاتا تو سکھر کی معاشی اقتصادی اور تجارتی اہمیت میں ذرہ بھر بھی کمی نہ آتی، لیکن ڈویژنل ہیڈ کوارٹر خیرپور رہنے سے شاید خیرپور کا بخیہ اس قدر بے دردی سے نہ ادھڑتا۔ خیال اغلب ہے کہ ڈویژنل ہیڈ کوارٹر ہونے کی وجہ سے خیرپور کی ترقی کے لیے کوشش کی جاتی، لیکن کمشنری کی سکھر منتقلی سے خیرپور کا بچا کھچا حسن اور رونق بھی لُٹ گئی۔ صنعتیں دم توڑ گئیں۔ کاروبار زندگی نہ ہونے کے برابر رہ گیا اور ترقی کی معمولی رفتار بھی رُک گئی۔

حکومت، ۲ کروڑ روپے کا بوجھ کیوں برداشت کرے

سکھر میں ضلعی افسران کے لیے ہی رہائشی سہولتیں اور دفاتر کی کمی تھی۔ اس پر ڈویژنل ہیڈ کوارٹر کا بھاری بھرکم بوجھ شہر پر اچانک پڑا تو نہ ہی دفاتر کے لیے جگہ ملتی تھی اور نہ ہی رہائشی بندوبست تھا، جس کی وجہ سے دفاتر تو ہزاروں روپے کے کرائے پر حاصل کیے گئے اور عملے کو ہاؤس رینٹ دیا گیا، جس کی وجہ سے ایک اندازے کے مطابق لاکھوں روپیہ دفاتر کے کرائے اور ہاؤس رینٹ کی مد پر خرچ ہو رہا ہے، جب کہ دوسری سمت خیرپور میں سینکڑوں بنگلوں پر مشتمل رہائشی کالونیاں ممتاز کالونی، واپڈا کالونی اور فیض آباد کالونی موجود ہیں۔ جب کہ کمشنر ہاؤس ریاست کے وزیراعظم کا بنگلہ، ڈپٹی کمشنر کے تصرف میں ہے۔ ان کے علاوہ دفاتر کی بھی کمی نہیں اور اکثر عمارتیں خالی پڑی ہیں۔ اگر سکھر میں کمشنری کے اسٹاف کے لیے رہائشی کالونیاں اور دفاتر بنائے گئے، تو ایک محتاط اندازے کے مطابق حکومت کو ۲۰ کروڑ روپے خرچ برداشت کرنا پڑے گا جو کہ قومی خزانے پر ایک اضافی بوجھ کے مترادف ہوگا۔ کمشنری سکھر بننے سے صرف کئی کئی منزلہ ہوٹل ہی بن سکے ہیں۔ سرکاری افسران خیرپور کمشنری ہونے کی اس لیے مخالفت کرتے ہیں کہ خیرپور میں تفریح طبع کے لیے جگہوں کی کمی اور ایئر کنڈیشنڈ ہوٹل نہیں ہیں۔ اس لیے نوکر شاہی کے افسران کو خیرپور روکھا پھیکا لگتا ہے۔ اگر خیرپور کو ڈویژنل ہیڈ کوارٹر واپس کیا جائے، تو رہائشی ہوٹل کی کمی بھی پوری ہو سکتی ہے۔ کیا موجودہ حکومت جو سابقہ حکومت کی غلط پالیسیوں اور فیصلوں کو بدل رہی ہے۔ اس اہم اور نازک مسئلے کے حل کے لیے سنجیدگی سے غور کرے گی؟

●●

پاکستان ریلویز

ٹنڈر نوٹس

چیف انجینئر/سروے اینڈ کنسٹرکشن (ورکس ڈویلپمنٹ سیل) پاکستان ریلویز، ہیڈ کوارٹر آفس لاہور کو مندرجہ ذیل کاموں کے لئے سربمہر ٹنڈر مطلوب ہیں۔ کاموں کے سٹرکچرل پورشن کے لئے نرخ کمپوزٹ شیڈول آف ریٹس ۱۹۷۴ء کی بنیاد پر کام کی ایسی آئیٹموں کے لئے جو تھرو ریٹ آئیٹموں میں نہ آتی ہوں درج کئے جائیں۔ نرخ برائے روڈ میکنگ سینٹری اور واٹر سپلائی آئیٹموں کے لئے جو تھرو ریٹ آئیٹمز میں نہ آتی ہوں، نظرثانی شدہ شیڈول آف ریٹس ۱۹۵۴ء کی بنیاد پر درج کئے جائیں گے۔ تھرو ریٹس بشمول جملہ لیبر اور میٹریل مقداروں کے گوشوارہ میں درج شدہ تھرو ریٹس آئیٹمز کے لئے درج کئے جائیں گے۔

نمبر شمار	تفصیل	زرِ تخمینہ	مدت تکمیل	زرِ بیعانہ
۱	بمقام روہڑی رننگ شیڈ میں لائن نمبر ۴ اور ۵ کے درمیان اونچا پلیٹ فارم فراہم کرنا۔ --	۱۲۵,۰۰۰/- روپے	۳ ماہ	۲۵۰۰/- روپے
۲	سی اینڈ ڈبلیو لائن بمقام روہڑی کے لئے اضافی سہولتوں کی فراہمی۔	۹۵,۰۰۰/-	۳ ماہ	۱۹۰۰/- روپے
۳	لوکو شیڈ بمقام روہڑی میں ایرنائٹ رومز کی تعمیر	۸۵,۰۰۰/-	۳ ماہ	۱۷۰۰/- روپے

ٹنڈر دستاویزات ایگزیکٹو/ڈویلپمنٹ/ بہاولپور اور چیف انجینئر/سروے اینڈ کنسٹرکشن (ورکس ڈویلپمنٹ سیل) پاکستان ریلویز، ہیڈ کوارٹرز آفس لاہور کے دفتر میں دیکھی اور بعوض نقد ادائیگی ۴۰/- روپے فی سیٹ حاصل کی جا سکتی ہیں۔ ٹنڈر ۹-۳-۷ تا ۹-۳-۲۱ فروخت کئے جائیں گے اور ۹-۳-۲۲ کو ۱۱ بجے تک موصول کئے اور اسی وقت کھولے جائیں گے۔ ٹنڈر ایگزیکٹو انجینئر/ڈیزائن (ایس اینڈ سی) پاک ریلویز، ہیڈ کوارٹرز آفس لاہور میں موصول کئے جائیں گے۔

R10 (L) 3270

مفاد پرست گروہ ترقیاتی سکیموں کو سبوتاژ کر ڈالتا ہے

یہاں قبائلی سیاست کارفرما ہیں

سبی ڈویژن کے عوام کا سب سے پرانا اور اہم مسئلہ موسم گرما میں کمشنر اور ڈپٹی کمشنر کے دفاتر کی زیارت منتقلی کا ہے۔ موسم گرما کے آغاز ہی میں یہ دفاتر سبی سے زیارت منتقل ہو جاتے ہیں اور سبی میں ایک اسسٹنٹ کمشنر اور تحصیلدار رہ جاتے ہیں اور جن کے پاس اتنے اختیارات نہیں ہوتے کہ وہ کسی مسئلے کو حل کر سکیں، یا کوئی فیصلہ دے سکیں۔ سبی ڈویژن کے دور دراز علاقوں کے وہ لوگ جن کے مقدمات یا معاملات کمشنر یا ڈپٹی کمشنر کے پاس ہوتے ہیں، انہیں اس منتقلی سے بے حد پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ گذشتہ ماہ جنوری میں گورنر بلوچستان لیفٹیننٹ جنرل رحیم الدین کے دورہ سبی کے موقع پر یہاں شہریوں نے انہیں اپنے اس دیرینہ مسئلے سے آگاہ کیا تھا اور درخواست کی تھی کہ زیارت جو ضلع سبی کی سب تحصیل ہے۔ اُسے سبی سے علیحدہ کر کے لورالائی یا پشین کے ساتھ ملا دیا جائے۔ سبی سے زیارت جانے کا چکر انگریز حاکموں نے اس لئے چلایا تھا کہ وہ سبی کی گرمی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے محض اپنے آرام کی خاطر زیارت کو سبی کے ساتھ منسلک کر دیا تھا۔ اور زیارت اس وقت سے سبی کے عوام کے لئے سفید ہاتھی بنا ہوا ہے۔ دوسری جانب زیارت اور سبی کا تعلق بھی عجیب سا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ان دونوں کے درمیان تقریباً دو سو میل کا فاصلہ ہے اور تین دیگر اضلاع بھی درمیان میں آتے ہیں، یعنی ضلع کچھی، ضلع کوئٹہ اور ضلع لورالائی اور سب سے بڑی یہ کہ ہر سال ان دفاتر کی آمد و رفت پر جو کثیر رقم خرچ ہوتی ہے۔ وہ اس غریب اور پسماندہ علاقے پر ایک ظالمانہ بوجھ ہے اور یہ بات کسی طور مناسب نہیں کہ یہاں کے وہ غریب عوام جن کے ٹیکسوں سے ان دفاتر کے اخراجات پورے ہوتے ہیں، وہ موسم گرما سبی ہی میں گزاریں اور یہ دفاتر گرمیاں گزارنے زیارت چلے جائیں۔ وہ رقم جو ان دفتروں کی آمد و رفت پر ہر سال خرچ کی جاتی ہے، اگر اسی رقم سے ان دفتروں کو ایئر کنڈیشنڈ بنا دیا جائے اور ایسی سہولتیں متعلقہ عملے کے لئے بھی فراہم کر دی جائیں، تو اس سے وہ رقم یقینی طور پر یہاں کے ان ترقیاتی کاموں پر بھی خرچ ہو سکے گی جو محض فنڈ نہ ہونے کی وجہ سے تشنۂ تکمیل ہیں اور یہاں کے لوگوں کی اس شکائت کا بھی ازالہ ہو جائے گا کہ ضلع سبی کی ترقیاتی رقوم کا زیادہ حصہ زیارت پر خرچ کیا جاتا ہے۔

ایک معقول مشورہ

یہ شکائت کافی حد تک درست بھی ہے۔ سبی کی ترقیاتی رقوم کافی عرصہ سے زیارت کے علاقے پر خرچ ہو رہی ہیں، جب کہ سبی جو سبی ڈویژن کا صدر مقام ہے۔ اس کی حالت میں کوئی خاص تبدیلی محض اس بنا پر نہ ہو سکی کہ یہاں ترقیاتی کاموں کے لئے جو تھوڑی بہت رقم بچ رہتی تھی۔ اس میں پھر سبی کی سب تحصیل ہرنائی کا بھی حصہ ہوتا تھا۔ اور نتیجتہً ہرنائی ہی نے خاطر خواہ ترقی کی اور نہ سبی نے، لہٰذا اگر زیارت کو سبی سے علیحدہ کر کے لورالائی کے ساتھ ملا دیا جائے، تو یہ پورے سبی ڈویژن کے عوام کے لئے مفید ہو گا۔

اس علاقے کی ایک بڑی بدقسمتی یہ بھی ہے کہ اسے آج تک کوئی مخلص، ہمدرد اور بے لوث لیڈر نصیب نہ ہو سکا۔ اس علاقے کے موجودہ لیڈروں نے کبھی اپنے علاقے کے مسائل حل کرانے یا ان میں کمی کرانے کی کوشش نہیں کی اور سب سے المناک بات یہ بھی کہ یہاں کے مفاد پرستوں کا ایک گروہ ہمیشہ اُن ترقیاتی اسکیموں کو سبوتاژ کرتا رہا جو اس علاقے کے مفاد میں روبہ عمل لائی گئیں اور یہ اسکیمیں اسی مفاد پرست طبقے کی بے جا مخالفت کی نذر ہوتی رہیں۔ گذشتہ حکومت نے اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے یہاں کچھ کارخانے قائم کرنے کا پروگرام بنایا تھا، لیکن وہ بھی انہی لیڈروں کی بھینٹ چڑھ گیا۔ یہ اس علاقے کی بدقسمتی کی انتہا ہے۔ یہاں کے لوگوں کی نمائندگی کا دعویٰ کرنے والے صرف اپنا امیج بنانے کے جنون میں ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتے رہے۔ انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ یہاں کا غریب طبقہ جو انہیں اپنا لیڈر اور رہنما سمجھتا ہے اور جن کے مسائل کے حل کے ذمہ دار بھی یہی لیڈر صاحبان ہیں۔ اس طبقے کو اپنے ان لیڈران کرام سے کوئی سکھ حاصل نہ ہو سکا، بلکہ یہ جغادری لیڈر صاحبان اپنی معتبری کا بھرم قائم رکھنے کے لئے آج بھی باہم دست و گریباں ہیں۔

ضلع سبی جس میں بلوچستان کے دو اہم اور طاقت ور قبائل یعنی مری اور بگٹی کے علاقے شامل ہیں۔ یہاں پر نیپ کی لابی سے تعلق رکھنے والا ایک اہم گروہ بھی موجود ہے جو ذہنی طور پر نواب خیر بخش مری کو اپنا لیڈر تصور کرتا ہے اور اس گروہ کے افراد خیر بخش مری کے نظریات سے بے حد متاثر ہیں یہ اصولی سیاست کے قائل ہیں۔ ان میں ایک ڈاکٹر بشیر عظیم بھی ہیں۔ بھٹو کے دور میں سبی میں جس شخص کو سب سے زیادہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں، وہ ڈاکٹر بشیر عظیم ہی تھے جو نواب خیر بخش مری کی اصولی سیاست سے بے حد متاثر ہیں۔

یوں تو قریب، قریب پورے بلوچستان کی سیاست قبائلی اثر و رسوخ کے گرد گھومتی ہے، لیکن کچھ شہری علاقے ایسے بھی ہیں جہاں پر یہ قبائلی اثر اتنا گہرا نہیں۔ ان علاقوں میں سبی کا شہری علاقہ بھی شامل ہے۔ جہاں اُردو بولنے والوں کی ایک بڑی تعداد آباد ہے سنہ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں نواب خیر بخش مری کی وجہ سے یہاں ووٹوں کی زیادہ تعداد نیپ کے امیدوار کو ملی تھی، لیکن موجودہ وقت میں جب کہ قومی اتحاد اپنی حیثیت منوانے کی تگ و دو میں لگا ہوا ہے۔ دوسری جانب تحریک استقلال جمعیت علمائے پاکستان اور پیپلز پارٹی بھی، اپنا اپنا امیج بنانے میں مصروف ہیں۔ یہ بات بڑی آسانی سے کہی جا سکتی ہے کہ اس علاقے کی سیٹ پر آئندہ انتخابات میں بڑا سخت مقابلہ ہو گا۔

ضلع کچھی

ضلع سبی کے بعد سبی ڈویژن کا دوسرا بڑا ضلع کچھی ہے، لیکن یہاں کے رہنے والے بھی اپنے سرداروں اور معتبروں کے ہاتھوں ظلم و ستم کا نشانہ بنتے رہے ہیں۔ اس علاقے کے لوگوں کو کبھی اپنے لیڈران کرام سے کوئی سکھ حاصل نہ ہو سکا۔ غالباً سنہ ۱۹۷۵ء میں ضلع کچھی کا سب سے بڑا بولان ڈیم طوفانی بارشوں کے سیلابی پانی کی نذر ہو گیا۔ اس بند کا پانی ضلع کچھی کے علاقوں ڈھاڈر، سنی، سوران وغیرہ کی زرعی اراضی کے علاوہ لوگوں کے پینے کے کام آتا تھا، لیکن جب سے یہ بند ٹوٹا ہے۔ اُس وقت سے دریائے بولان کا پانی یونہی ضائع ہو رہا ہے۔ نہ زرعی اراضیات ہی کے کام آ سکتا ہے اور نہ لوگوں کے پینے کے۔ دوسری جانب یہاں کے لوگوں کی نمائندگی کرنے والے صرف سیاست ہی میں اُلجھے رہ گئے۔ ان سے یہ تک نہ ہو سکا کہ وہ اس بند کی تعمیر کے سلسلے میں کوئی مثبت قدم اٹھاتے۔ اس ضلع میں ان لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد رہتی ہے۔ جس نے سابقہ حکومت کے دور میں ہر طرح کے فائدے اٹھائے ہیں۔ وہ اگر اپنے اس علاقے کی بھلائی کے لئے کچھ پیش رفت کریں، تو اس علاقے کی تقدیر بدل سکتی ہے، لیکن بات وہیں پر آ جاتی ہے کہ بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے۔

پانی کے سلسلے میں کچھ یہی کیفیت ضلع سبی کی بھی ہے۔ زیارت کے پہاڑی چشموں اور نالوں سے آنے والا پانی، بند نہ ہونے کی وجہ سے ضائع ہو جاتا ہے۔ کچھ عرصہ قبل مٹھڑی نامی گاؤں کے قریب جو سبی سے سولہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ غازی کے مقام پر ایک بند باندھنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا اور جو محکمہ ایری گیشن کی زیر نگرانی تعمیراتی مراحل طے کر رہا ہے۔ کوشش کے باوجود یہ منصوبہ ہنوز تشنۂ تکمیل ہے، اگر بند مکمل ہو گیا، تو پھر یہ بات یقینی ہے کہ دریائے ناڑی کا پانی ضائع ہونے سے بچ رہے گا اور سبی ڈویژن کا ایک بہت بڑا علاقہ جو پانی نہ ہونے کی وجہ سے غیر آباد ہے، زیر کاشت لایا جا سکے گا۔ اس وقت سبی اور بیل پٹ کے چالیس میل کے ٹکڑے میں جس طرف بھی نظر اٹھایئے لق و دق صحرا کے علاوہ کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ ریگستان عرب کی طرح یہاں پر لوگ پانی کی تلاش فریب نظر کا شکار بن کر میلوں پیاسے پھرتے رہتے ہیں اور اکثر پانی کی آرزو میں اسی بے رحم صحرا کا نشانہ بن گئے۔ یہ بے آب و گیاہ زمین غازی ڈیم مکمل ہونے کے بعد ایک سرسبز خطے میں تبدیل ہو جائے گی اور جس سے سبی ڈویژن کے وہ پسماندہ علاقے جو پانی نہ ہونے کی بنا پر ایک عذاب مسلسل کا شکار ہیں۔ ایک بہتر زندگی کا آغاز کر سکیں گے۔

پاکستان ریلوے ٹنڈر نوٹس

ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ پاکستان ریلوے ملتان کو ڈویژن ہٰذا کے ایسے منظور شدہ ٹھیکیداران جنہوں نے انلسٹمنٹ کیلئے پہلے سے درخواست دے رکھی ہے، سے حسبِ ذیل امور کی آئیٹم نمبر ۱ تا ۴ اور ۸ کیلئے تھرو ریٹس نیز کمپوزٹ شیڈول آف ریٹس ۱۹۷۴ء کی اساس پر صرف آئیٹم نمبر ۴ کیلئے نظرثانی شیڈول آف ریٹس ۱۹۵۴ء کی اساس پر اور آئیٹم نمبر ۵ اور ۶، ۷، اور ۹ کے لئے کمپوزٹ شیڈول آف ریٹس ۱۹۷۴ء کی اساس پر مجوزہ فارموں پر سربمہر ٹنڈر مطلوب ہیں۔

مد نمبر ۱ اور ۲ کے لئے ٹنڈر دستاویزات بادائیگی -/۵۰ روپے (ناقابلِ واپسی) اور آئیٹم نمبر ۳ تا ۹ کے لئے بادائیگی -/۳۰ روپے (ناقابلِ واپسی) زرِ امانت کے لئے کیش ڈیپازٹ رسید یا اس کے بدلے بینکرز گارنٹی بانڈ پیش کر کے ۴ اپریل ۱۹۷۹ء کے ۱۲ بجے دن تک حاصل کی جاسکتی ہیں۔ یہ ٹنڈر ۵ اپریل ۱۹۷۹ء کے ۱۲ بجے دن تک وصول کئے جائیں گے اور اسی وقت حاضر ہونے کے خواہش مند ٹنڈر دہندگان کی موجودگی میں کھولے جائیں گے۔

نمبر شمار	کام کی نوعیت	تخمینہ لاگت	زرِ ضمانت	عرصہ تکمیل
۱	ملتان کینٹ سے شیر شاہ تک ٹریک کی ڈبلنگ کے ضمن میں ملتان کینٹ سے مظفر آباد تک ٹریک کے ساتھ ساتھ، سٹون بلاسٹ ۲" سائز...... ۵ مکعب فٹ اور ۱/۲ ۱" سائز...... ۲۵ مکعب فٹ فراہم کرنے کا کام۔	-/۸۵۰۰۰ روپے	-/۱۷۰۰۰ روپے	۲ ماہ
۲	ملتان کینٹ سے شیر شاہ تک ٹریک کی ڈبلنگ کے ضمن میں مظفر آباد سے شیر شاہ تک ٹریک کے ساتھ ساتھ سٹون بلاسٹ ۲" سائز...... ۵ مکعب فٹ فراہم کرنے کا کام۔	-/۸۵۰۰۰ روپے	-/۱۷۰۰۰ روپے	۲ ماہ
۳	i. ملتان میں ریلوے کالونی میں جنوب کی طرف کے ریلوے سٹاف کوارٹرز میں سوئی گیس فراہم کرنا۔ تخمینہ لاگت -/۲۵۰۰۰ روپے ii. ملتان میں ڈی ایس آفس روڈ پر اور حرم گیٹ روڈ سائیڈ پر سٹاف کوارٹرز میں سوئی گیس کے کنکشن دینا اور سوئی گیس پائپ لائن کی مرمت کا کام۔ لاگت -/۱۰۰۰۰ روپے iii. ملتان میں وائرلیس کالونی میں سوئی گیس کے کنکشن دینا اور سوئی گیس پائپ لائن کی مرمت کا کام۔ لاگت -/۱۰۰۰۰ روپے iv. ملتان کینٹ سٹیشن پر افسران کے بنگلہ جات میں اور ملتان میں سول لائن کالونی میں سوئی گیس کنکشن دینا اور سوئی گیس پائپ لائن کی مرمت کا کام۔ لاگت -/۱۰۰۰۰ روپے۔	-/۵۵۰۰۰ روپے	-/۱۱۰۰ روپے	۳ ماہ
۴	ملتان کے مقام پر سٹیشن کی عمارت کے سامنے کی سڑک کی مرمت۔	-/۵۵۰۰۰ روپے	-/۱۱۰۰ روپے	۲ ماہ
۵	خانیوال کے مقام پر ٹریک سرکٹیڈ پلیٹ فارم پر پکا ایپرن مہیا کرنے کا کام۔	-/۲۳۰۰۰ روپے	-/۴۶۰۰	۴ ماہ
۶	شورکوٹ کینٹ کے مقام پر ۲۰ یونٹس کلاس IV سٹاف کوارٹرز مہیا کرنا۔	-/۴۰۰۰۰ روپے	-/۸۰۰۰ روپے	۴ ماہ
۷	شاہین آباد کے مقام پر ڈپو سائیڈنگ کی جانب گڈز پلیٹ فارم کی خصوصی مرمت۔	-/۱۱۰۰۰ روپے	-/۲۲۰۰ روپے	۲ ماہ
۸	اے ای این / بھکر کے سیکشن میں ہینڈ پمپ مہیا کرنا۔	-/۱۰۰۰۰ روپے	-/۲۰۰ روپے	۲ ماہ
۹	ہارون آباد کے مقام پر واٹر سپلائی کی سہولتوں کی امپرومنٹ۔	-/۱۵۵۰۰۰ روپے	-/۳۱۰۰ روپے	۴ ماہ

R10(L) 3264

ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ

پاکستان ریلوے ملتان

مقبوضہ کشمیر لوکل باڈیز الیکشن میں

جماعتِ اسلامی نے سوپور سے پانچ اور بارہ مولا سے چار سیٹیں جیت لیں

مولانا سعید الدین، امیر جماعتِ اسلامی (مقبوضہ جموں وکشمیر)

مقبوضہ کشمیر کے مشہور شہر سری نگر میں جماعتِ اسلامی کے ایک عظیم الشان اجتماع سے تحریک کی کارکردگی کے موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے جماعتِ اسلامی کے محمد عبداللہ احمد نے کہا کہ ریاست جموں وکشمیر کی حدود میں تحریکِ اسلامی گذشتہ تیس سال سے مسلسل اور انتھک جدوجہد کر رہی ہے اور ہمیشہ سے صحرا میں اذان دینے کے فریضہ سے عہدہ برآ ہونے کی ضرورت کے پیشِ نظر مسلمانوں کو اپنے ماضی کی شاندار روایات سے باخبر کرتے ہوئے، حال سے پُرامید اور مستقبل کے لئے متحرک ہو کر انسانِ کامل کی رہنمائی کی طرف دیکھنے کی دعوت دیتی ہے۔

ہماری اس ریاست میں چند مسائل بھی ہیں۔ جن میں شخصیت پرستی، قوم بنی اسرائیل کے گاؤ سالہ پرستی کے مزاج سے ملتی جلتی نظر آتی ہے۔ یہاں تبدیلیٔ قیادت کے باوجود مسئلہ کشمیر ابھی تک حل طلب ہے۔ ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت مرکزی اور ریاستی سرکار معصوم کشمیری نوجوانوں کے مزاج کو غیر محسوس انداز میں ایسی تہذیب وثقافت سے پروان چڑھانا چاہتی ہے جس سے انسان کے اخلاقی اور روحانی اقدار کو یکسر طور پر نظرانداز کرتے ہوئے صرف مادی طرزِ فکر کے تحت ہی سوچنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ تعلیم گاہیں ہماری تعمیر کے بجائے تخریب کا موجب بنتی جاتی ہیں اور ہماری تربیت گاہیں قتل گاہیں بنی ہوئی ہیں۔ ان حالات میں تحریکِ اسلامی سے وابستہ افراد نے خیرِ امت ہونے کے ناطے سے کفر والحاد کی چلنے والی ہوا دان کا رُخ موڑ دینے کا مصمم ارادہ کیا ہوا ہے۔ مفاد پرستی اور قوم پرستی، خدا بیزاری اور اخوت فراموشی کے مقابلے میں وحدتِ آدم اور اخوت پسندی کے اصول واقدار کو عام کرنے کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے میدانِ عمل میں پہنچے

بھیانک دور

شیخ عبداللہ کے دور میں ریاست میں آرٹ کے نام پر فحاشی اور کلچر کے نام پر اختلاطِ مرد و زن کا بدترین مظاہرہ ہوتا ہے۔ یہاں شیخ سرکار نوجوانوں اور طلبار کی امنگوں اور آرزؤں کو پورا کرنے کے نام پر رقص و سرود اور عیش ونشاط کی محفلوں کو عام کرتی ہے۔ ریاست کشمیر کی طرف سے انہی طالبات کا ایک گروپ ہندوستان کی دس ریاستوں کے کلچر ٹور پر گیا تھا ——— جو بداخلاقی اور اختلاطِ مرد وزن کا بدترین مظاہرہ تھا۔ بابائے قوم محترم شیخ عبداللہ ان کے ہمراہ تھے۔

ان حالات کے ہوتے ہوئے جماعتِ اسلامی مقبوضہ جموں وکشمیر اپنے سرمایہ ایمان اور اخلاق کی بنیاد پر ایسے افراد تیار کرنے میں مصروفِ عمل ہے جو موجودہ مادہ پرستانہ اور ملحدانہ نظام کے مضر اثرات سے بچ کر بے دینی، الحاد اور بددیانتی کی راہوں کو خیرباد کہے اور خدا پرستی، راست بازی اور تقویٰ کی شاہراہ پر چلے۔

جماعتِ اسلامی کی مقبولیت

اس وقت جماعت کے ارکان کی تعداد تقریباً ساڑھے پانچ سو ہے اور ایک سو حلقہ ہائے جماعت پوری وادی میں جماعت کے کام کو وسعت دینے کے لئے تشکیل دیئے گئے ہیں۔ شعبہ تعلیم کا دائرہ کافی وسیع ہے، کیونکہ علم کے ذریعے ہی اخلاقی بلندی کا دروازہ کھولا جاتا ہے۔ موجودہ بدلتی ہوئی صورت کو بلندی عطا کرنے اور اس کو پستی کی طرف لڑھک جانے پر روک لگانے کا بھی علم ہی واحد ذریعہ ہے۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر جماعت نے شعبۂ تعلیم کے قیام کی ضرورت کو محسوس کیا، تاکہ انسان دوستی، بلند اخلاق اور بہتر سیرت کی کوششوں کو منظم کر کے، نوجوانوں کے لئے صحیح سمت اختیار کی جائے۔ جولائی ۱۹۷۵ء تک جماعتِ اسلامی کے پاس ۱۲۵ درس گاہیں ثانوی درجے تک تھیں، جن میں ۱۷،۰۰۰ کے قریب طالب العلم مروّجہ تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ سالانہ بجٹ کئی لاکھ روپے تھا۔

شیخ عبداللہ کی حکومت جماعت کی بے پناہ مقبولیت کو دیکھ کر نہ صرف جماعت کو ہی بین کیا، بلکہ ان قرآنی درسگاہوں کو بھی مقفل کیا، تاکہ کہیں سے اذانِ بلال کی گونج نہ اُٹھے۔ اٹھارہ مہینے کی پابندی کے بعد جماعت نے ۱۹۷۷ء سے نئے سرے سے درسگاہوں کو کھولنے کی منظم کوششیں جاری رکھیں۔ اس طرح سے اب تک پھر ۶۰ درسگاہیں جماعت کی تحویل میں آگئی ہیں۔

جماعت کا باقاعدہ ایک شعبۂ اوقاف ہے۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس طرح سے لگایا جا سکتا ہے جبکہ ایک شخص نے (جو جماعت کا رکن تھا) جماعت کے لئے ۶۰ کنال زمین اور دوسرے نے پانچ لاکھ روپے کی جائداد وقف کی۔ اس طرح سے پانچ سو کنال سے زائد زمین جماعت کے شعبہ اوقاف کے تحت آئی ہے۔ جماعت کا ایک آفیشل آرگن "اذان" ہے۔ اس کا بنیادی مقصد صحافت کے معیار کو بڑھانا اور غلیظ، بے مقصد اور انسان دشمن صحافت کی جگہ بامقصد، بااصول اور انسان دوست صحافت کا قیام عمل میں لاتا ہے۔ پابندی سے پہلے "اذان" یومیہ تھا۔ پابندی اٹھنے کے بعد سے فی الوقت ہفتہ وار شائع ہو رہا ہے اور انشاء اللہ عنقریب پھر سے یومیہ بن رہا ہے۔ اس آئیڈیل پبلشنگ کے ذمہ تحریکی لٹریچر کو چھاپ کر ریاست کے طول وارض میں تقسیم کرنا ہے۔ اب تک اس کی طرف سے آٹھ ضخیم کتب چھپ چکی ہیں۔ ریاستی ادبا اور شعرا کو حقیقی نظامِ زندگی کی اسپرٹ کے لئے منظم کرنے کے لئے جماعت کے پاس ایک ادارہ فکروادب ہے۔ اس کے تحت سمپوزیم اور سیمینار ہوئے ہیں۔ خدمتِ خلق کا شعبہ خاصہ مؤثر کام کر رہا ہے۔ یہ شعبہ غریبوں، بے کسوں، یتیموں اور بیواؤں کی مدد کرتا ہے۔ محتاج طالب علموں کے لئے وظائف مقرر کرنا، ناگہانی مصیبت سے متاثرہ افراد اور مصیبت زدہ لوگوں کی امداد کرنا اور ان کو نئے سرے سے بسانے کے لئے ان کی بھرپور امداد کرنا جماعت کے اغراض ومقاصد ہیں۔ اس کے باقاعدہ اجتماعات ہوا کرتے ہیں۔ ابھی ضلعی سطح پر جو اجتماعات ہوئے ہیں اس میں ضلع سرینگر، ضلع بارہ مولہ اور ضلع اسلام آباد میں شرکاء کی تعداد ۲۸۰۰، ۲،۵۰۰ اور ۳،۰۰۰ بالترتیب تھیں۔ علاوہ ازیں تحریکِ اسلامی کی تیس سالہ کارکردگی کو مرتب کرنے کے سلسلے میں جماعت نے ایک الگ شعبہ تاریخ تحریکِ اسلامی تشکیل دیا ہے۔ سیاسی صورت حال کا جائزہ لے کر اس کے لئے مؤثر کارروائی کرنے کی خاطر جماعت کے پاس ایک شعبہ پارلیمانی ہے۔ اس کے سربراہ جناب سید علی شاہ گیلانی ہیں۔ ابھی حال ہی میں لوکل باڈیز الیکشن میں جماعتِ اسلامی نے سوپور سے پانچ اور بارہ مولہ سے چار سیٹیں جیت لیں۔

جموں کو مقبوضہ کشمیر سے کاٹنے کی سازش

(مقبوضہ کشمیر) حالیہ پونچھ کے فسادات میں مرنے والوں کی تعداد پندرہ سے تجاوز کر گئی ہے اور حالات انتہائی ابتر ہو رہے ہیں۔ ۱۰ فروری کو ایک زبردست مظاہرے میں شیخ عبداللہ سرکار کی تاناشاہی اور کنبہ پروری کی زبردست مخالفت کی گئی۔ مظاہرین نے باقاعدہ پاکستان زندہ باد کے نعرے لگا کر پھر سے اپنے اصل مقصد کے حصول کے لیے جدوجہد کو واضح کیا۔ یہاں شیخ سرکار مکمل طور پر ناکام ہو چکی ہے۔ عین ممکن ہے کہ ریاست میں صدر راج نافذ کیا جائے گا۔

اس عبوری دور پر قابو پانے کے سلسلے میں ایک آل باڈیز میٹنگ بلائی گئی ہے۔ میٹنگ میں جن سنگھ کے ایک گمراہ کن لیڈر بلراج مدھوک اپنی روایتی شان سے مسلمانوں پر طرح طرح کی تہمتیں باندھیں۔ مدھوک نے میٹنگ کے ارکان کو بتایا کہ چونکہ تہذیب وتمدن اور وادی کے لحاظ سے وادیٔ کشمیر سے جموں بالکل الگ تھلگ ہے۔ اس اعتبار سے جموں کی علیحدگی کے لیے ہمارے پاس منطقی جواز موجود ہے۔ اس میٹنگ میں موجود جماعت اسلامی مقبوضہ کشمیر کے لیڈر سید علی شاہ گیلانی (ممبر قانون ساز اسمبلی) نے معزز ممبران کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کی کوشش کی کہ مجھے

مسٹر بلراج مدہوک کے خیالات سے پورا پورا اتفاق ہے بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ وادیٔ کشمیر کی جغرافیائی اعتبار کے ساتھ ساتھ ثقافت، زبان، نسل اور سرحدوں کے اشتراک کی بنیاد پر نہ صرف جموں بلکہ پورے ہندوستان سے کوئی مطابقت نہیں اور اس طرح سے کشمیریوں کی بنیادی خواہش کے مطابق ان کو حقِ خود ارادیت کے ذریعے اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کا حق ملنا چاہیے۔ اس پر میٹنگ میں موجود سرکار کے آلہ کار آگ بگولہ ہو گئے اور میٹنگ میں افرا تفری پھیل گئی۔

اسلامی جمعیت طلبہ مقبوضہ کشمیر

سرینگر (مقبوضہ کشمیر) میں نام نہاد وزیرِ اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ، لادینی نظریات کے ذریعہ ریاست کو ایسے مقام پر لانے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ یہاں لا الہ الا اللہ کی صدائیں اپنوں کے اندر اجنبی اور دوسروں کے اندر قہقہوں کا سامان بن جائے۔ یہ اور اس طرح کی دوسری وجوہات کی بنا پر ایک عرصہ سے تحریکِ اسلامی کے حلقوں میں اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ ریاست جموں و کشمیر کی حدود میں نوجوان طلباء کی اس سرگرم اور فعال تنظیم وجود میں آنی چاہیے جو انقلاب کا ہمہ گیر تصور رکھے کر تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ خصوصاً طلبا میں کام کرے اور اس کار آمد مفید طبقے کو دین و ملت کے احیائے نو کے لیے استعمال میں لا سکے۔ نیز موجودہ نظامِ تعلیم کے مضر اثرات اور نظریاتی جنگ کے اس نازک دور میں کفر و الحاد کی اس جارحانہ یورش سے ملک کے جوہرِ قابل کو بچا سکے۔

چنانچہ اس ضرورت اور اہمیت کے پیشِ نظر ریاست جموں و کشمیر کی حدود میں اسلام پسند طلبا کی کوششوں اور قائدینِ تحریک کے مشوروں سے طلبا کے اندر مطلوبہ کام سرانجام دینے کی غرض سے فروری ۱۹۷۷ء میں ایک تنظیم اسلامی جمعیتِ طلبا مقبوضہ کشمیر کے نام سے تشکیل دی گئی۔ یہ تنظیم ایک تنظیم ہی نہیں بلکہ ایک تحریک اور انقلاب ہے۔ اس کا ایک الگ دستور ہے۔ یہ تنظیم نظریات کی موجودہ جنگاہ میں اسلام کے نظریۂ حیات کے مطابق تحقیق و تدقیق اور تقابلی کے مقابلہ کے بعد ایسے جوہرِ قابل اور مردانِ کار کی تیاری کا کام انجام دے گی جو تحریکِ اسلامی میں اپنا فرضِ منصبی پورا کرنے کا اہل ثابت ہو۔ جمعیتِ طلبا کو طالب علمانہ زندگی میں اسلام کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق تیار کرے گی اور اس طرح عملی زندگی میں قدم رکھنے پر تحریک اسلامی کے لیے مستعد اور فعال کارکنوں کی فراہمی کو یقینی بنائے گی اس دو سال کی مدت میں جمعیت ریاست میں ۷۰ یونٹ بنانے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ ہر کالج میں باقاعدہ یونٹ کام کر رہا ہے اور اسکولوں میں بھی اکثر جگہوں پر یونٹ کا قیام عمل میں لایا جا رہا ہے۔ جمعیت کے اس وقت ۱۰۰ کے قریب رکن ہیں۔ ان کے باقاعدہ ہفتہ وار اجتماعات ہوتے ہیں۔ "اقبال کا پیغام نوجوانوں کے نام" کے موضوع پر جمعیت نے سرینگر شہر کی مرکزی جگہ پر ایک پروگرام رکھا تھا جس میں ہزاروں نوجوانوں نے شرکت کی۔ یومِ سید قطب شہید کے موضوع پر سرینگر شہر میں جمعیت کے منعقدہ اجتماع میں ایک ہزار کے قریب نوجوانوں نے شرکت کی۔ جولائی ۷۸ء میں جمعیت کے سالانہ اجتماع میں صرف مندوبین کی تعداد پانچ ہزار تھی۔

اس کے علاوہ جمعیت باقاعدہ سیمنار وغیرہ کا اہتمام بھی کرتی ہے۔ جمعیت کا باقاعدہ ایک خبر نامہ ہے۔ اس کے ناظمِ اعلیٰ اشرف صحرائی ہیں اور سیکرٹری جنرل شیخ تجمل الاسلام ہیں۔

●●

کراچی

نمائندہ خصوصی

اسلامی نظام میں اشتہار سازی

جناب ایس ایچ ہاشمی پاکستان ایڈورٹائزنگ ایسوسی ایشن کے صدر ہیں۔ گذشتہ روز ایک ملاقات میں ان سے اسلامی نظام میں اشتہار سازی کے مستقبل کے متعلق مفصل گفتگو ہوئی، جناب ایس ایچ ہاشمی نے ہمارے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ ماضی میں ہمارے ہاں اشتہارات میں جنس اور عریانیت کا بے تحاشا استعمال کیا گیا۔ جس کا نوجوان نسل پر بہت برا اثر پڑا۔ ہاشمی صاحب جنہیں اشتہار سازی کا ربع صدی کا تجربہ ہے کہا کہ اشتہارات ایک ایسا ذریعۂ ابلاغ ہے۔ جس کے ذریعے ہم اسلامی معاشرہ کے قیام میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں اور اشتہاری ادارے عورت، جنس اور عریانیت کے بغیر بہت کامیاب اور صاف ستھرے اشتہار تیار کر سکتے ہیں، لیکن اس سلسلے میں اشتہاری اداروں کے علاوہ حکومت، صنعت کار اور عوام کو بھی بھرپور تعاون کرنا ہوگا۔ بدلتے ہوئے حالات کے پیشِ نظر ہمارے اشتہاری اداروں نے اپنی سابقہ روش پر نظر ثانی کی ہے۔

گذشتہ دنوں مرکزی وزیرِ اطلاعات جناب محمود اعظم فاروقی سے اس سلسلے میں طویل مذاکرات ہوئے اور یہ طے کیا گیا کہ اشتہارات تیار کرنے والے تمام ادارے آئندہ اشتہارات میں عورت، جنس اور عریانیت کو کم سے کم استعمال کریں گے۔ چنانچہ مرکزی وزیرِ اطلاعات سے مذاکرات کے بعد عریاں اشتہارات کی نمائش ٹی وی پر بند کر دی گئی حالانکہ اس اقدام سے اشتہاری کمپنیوں کو لاکھوں روپے کا نقصان برداشت کرنا پڑا، لیکن انہوں نے یہ نقصان عظیم قومی مفاد میں خوشی سے برداشت کر لیا۔

ہاشمی صاحب نے کہا۔ یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ اشتہاری اداروں اور اخبارات کے تعاون سے ایک اشتہاری پالیسی مرتب کرے جس کے تحت ہر دو فریق اس بات کے پابند ہوں کہ وہ عریاں اور بے ہودہ اشتہارات نہ تو تیار کریں گے اور نہ ہی شائع کریں گے، انہوں نے کہا کہ اشتہاری پالیسی کے ساتھ ساتھ ہمیں اشتہارات کے لئے ایک ضابطہ اخلاق بھی تیار کرنا ہوگا اور اس بات کو اصولی طور پر تسلیم کرنا ہوگا کہ ملک کی تمام اشتہاری کمپنیاں اپنی روایات اور اسلامی اقدار سے ہٹ کر کوئی اشتہار تیار نہیں کریں گی۔ اشتہاری پالیسی کے نفاذ کے بعد اشتہارات کا کاروبار کرنے والا ہر ادارہ اس کا پابند ہو جائے گا۔

اس وقت ایک خرابی یہ بھی ہے کہ — اشتہارات تیار کرنے والے اداروں کو اپنے اشتہارات ٹی وی اور سینما کے لئے علیحدہ علیحدہ سنسر کرانے پڑتے ہیں۔ اصولی طور پر سینما اور ٹی وی کے لئے ایک ہی سنسر بورڈ ہونا چاہیئے اور اس ضمن میں ہماری یہ تجویز بھی ہے کہ سنسر بورڈ میں اشتہار تیار کرنے والی کمپنیوں کی ایسوسی ایشن کا ایک

ایس ایچ ہاشمی

نمائندہ بھی شامل ہونا چاہیئے

اشتہاری کمپنیوں اور اخبارات کی انجمن کے درمیان پہلے کسی قسم کا کوئی تعاون نہیں ہوتا تھا، لیکن اب صورتِ حال بدل گئی ہے، اخبارات کی سوسائٹی (اے، پی، این، ایس) نے بھی اشتہاری کمپنیوں کو اپنے تعاون کا یقین دلایا ہے۔

ہاشمی صاحب نے مزید کہا کہ "ہمیں اشتہارات میں نوجوان لڑکیوں کے بجائے کم عمر معصوم بھولے بھالے "بچوں" کو لانا چاہیئے۔ عورت اور جنس کو محض مخصوص نوجوان طبقہ ہی پسند کرتا ہے، جبکہ ایسے اشتہارات جس میں بچے ہوں، جوانوں، بوڑھوں، مردوں، عورتوں سب ہی کو متاثر کر سکتے ہیں۔

چند اشیا ایسی ہیں جن میں خواتین کو بطور ماڈل پیش کیا جا سکتا ہے۔ ایک اسلامی معاشرے میں خواتین کے وقار اور ان کی سماجی حیثیت کو بڑا اہم مقام حاصل ہوتا ہے اس لیے اشتہارات کمپنیوں کو بھی اپنے اشتہارات میں خواتین کی اسلامی اور سماجی حیثیت کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔

ہاشمی صاحب نے کہا جنس اور عریانیت کے بغیر بھی بہت عمدہ، کار آمد اور سبق آموز اشتہارات تیار کیے جا سکتے ہیں بس صرف جذبہ، قوم ملک اور اپنے نظریہ سے والہانہ لگاؤ کی ضرورت ہے۔

ہاشمی صاحب نے اس یقین کا اظہار کیا کہ پاکستان میں اشتہار سازی کی صنعت کا مستقبل نہایت روشن ہے۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ گزشتہ تیس سال میں اس صنعت نے بڑی نمایاں ترقی کی ہے اور صرف چند ایک ادارے ایسے ہیں جو بند ہوئے۔

انھوں نے کہا کہ ذرائع ابلاغ، گاہکوں اور اشتہاری ایجنسیوں کے باہمی تعاون کے لیے ایک ایڈورٹائزنگ کونسل کا قیام عمل میں آ چکا ہے۔ یہ تینوں شعبے باہمی روابط کو فروغ دیں گے۔ جس سے اس ملک میں اشتہارات کی صنعت میں انقلابی تبدیلیاں آئیں گی اور ہماری اشتہاری ایجنسیاں آئندہ ایسے اشتہارات تیار کریں گی جو اس ملک کی ثقافت، اسلامی اقدار اور روایات کے آئینہ دار ہوں گے۔

●●

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر

پچھلے دنوں لاہور سے میر محمد اشرف دیگر زائرین کے ساتھ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے عرس کے موقع پر سرہند شریف تشریف لے گئے تھے ان کے سفر کی دلچسپ روداد بہت سے قارئین کے لیے معلومات افزا ثابت ہوگی۔ اسے قارئین کی خدمت میں قسط وار پیش کیا جا رہا ہے۔

وزارتِ اوقاف اور مذہبی امور کی طرف سے اطلاع موصول ہوئی کہ سرہند شریف جانے کے لیے ۲۶ جنوری کو صبح ساڑھے نو بجے داتا دربار حاضر ہو جاؤ۔ اپنی خوش بختی پر جس قدر بھی ناز کروں کم ہے۔ عرصے سے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے روضہ مبارک پر حاضری دینے کی خواہش دل میں انگڑائیاں لے رہی تھی۔ زہے نصیب کہ اب کی مرتبہ قسمت نے یاوری کی اور ایک ہزار کے قریب درخواست گزاروں میں سے ایک سو منتخب ہونے والے خوش نصیب زائرین میں ہمارا نام بھی شامل تھا۔ سردی کا موسم تھا اس لیے بھاری بستر ساتھ لے جانا ضروری تھا۔ ضرورت کی باقی اشیاء چمڑے کے ایک اٹیچی کیس میں ٹھونس کر بند کیں اور اس طرح ایک بستر اور ایک اٹیچی کیس کے ہمراہ صبح نو بجے کے قریب ہی ہم داتا دربار پہنچ گئے۔

داتا دربار میں حسبِ معمول دستار بندی ہوئی۔ تمام زائرین کو دربار شریف پر چڑھائی جانے والی چادریں' ایک چادر فی کس کے حساب سے دستار کے طور پر عطا ہوئیں۔ نعت خوانی کی مجلس منعقد ہوئی، جس میں نعت خوانوں کو دل کھول کر ویلیں دی گئیں۔ بعد میں دعا مانگی گئی، جس کی قیادت ملتان کی مشہور مذہبی شخصیت مولانا حامد علی خاں نے فرمائی۔ پارٹی لیڈر لاہور ہائی کورٹ کے ریٹائرڈ جسٹس چودھری محمد صدیق تھے۔ انہوں نے تمام زائرین کو ہدایت کی کہ دیارِ غیر میں وطن کی آبرو کا خاص طور پر خیال رکھیں اور کسی ایسی بات کے مرتکب نہ ہوں جس سے وطنِ عزیز کی عزت مجروح ہونے کا احتمال ہو۔ انہوں نے ہدایت کی کہ اگر بھارت میں کوئی اخباری نمائندہ یا ریڈیو ٹی وی کا کوئی اہلکار آپ سے کسی قسم کا سوال کرے تو آپ اسے پارٹی لیڈر کی طرف رجوع کرنے کے لئے کہیں اور اپنے طور پر جواب دینے سے اجتناب کریں۔

زائرین کو پاکستانی سرحد تک پہنچانے کے لیے دو بسوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ لیکن بعض زائرین جن کے پاس اپنی گاڑیاں تھیں، بسوں پر سوار ہونے کی بجائے اپنی کاروں پر ہی واہگہ پہنچ گئے۔ باقی لوگ ساڑھے گیارہ بجے نعرۂ تکبیر کی گونج میں داتا دربار سے بسوں پر سوار ہوئے اور واہگہ چیک پوسٹ پہنچ گئے۔ جمعہ کی نماز واہگہ کی خوبصورت مسجد میں ادا ہوئی۔ پاکستانی سٹاف نے پاسپورٹوں پر مہریں لگائیں اور زائرین کو فارغ کرنے میں زیادہ وقت نہ لیا۔ اب بھارتی چیک پوسٹ پر اندراجات ہونے تھے، لیکن بھارتی سٹاف دوپہر کا کھانا کھانے گیا ہوا تھا۔ اس لیے کچھ دیر انتظار کرنا پڑا۔ کھانے سے واپس آکر بھارتیوں نے بھی پانچ دس بستر اور دو چار بکسے کھلوا کر چیک کئے۔ باقی زائرین سے زیادہ تعرض نہ کیا اور یوں ہم نے سہ پہر کو بھارتی سرزمین پر پہلا قدم رکھا۔ بھارتی حکومت نے زائرین کو امرتسر پہنچانے کے لیے دو بسوں کا بندوبست کر رکھا تھا۔

اٹاری میں

اٹاری ہی میں بھارتی بنک سے کرنسی تبدیل کی۔ ہر زائر کیلئے ۷۵ ڈالر کا زرِ مبادلہ منظور ہوا تھا۔ اخراجات کٹ کٹوا کر ہر شخص کو ۵۶۰ بھارتی روپے دیئے گئے۔ وہاں پرائیویٹ طور پر کرنسی کا تبادلہ کرنے والے تاجر بھی موجود تھے جو سو پاکستانی روپوں کے عوض ۸۵ بھارتی روپے دے رہے تھے۔ بھارتی قلیوں نے زائرین کا سامان بسوں پر لادا۔ آٹھ روپے فی پھیرا ریٹ تھا اور قلیوں کے ٹھیکیدار کو اسی حساب سے ادائیگی کرنا تھی، لیکن انہوں نے دس روپے فی پھیرا کا مطالبہ کیا۔ اگرچہ پاکستانی سائڈ پر ہم نے پانچ روپے فی پھیرا کے حساب سے ادائیگی کی تھی اور ٹھیکیدار کی جاری کردہ رسید بھی ہمارے پاس موجود تھی، لیکن بھارتی ٹھیکیدار کو دس روپے پھیرا کے حساب سے ہی ادائیگی کی گئی۔ اس کے باوجود بھارتی قلی زائرین کو بخشیش طلب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ان قلیوں میں ہندو اور سکھ دونوں شامل تھے جو سرحد کے قریب کے دیہات سے تعلق رکھتے تھے۔ زیادہ تعداد سکھوں کی تھی۔ پاکستانی قلیوں کے مقابلے میں بھارتی قلیوں کی حالت خستہ نظر آتی تھی۔ بیشتر کے کپڑے پھٹے پرانے تھے۔ چہروں پر بھی آسودگی کی وہ چمک نظر نہیں آتی تھی جو پاکستانی مزدوروں کے چہروں پر دکھائی دیتی ہے۔ شاید اس کی وجہ رہن سہن کے انداز میں فرق ہو۔ بھارتی مزدوروں نے بتایا کہ اوسطاً ہم پانچ چھ روپے روزانہ کماتے ہیں۔ جنتا حکومت کے آنے سے صرف چینی کی قیمت میں فرق پڑا ہے جو اب ڈھائی روپے کلو کے حساب سے ملتی ہے۔

امرتسر میں

پانچ بجے کے قریب ہماری بسیں امرتسر شہر میں داخل ہوئیں۔ ہمارے قیام کا بندوبست ریلوے ریسٹ ہاؤس میں کیا گیا تھا جو ریلوے سٹیشن کے عین سامنے واقع ہے۔ ہمارے استقبال کے لیے ضلعی اور ڈویژنل افسروں کے علاوہ بھارت کے مسلم اوقاف بورڈ کے ارکان بھی موجود تھے، چنانچہ ریسٹ ہاؤس میں پہنچتے ہی ہمیں استقبالیہ دیا گیا۔ اوقاف بورڈ کے کارکنان میں زیادہ تر کشمیری مسلمان شامل تھے۔ دونوں طرف سے خیرسگالی کے جذبات کا اظہار ہوا۔ مسلم اوقاف بورڈ کی طرف سے خوش آمدید کہنے والوں میں عبدالغنی ڈار بھی شامل تھے جو ایک پرانے کانگرسی ایم۔ایل۔اے ہیں۔ وہ خالص کانگرسی لباس میں ملبوس تھے۔ سر پہ کھادی کی ٹوپی، کھدر کا چست پاجامہ۔ غرضیکہ سرتاپا کانگرسی تھے۔ ایک نوجوان کشمیری ایڈووکیٹ نے بھی تقریر کی۔ زائرین کی طرف سے پارٹی لیڈر چودھری صدیق صاحب نے نہایت بچے تلے الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انہوں نے کرکٹ میچوں کے دوران پاکستان کی طرف سے بھارتیوں کو فراخدلانہ ویزے جاری کرنے کا بھی ذکر کیا اور صدرِ پاکستان جنرل ضیاء الحق کے یہ الفاظ دہرائے کہ اب گیند بھارتی کورٹ میں ہے۔

استقبالیے میں چائے کے علاوہ پھل اور بیکری کی اشیاء بھی دی گئیں۔ پھلوں میں کیلے اور چیکو نمایاں تھے۔ بھارت میں کینو نہیں دیکھا۔ سرہند جا کر ہم نے ناگپوری سنگترے کھائے جو پچاس پیسے سنگترہ کے حساب سے بک رہے تھے، لیکن اُن میں نہ کینو والا مزا تھا نہ رس۔ کینو کے مقابلے میں خاصے پھیکے محسوس ہوتے تھے۔

عصر اور مغرب کی نمازیں ریسٹ ہاؤس کے لان میں باجماعت ادا کی گئیں۔ پہلے باقاعدہ اذان ہوئی پھر ہری ہری گھاس پر چادریں

بچھ گئیں۔ ریسٹ ہاؤس کے باہر لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ پاکستانی زائرین کو دیکھنے کے لیے جمع تھے، جو باجماعت نماز کے نظارے سے خاصے متاثر دکھائی دے رہے تھے۔ بھارت جاکر ہمیں اپنی اہمیت کا احساس ہوا۔ یہاں تو کس نمی پرسد والا حال ہے، لیکن وہاں کے عوام اس طرح ہمارے آگے پیچھے پھرتے رہے اور اتنی نظریں ہمارا طواف کرتی رہیں کہ خواہ مخواہ غلط فہمی میں مبتلا ہونے کو جی چاہتا تھا۔ مغرب کی نماز سے فارغ ہوکر کھانا کھایا۔ کھانے میں تنوری روٹیاں اور آلو گوشت پکا ہوا تھا۔ سالن کے علاوہ دہی بھلے اور پکوڑے بھی تھے۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق ہمیں جنتا ایکسپریس کے ذریعے سفر کرنا تھا، جو عشا کے وقت امرتسر سے روانہ ہوتی ہے، لیکن ہمیں اٹاری ہی میں پتہ چل گیا تھا کہ جنتا ایکسپریس سے ہماری بوگیاں نہیں لگ سکیں گی، کیونکہ کوئلے کی کمیابی کے باعث ریلوں کے نظام میں کچھ گڑبڑ پیدا ہوگئی تھی۔ بے پناہ بارشوں اور سیلابوں کے باعث کوئلے کی کانوں میں پانی بھر جانے سے کوئلے کا حصول مشکل ہوگیا تھا۔ بھارت میں تمام ریل گاڑیاں کوئلے سے چلتی ہیں، جو وافر مقدار میں ملکی کانوں سے نکالا جاتا ہے۔ اس لیے انہیں ڈیزل کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ زائرین کی خواہش تھی کہ ہم کسی طرح "پر لگا کر" سرہند شریف پہنچ جائیں۔ ان پر ایک ایک لمحہ بھاری تھا۔ انہوں نے پیش کش کی کہ ہم بسوں کے ذریعے چلے جاتے ہیں، لیکن بھارتی حکام اس تبدیلی پر راضی نہ ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ آپ لوگ اپنی بوگیوں میں آرام سے سو جائیں۔ رات کو کسی وقت بھی آپ کی بوگیاں کسی گاڑی کے ساتھ روانہ ہوسکتی ہیں۔ لہٰذا ہم لوگ نو بجے کے قریب بوگیوں میں سوار ہوگئے اور اپنی اپنی برتھ پر بستر بچھا کر لیٹ گئے۔ بھارتی ریلوے کے ڈبے بھارت ہی میں بنتے ہیں، کیونکہ طے شدہ پالیسی کے تحت بھارت کم سے کم اشیاء باہر سے درآمد کرتا ہے۔ اس طرح بچت کرکے اس نے زرِ مبادلہ کے بے شمار ذخائر جمع کر لیے ہیں۔ درآمد شدہ ڈبوں کی طرح خوبصورت نہ ہونے کے باوجود بھارتی ڈبے ٹھیک ٹھاک تھے۔ لکڑی کے سیدھے سادھے بنچ بنے ہوتے تھے جن پر بستر بچھا کر ہم لوگ سونے کے لیے لیٹ گئے۔

روضہ مبارک میں

استقبالیے سے فارغ ہوکر ہمیں دو بسوں میں سوار کیا گیا جو پہلے سے ہمارے انتظار میں وہاں کھڑی تھیں۔ بھارتی بسیں تمام کی تمام خودساختہ ہیں۔ ٹاٹا اور لی لینڈ کی بسیں ایک ہی ڈیزائن اور ایک سی باڈی میں سڑکوں پر رواں دواں نظر آتی رہیں۔ ٹرک بھی انہی دو کمپنیوں کے بنے ہوئے نظر رہے۔ بسوں کے اندر ہمارے ہاں تو قرآنی آیات اور اشعار وغیرہ لکھے ہوتے ہیں، لیکن بھارتی بسوں کے اندر گروؤں اور سنتوں وغیرہ کی تصویریں بنی ہوتی ہیں۔ ہندی اور گرمکھی میں کچھ لکھا ہوا بھی ہوتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ وہ ہماری فہم سے بالا تھا۔

روضہ مبارک سٹیشن سے دو اڑھائی میل دُور ہوگا، اس لیے راستے میں بھارتی زندگی کی مختلف جھلکیاں دیکھنے میں آتی رہیں۔ سرہند شریف اچھا خاصا قصباتی شہر ہے۔ کسی زمانے میں یہاں کی زیادہ تر آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ اب درگاہ شریف سے باہر شاید ہی کوئی مسلمان آباد ہو۔ البتہ یہ معلوم ہوا کہ سرہند سے کچھ فاصلے پر ایک اچھا خاصا مسلمان گاؤں اب بھی موجود ہے، وہاں کے ایک مسلمان پروفیسر صاحب سے بھی ملاقات ہوئی جو سرہند کالج میں پڑھاتے ہیں۔

سائیکل سوار لڑکیاں

امرتسر میں بھی دیکھا تھا اور یہاں بھی دیکھا کہ بہت سی لڑکیاں سائیکل کی سواری کر رہی ہیں۔ یہاں سکوٹر اور موٹر سائیکل خال خال ہی نظر آئے۔ عام لوگوں کی سواری سائیکل ہی ہے۔ لڑکوں کی طرح لڑکیاں بھی بے جھجک سائیکل چلاتی نظر آتی ہیں، بلکہ ایک سائیکل پر تو ہم نے تین لڑکیاں سوار دیکھیں۔ ایک کیریئر پر پیچھے بیٹھی ہوئی تھی اور ایک آگے۔ یہ دونوں لڑکیاں نسبتاً چھوٹی تھیں، بڑی لڑکی گدی پر بیٹھی سائیکل چلارہی تھی۔ سب لڑکیوں کے پاس کتابیں تھیں ــــــ وہ شاید سکول جارہی تھیں۔ لڑکیوں کی سائیکلیں بھی مردانہ ہی ہوتی ہیں۔ لیڈی سائیکل کہیں نظر نہیں آئی۔ سائیکل سب سے سستی سواری ہے، اس لیے غریب لوگ جو کسی اور سواری کے متحمل نہیں ہوسکتے، سائیکل ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔ امرتسر میں ہم نے چالیس پینتالیس سال کی ایک ادھیڑ عمر عورت کو بھی سائیکل چلاتے ہوئے دیکھا تھا۔ سائیکل کے علاوہ رکشے جنہیں انسان کھینچتے ہیں، دوسری سستی سواری ہے۔ ٹانگے اور ریڑھے بھی دیکھے جن کے کوچوان بالعموم سکھ تھے۔ رکشہ کھینچنے والے بھی عام طور پر سکھ ہی تھے۔

> **بھارتی مزدوروں کی حالت**
>
> **پاکستانی مزدوروں**
>
> **کے مقابلے میں بہت**
>
> **خستہ نظر آتی ہے۔**

درگاہ شریف میں آمد

جب ہماری بسیں درگاہ شریف پہنچیں تو عرس شروع تھا۔ ہر طرف شور مچ گیا کہ پاکستانی زائرین آگئے ہیں۔ چاروں طرف سے ہم پر محبت اور عقیدت بھری نظریں پڑنے لگیں۔ مرکزِ نگاہ بننے میں کس قدر لذت پوشیدہ ہے، وہیں جاکر محسوس ہوا۔ ہر شخص قریب آنے اور مصافحہ کرنے کا خواہشمند نظر آتا تھا۔ درگاہ شریف کی عمارت بڑی وسیع ہے۔ اندر اور باہر بے شمار چھوٹی چھوٹی دکانیں لگی ہوئی تھیں جن پر زیادہ تر کھانے پینے کی اشیاء فروخت ہورہی تھیں۔ مٹھائیوں میں پھلیاں، مکھانے اور حلوہ پوری کی حکمرانی تھی، باقی مٹھائیاں کم ہی نظر آتی تھیں۔ روٹی گوشت اور چاول بھی وافر مقدار میں دستیاب تھے۔ تقریباً تیس چالیس ہزار کا مجمع ہوگا جس پر زیادہ تر قصباتی رنگ غالب تھا۔

ہمارا قیام

درگاہ شریف کے مین گیٹ کے اوپر تین چار کمرے بنے ہوئے ہیں جو خاصے کشادہ ہیں۔ ان میں سے تین کمروں میں سولہ زائر فی کمرے کے حساب سے ۴۸ زائرین کو ٹھہرایا گیا۔ باقی زائر نیچے درگاہ شریف کے حجروں میں سما گئے۔ کسی میں پانچ کسی میں چھ۔ ہمیں اوپر کی منزل میں جگہ میسر آئی۔ فرش پر بستر بچھایا اور کمر سیدھی کرنے کے لیے کچھ دیر لیٹ گئے۔ ہم لوگ درگاہ شریف میں ۲۷ تاریخ کو پہنچے اور ۳۰ تاریخ تک وہیں مقیم رہے۔ اس دوران میں درگاہ شریف کے لنگر سے پاکستانی زائرین کے لیے کھانا آتا رہا۔ نو بجے کے قریب ناشتہ ملتا تھا جس میں آلو انڈوں یا پیاز انڈوں کے ساتھ ہلکی خمیری روٹیاں اور مٹی کے آبخوروں میں چائے دی جاتی تھی۔ ظہر سے ذرا قبل یا فوراً بعد دوپہر کا کھانا آتا تھا جو سبزی گوشت اور روٹی پر مشتمل ہوتا تھا۔ اسی طرح رات کا کھانا بعد از نماز عشا ملتا تھا۔ کھانا ہمیں کمروں میں پہنچا دیا جاتا تھا۔ مسلم اوقاف بورڈ کے کارکن مٹی کی رکابیوں میں سالن ڈال کر ٹرے میں رکھ کر لاتے تھے، روٹیاں ٹوکریوں میں رکھی ہوتی تھیں۔ تیس تاریخ کو پلاؤ دیا گیا، وہ بھی مٹی کی چپٹی پلیٹوں میں (جنہیں پنجاب کے دیہات میں "ٹاکو" کہا جاتا ہے)۔

اگر کوئی شخص باہر سے کھانا چاہے تو اس کے لیے دکانوں کی کمی نہیں تھی۔ ہم نے ایک روز ایک دوکان سے کھانا کھایا، اچھے خاصے لذیذ بھنے ہوئے گوشت کی پلیٹ جس میں دو درمیانی قسم کی بوٹیاں تھیں، دو روپے میں اور روٹی پچیس پیسے میں ملی۔ مسلمان دکاندار دہلی، رام پور اور دیگر مختلف شہروں سے آئے ہوئے تھے۔ حلوہ پوری چھ روپے فی کلو فروخت ہو رہا تھا۔ حلوے میں چار مغز اور بادام بھی پڑے ہوئے تھے۔ سوہن حلوہ جیسا احمد کراچی والے بناتے ہیں، آٹھ روپے کلو بک رہا تھا۔ کنگ سائز سیخ کباب تیس پیسے میں گرماگرم ملتے تھے۔

امرتسر سے روانگی

ہم لوگ سوئے ہوئے تھے کہ اچانک تین بجے کے قریب جھٹکا لگنے سے آنکھ کھل گئی۔ معلوم ہوا کہ ہمارے ڈبے کسی ٹرین کے ساتھ جوڑے جارہے ہیں۔ چونکہ ابھی تہائی رات باقی تھی، اس لیے گاڑی چلنے سے پھر نیند آگئی۔ اکثر زائرین جو تہجد گزار تھے، نوافل وغیرہ ادا کرنے میں مصروف ہوگئے، لیکن ہم جیسے نیند کے متوالے جو صرف نماز کی ادائیگی کو بھی بہت بڑا کارنامہ سمجھتے ہیں، پو پھٹنے تک سوئے رہے۔ صبح نو بجے کے قریب ہماری گاڑی سرہند ریلوے اسٹیشن پر پہنچی اور ہمارے ڈبوں کو وہیں چھوڑتی ہوئی اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگئی۔ سرہند ریلوے اسٹیشن پر ہماری آؤ بھگت کے لیے شہریوں نے استقبالیے کا بندوبست کر رکھا تھا۔ سٹیشن سے ملحقہ خالی پلاٹ پر شامیانے نصب تھے۔ رنگ برنگی جھنڈیاں اور آرائشی دروازے تمبو قناتوں کے ساتھ مل کر عجیب طربیہ منظر پیش کر رہے تھے۔ پارٹیشن کرکے ایک طرف نشستیں اور دوسری طرف کھانے کی میزیں لگی ہوئی تھیں۔ پہلے استقبالی تقریریں وغیرہ ہوئیں، چائے پیش کی گئی، چائے کے ساتھ گرماگرم پکوڑے اور کیک، پیسٹری وغیرہ بھی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ کہیں قریب ہی پکوڑے تل تل کر لائے جا رہے ہیں۔

یہ سارا انتظام شہریوں کی طرف سے تھا اور اس میں محکمہ اوقاف کا عمل دخل نہیں تھا۔ اگرچہ خیرسگالی کی تقریروں میں رسمی الفاظ ہی استعمال ہوتے ہیں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ سرہند کے شہریوں کا خلوص ایک ایک چیز سے عیاں تھا۔ انہوں نے بڑی محبت سے زائرین کا سواگت کیا اور ہمیں ایسا محسوس ہوا جیسے ہم کسی برات کے ساتھ آئے ہوئے ہوں۔ ●●

ملک غلام علی

زکوٰۃ و عُشر کے اجراء سے پیدا ہونے والے چند سوالات

سوال : نفاذِ شریعت کے سلسلہ میں ۱۲ ربیع الاوّل کے مبارک دن کو جو ابتدائی روشن اور محکم اقدامات ہوئے ہیں، ان کے لیے بانیٔ تحریک اسلامی اور پوری جماعتِ اسلامی کو مبارک باد ہو، نیز ہر اس عالم و عامی کو جس نے اس مقصد کے حصول کی تمنّا کی اور اس میں حصّہ لیا۔ بعدازاں ساری ملّت کے سامنے بھی ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں کہ اس کے لیے سعادت کی راہیں کُھل گئیں۔

اب میرے چند سوالات ہیں، ان کا جواب مختصراً مطلوب ہے :-

۱۔ اہلِ تشیع نے زکوٰۃ و عُشر اور حدوں کے متعلّق اختلافی نقطۂ نظر کو چھیڑ دیا ہے۔ اگر یہ طرزِ فکر جاری رہا، تو اور سب گوشوں سے بھی آوازیں اُٹھ کر "کثرتِ تعبیرہا" سے نفاذِ شریعت کو خوابِ پریشاں بنا سکتی ہیں۔ بی بی سی اس خبر سے بہت خوش ہے اور اس نے دل کی بات یوں کہہ دی ہے کہ نفاذِ شریعت کوئی آسان معاملہ نہیں۔

۲۔ زکوٰۃ و عُشر کے جمع و صرف میں خیانت کے سدِّباب کے بغیر آخر اہلِ احتیاج کیا کریں گے؟ دیہات میں تو خیر ان کو پہچاننا آسان ہے، شہر میں بڑی مُشکل پیش آئے گی، پھر مستحقین اپنے حقوق وصول کرنے کے لیے دھکّے کھاتے پھریں گے۔

۳۔ موجودہ دَور میں مسافروں کے لیے کیا کام کیا جا سکتا ہے، نیز گداگری کا انسداد کیسے ہوگا؟

۴۔ زکوٰۃ کے ساتھ انکم ٹیکس کو جوں کا توں رکھنا تو یوں بھی غلط ہے، پھر خاص طور سے انکم ٹیکس کا تو سارا ڈھانچہ ہی غلط ہے۔ میری نظر ملازموں، ادیبوں اور صحافیوں کے انفرادی انکم ٹیکس پر ہے۔ موجودہ نظام میں بڑی زیادتی ہوتی ہے، کیا آئندہ کوئی تبدیلی آ سکتی ہے۔

۵۔ اب تک درمیانہ کلاس کے جو لوگ اپنی پس انداز رقوم فکس ڈیپازٹ میں جمع کرا کے یا سرمایہ کار اداروں میں حصّہ لے کر یا کسی اور طرح اپنی رقوم کو حصولِ منافع کے لیے استعمال کرتے تھے، اب اُن کی رقوم موجودہ سودی سسٹم میں تو لگائی نہیں جائیں گی اور شرکت و مضاربت پر اگر کہیں لگائی گئیں، تو رقم ڈوب بھی سکتی ہے۔ پھر وہ سرمایہ کام میں نہ لگائیں، تو زکوٰۃ عائد ہوتی ہے، اس اُلجھن کا حل کیا ہے؟

جواب :

۱۔ آج تک ہمارا نقطۂ نظر یہی رہا ہے اور یہی ہونا چاہیئے کہ اہلِ تشیع، اہلِ سُنّت کے ساتھ ساتھ ملّتِ محمدیہ کے جزو ہیں۔ وہ کوئی الگ چیز نہیں ہیں، جہاں تک اختلافات کا تعلق ہے، وہ سیاسی ہوں یا فقہی، ہم اُن کے لیے اختلافات کا حق تسلیم کرتے ہیں، مگر جب نظام چلانے کا معاملہ آئے گا، تو اختلافات برقرار رکھتے ہوئے بہت سی صورتوں میں ہمیں اتحاد اختیار کرنا ہوگا، بلکہ کرنا یہ چاہیئے کہ اظہارِ اختلاف کو محدود راہوں میں رکھ کر اتحاد و یک جہتی و ہم آہنگی کی باتیں اُٹھائی ہوں گی اور اُن کے لیے عملاً راستے نکالنے ہوں گے۔

برادرانِ اہلِ تشیع کا اوّلین نقطۂ نظر تو یہ ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو اہلِ سُنّت کے ہم دوش کھڑا کر کے یہ سمجھیں کہ وہ مل کر الحاد، لادینیت اور مخالفِ اسلام نظریات کے خلاف جہاد کے لیے میدان میں آئے ہیں اور اگر الحاد و لادینیت اور مخالفِ اسلام نظریات کی گندگیوں سے بچنے کے لیے انہیں اہلِ سُنّت کے تصوّرات پر استوار ہو جانے والا خدا پرستانہ نظام بھی ملے، تو وہ اسے اقرب بلکہ اپنا سمجھیں گے۔ دوسری طرف کسی ملک میں اگر اہلِ تشیع کے تصوّرات، الحاد اور مادّہ پرستی کو شکست دے کر غالب آئیں، تو وہاں کے اہلِ سُنّت کے لیے وہ سابق کافرانہ نظام سے ہزار درجہ بہتر ہوں گے۔

جن قوانین کا ابھی اجراء ہوا ہے، اگر اس پہلی قسط سے ہی حصّے بخرے کرنے اور مختلف گروہی فقہوں کے سامنے آنے سے صورتِ حالات مضحکہ خیز بن جائے اور ساری مساعی کا وقار ضائع ہو تو ابھی سے بغور اس امر کو حل کرنا چاہیئے۔ اگر کسی مملکت میں بھاری اکثریت ایک فقہی نقطۂ نظر کی حامل ہو تو، اس میں لاآف دی لینڈ یا عمومی قانون تو بہرحال اکثریتی فقہ پر ہی چلے گا۔ دوسرے چھوٹے فقہی گروہ صرف پرسنل لاء کی حد تک اپنی فقہ کے تحت فیصلے لے سکتے ہیں۔ اسی کے اُلٹ صورت ہے جو برادرانِ اہلِ تشیع کی اپنی مملکت ایران میں درپیش ہے۔ وہاں شیعی نقطۂ نظر کی فقہ عمومی قانون کی شکل اختیار کرے گی اور اہلِ سُنّت کو پرسنل لاء میں آزادی ملے گی۔ نہ یہ کہ وہ عام ملکی قانون اور فیصلوں میں اپنے لیے الگ حصّہ مانگیں۔

ہمارے برادرانِ تشیع کو پاکستان اور ایران دونوں جگہ اپنی ہی دو مُسلم مملکتوں کی حیثیت سے سامنے رکھ کر سوچنا چاہیئے کہ دونوں طرف خیر و خوبی سے کام کس طرح چلے گا۔ ایک کا اثر لازماً دوسری جگہ پڑے گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایران کا معاملہ ایران والے جانیں۔ ہم اپنے ملک کے حالات میں جیسے چاہیں گے کریں گے۔ یہ طرزِ فکر اس لیے صحیح نہیں کہ اسلامی انقلاب اٹھانے والی تحریکیں ملک ملک میں ایک دوسرے سے الگ تھلگ نہیں ہیں۔ پاکستان اور ایران کی تحریک میں بھی رابطہ ہوا۔ پورے عالمِ اسلام کو سامنے رکھنا ہے اور اصولی راستے طے کرنے ہیں کہ تمام ملکوں میں اقلیتی فقہوں کے بارے میں کیا روش صحیح ہوگی؟

یہی حقیقت تھی کہ جس کے پیشِ نظر ۱۹۵۱ء میں مختلف مکاتبِ فکر کے ۳۱ علماء نے جمع ہو کر اسلامی ریاست کے جو اصول بالاتفاق

جاوید اقبال کے منتخب کارٹونوں
کا تازہ مجموعہ
ففٹی ففٹی
نوائے وقت پبلیکیشنز ۴، شارع فاطمہ
جناح روڈ لاہور

طے کئے تھے۔ ان کے ضمن میں اختلافی گروہوں کو پرسنل لاء میں اپنی فقہ کے تحت فیصلہ حاصل کرنے کا اختیار تھا، مگر ملکی قانون کے تحت سب میں طے ہو گیا تھا کہ وہ اکثریتی فقہ کے مطابق چلیں گے۔ اس موقع پر اس فیصلے کو بدل کر کوئی صحت مندانہ صورت اختیار نہیں کی جاسکتی۔

برادرانِ اہلِ تشیع یہ سوچیں کہ اگر وہ زکواۃ فنڈ کو الگ کرالیں، ان کے وصول و صرف کا نظام الگ طے کرائیں، اسی طرح تعلیمی، نشری، معاشی اور دیگر اداروں اور قومی بجٹ اور ہر شعبے میں یہ چاہیں کہ اُن کا انتظام الگ کر دیا جائے، تو وہ دوسروں کے ساتھ کس بات، میں مل کر چلیں گے؟

اہلِ تشیع کے وہ علماء اور رہبر شاید تدبر سے پوری طرح کام نہیں لے سکے کہ جنہوں نے اپنے لیے کچھ اس طرح کی علحدگی پسند کی ہے جیسی قادیانیوں کو حاصل ہے، یہ مقام غیروں کے لیے ہے، آپ اپنے ہو کر خواہ مخواہ اس حد تک کیوں جانا چاہتے ہیں۔

اہلِ تشیع کو یہ سوچنا چاہیئے کہ وہ اپنے مساویانہ حقوق بھی لیں اور مساویانہ مرتبے پر بھی رہیں، مگر کسی حالت میں ایک تو علحدگی پسندی کے راستے پر نہ پڑیں اور دوسرے اپنا رویہ ایسا مزاحمانہ نہ رکھیں کہ ہماری بات مانو، ورنہ ہم نفاذِ شریعت کی گاڑی چلنے ہی نہیں دیں گے۔ یہ کوئی مناسب طریقِ کار نہیں ہے۔

سائل سے گذارش ہے کہ اگر ہمارے یہ بھائی حکمت و بصیرت سے کام لے سکیں، تو ان کے حق میں بھی اور ہمارے حق میں بھی بہتر ہوگا، ورنہ یہ فرقہ وارانہ کشاکش اور فقہی انتہا پسندیاں سارے کام کو ناکام کر کے فتح کا سہرا الحاد و دہریت کے سر باندھ دیں گی اور ایسے سانحے تاریخ میں پہلے بھی پیش آتے رہے ہیں۔

۲۔ زندگی میں آج جو خیانت کا طوفان درپیش ہے، اسے دیکھ کر آپ کی پریشانی درست ہے۔ مگر زکواۃ و عشر کا نظام چلانے والی کمیٹیاں اگر دیانتدار افراد سے ترکیب پائیں اور ان میں مقامی ائمہ و خطیب حضرات کے ساتھ دیندار اور غیر بدنام افراد کو ملا کر کام چلایا جائے تو ضرورت مندوں کی تشخیص ہو سکتی ہے اور اُن کو مجلسِ عام میں اور ان کے گھروں پر جاکر نقد روپیہ یا سامانِ رسد پہنچایا جاسکتا ہے۔

شہروں میں بھی اگر وارڈوں کی زکواۃ کمیٹیاں قومی اتحاد کے مشورے سے بنائی جائیں، تو بڑی حد تک معاملہ درست ہو سکتا ہے۔

پہلے سے ضرورت مندوں کی فہرستیں اور اُن کی ضروریات کے فارم مرتب ہو کر ڈی سی آفس میں چلے جائیں اور وہاں ضلعی زکواۃ کمیٹی کے سامنے تمام رپورٹیں اور فہرستیں اور فارم رکھے جائیں، کمیٹی کے مشورے سے ڈی سی منظوری دے اور ہر ضرورت مند کے لیے کارڈ بن جائے، جس پر درج ہو کہ اسے عام مالی امداد دی جائے یا غلے کی صورت میں، یا بیماری میں اس کے علاج کے لیے اعانت چاہیئے یا کسی طالب علم کے لیے کتابیں یا وظیفہ درکار ہے وغیرہ۔ مقررہ وقفوں پر رقوم کی وصولی کے لیے تاریخیں درج ہوں اور یہ رقم کسی بھی بنک کی شاخ یا کسی بھی ڈاک خانہ سے وصول کی جاسکے۔

کمیٹیوں کی طرف سے بالفرض کسی مستحق کو دانستہ یا سہواً چھوڑ دیا گیا ہو تو وہ خود ضلعی کمیٹی کو درخواست دے سکتا ہے، تاکہ اس کا معاملہ درست کر دیا جائے۔ گاؤں یا وارڈ کے لوگ تنقید و احتساب بھی کر سکتے ہیں۔

۳۔ میرا خیال ہے کہ نادار مسافروں کے لیے کچھ مدد تو مقامی کمیٹی کی طرف سے ملنی چاہیئے، جب کہ انہیں کسی بیماری یا مقدمہ یا کسی اور مجبوری سے سفر کرنا پڑے۔ مسافر کو زادِ راہ مقامی طور پر مل جائے یا اُسے ریل کا ٹکٹ خرید کر دیا جاسکتا ہے۔

جہاں تک مسافروں کی اجنبی شہروں میں رہائش کا تعلق ہے، جہاں اُن کا کوئی اپنا رشتہ دار نہ ہو تو اُن کے لیے ایسی سرائیں بنوائی جائیں جن میں سادہ بستر دو تین روپے میں ملے اور دن بھر کا سادہ صاف ستھرا کھانا چار یا پانچ روپے میں۔ اس سے زیادہ کوئی بار اُس پر نہ پڑے۔ ایسی رعایت تین دن تک تو عام ہو، کسی خاص صورت میں قیام زیادہ کرنا پڑے تو مقامی زکواۃ کمیٹی کا تصدیق نامہ اس کے پاس ہونا چاہیے کہ یہ شخص مستحق ہے اور اسے فلاں کام کے لیے شہر یا قصبے وغیرہ میں رہنا ہے۔

اجرائے زکواۃ و عشر کے بعد گداگروں کا سڑکوں پر موجود رہنا واقعی بڑا اشرمناک ہے۔ گداگروں کی دو تین قسمیں ہیں۔

ایک قسم تو جائیداد (مکان، زمین وغیرہ) رکھنے والے لوگوں کی ہے۔ وہ اپنی جائیداد پر گزارہ کریں یا حکومت اپنے اہتمام سے ان کی جائیداد بیچ کر یا جائیداد سے آمدنی حاصل کر کے ان کو محتاج گھروں میں رکھے اور اُن کا مال اُن ہی پر خرچ کرے۔

ایک گداگر جسمانی طور پر معذور قسم کے ہیں۔ اُن کو محتاج گھروں میں رکھ کر زکواۃ فنڈ سے اُن کی ضروریات پوری کی جائیں تیسری قسم گداگروں کی وہ ہے جو جائیداد تو نہیں رکھتی مگر مضبوط جسم رکھتی ہے۔ ایسے لوگوں کو محنت مزدوری کے کام دلوائے جائیں یا اُن کو کسی دستی کام کی تربیت دلوائی جائے یا اُن سے کوئی خوانچہ وغیرہ شروع کرایا جائے، لیکن یہ لوگ مندرجِ فہرست ہونا چاہئیں تاکہ اگر اپنی جائیدادوں سے، محتاج خانوں سے، کسی دار العلاج سے، محنت یا ٹریننگ کی کسی جگہ سے یا کسی خوانچہ ریڑھی سے بھاگ جائیں تو پھر اُن کو گرفتار کر کے پہلے بطور سزا جیل میں رکھا جائے، تاکہ انہیں راستے پر ڈالا جاسکے۔

۵۔ یوں تو ہمارے ہاں کے ٹیکس اور مالیات کے پورے ہی نظام کی تجدید کرنی ہو گی، لیکن ملازموں اور دماغی کام کرنے والوں سے جو انفرادی ٹیکس لیے جاتے ہیں اُن کا سسٹم بے حد نامعقول ہے۔ نمایاں خرابیاں یہ ہیں:

ا۔ مستثنیٰ رقم کی حد قیمتوں اور افراطِ زر کے ساتھ ساتھ بدلتی نہیں بلکہ برسوں جاری رہتی ہے۔

ب۔ بھاری کنبے والے، درمیانی کنبے اور مجرد فرد کو یکساں آمدنیوں میں سے تقریباً یکساں ٹیکس دینا پڑتا ہے۔ یہ بالکل بے تکا معاملہ ہے، یعنی آٹھ آدمیوں کا بار اُٹھانے والے کو تنہا ایک آدمی کے مقابلے میں کوئی خاص رعایت حاصل نہیں۔ حالانکہ میرے خیال کے مطابق بڑے کنبے (۶ تا ۱۰ افراد) والے اور درمیانہ کنبے والے (۲ تا ۵ افراد) والے اور مجرد حضرات کے لیے ٹیکس سے مستثنیٰ رقوم بحالاتِ موجودہ علی الترتیب ۳۰ ہزار، ۲۴ ہزار، ۱۸ ہزار سالانہ ہونی چاہیے۔ اسی طرح کوئی شخص اگر اپنا آبائی یا نو تعمیر کردہ مکان رکھتا ہو تو اُسے بھی اتنا ہی ٹیکس دینا ہوتا ہے، جتنا مکان کا کرایہ دینے والے کو۔ ستم یہ ہے کہ بعض صورتوں میں کرائے کی رعایت ملتی بھی ہے تو معروف گریڈوں کے ساتھ مقرر شدہ کم شرح سے ملتی ہے۔ مثلاً کسی شخص کو ۶۰ یا ۱۰۰ روپے کرایہ الاؤنس ملا، حالانکہ عملاً لاہور میں ایک کمرے کا مکان دو ڈھائی سو روپے سے کم نہیں ملے گا۔ دو یا تین کمروں کا ہو تو چار یا چھ سو روپے میں، اس سے اُوپر آٹھ سو تا بارہ سو روپے سے کم نہیں ملے گا۔ میرا خیال ہے کہ جو کچھ حقیقی کرایہ دیا جا رہا ہے۔ اس کا دستاویزی ثبوت رسیدوں کی شکل میں اگر دیا جائے تو کرایہ کی سالانہ رقم ٹیکس سے مستثنیٰ آمدنی محسوب ہونی چاہیے۔ علاوہ ازیں پڑھے لکھے لوگ جو دماغی کام کرتے ہیں، جیسے اساتذہ، ڈاکٹر، انجنیئر، ادیب، صحافی، خطیب وغیرہ اُن کے ملاقاتیوں کا ایک بڑا حلقہ ہوتا ہے اور وہ اُن کے لیے مناسب جگہ اور ضروری فرنیچر کے علاوہ تواضع کا بندوبست بھی کرتے ہیں۔ اس کا بھی استثنیٰ ہونا چاہیے۔

زندگی کے ان حقیقی مسائل کو اعلیٰ افسران دفتروں میں بیٹھ کر سمجھ نہیں سکتے اور اُن پر نگاہ رکھے بغیر ٹیکس کا عادلانہ نظام وضع نہیں کیا جاسکتا۔

۶۔ فکسڈ ڈیپازٹ یا سرمایہ کار اداروں میں رقوم رکھوانے والے حضرات کے لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ بنک کی جمع شدہ رقوم مختلف نفع آور کاموں میں لگائی جائیں گی اور موجودہ سود کے بجائے، منافع اُن پر جمع ہوتا رہے گا۔ کسی ایک آدھ کام میں خسارہ ہو بھی تو اس کا اثر نہیں پڑے گا۔ آخر رقوم تو پھیلا کر لگائی جائیں گی اور مجموعی طور پر ساری رقوم کا منافع محسوب ہوگا۔ کیونکہ بنک ہر فرد کی رقوم الگ الگ اس سے معاہدہ کرا کے نہیں لگائے گا، بلکہ اپنے کھاتہ داروں کی حاصل کردہ رقوم کو وہ ملا جُلا کر آگے چلائے گا اور حاصل شدہ منافع سب پر پھیل جائے گا۔

اس منافع میں سے ۲½ فی صدی زکواۃ نکالتے رہنے سے کوئی کمی واقع نہ ہو گی، ہاں البتہ کوئی آدمی اب گھر میں کالا دھن چھپا کر رکھے گا تو خسارے میں رہے گا۔ (بشکریہ ترجمان القرآن)

افریقہ اور عرب ممالک جانے کے خواہشمند گھر بیٹھے بذریعہ خط و کتابت کورس مکمل کرلیں اور خود اعتمادی کے ساتھ زبان کا مسئلہ حل کر کے باہر روانہ ہوں

پیارے نبیؐ کی پیاری زبان

ڈاکٹر، انجنیئر، مکینک، مستری، دفاتر اور بنکوں کے ملازمین کے لئے

عربی خط و کتابت کورس

جدید عربی اڈیشن

عربی خط و کتابت مکمل کورس مع حل و پرچہ جات ۔ ۳۰/ روپیہ

عربی خط و کتابت کورس جدید عربی اڈیشن ۔ ۴۰ روپیہ

پراسپیکٹس بلا قیمت

پرنسپل عربی خط و کتابت سکول

۱۸ ۲۹ محمد نگر۔ علامہ اقبال روڈ۔ لاہور

فون نمبر ۶۳۵۱۸ / ۶۲۶۳۰

مسئلہ لڑکوں اور لڑکیوں کے تعلیمی نصاب کا

کلن اور مرزا جی کا مکالمہ

کلن کہنے لگے ۔ مرزا جی، آج تو لڑکے لڑکیوں کے اکٹھے پڑھنے کے بارے میں کچھ بتائیں کہ اس کا کیا فائدہ کیا نقصان ہے ۔ جی ہاں ۔ جو مرد پڑھتے ہیں وہی عورتیں پڑھیں تو بات بنتی ہے یا نہیں بنتی ؟

مرزا جی بولے ۔ بات دراصل یہ ہے کہ لڑکے لڑکیوں کے اکٹھے پڑھنے کا رواج انگریز نے ہمارے ملک میں اس لیے ڈالا کہ اس کی تہذیب یہاں پروان چڑھے اور وہ اپنے مقصد میں کسی حد تک کامیاب رہا ۔ یہ رواج بڑھتا چلا گیا اور آج صورت حال یہ ہے کہ پاکستان بن جانے کے بعد بھی لڑکے لڑکیاں اکٹھے پڑھ رہے ہیں ۔ لڑکیوں کے لیے کوئی علیحدہ نصاب نہیں ہے بلکہ وہی ہے جو لڑکوں کے لیے ہے ۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ کچھ لوگ اسے برا سمجھتے ہیں اور کچھ لوگوں کے نزدیک اس میں کوئی برائی نہیں ۔ حال ہی میں ایک جائزہ نظر سے گزرا جس میں لاہور کالج کی پرنسپل ڈاکٹر ڈار کہتی ہیں کہ طالبات کی یہ بدقسمتی ہے کہ وہ ویسا ہی نصاب پڑھتی ہیں جیسا کہ طلبا پڑھتے ہیں جبکہ یہ طریقہ کار غلط ہے ۔

کلن بولے ــــ یعنی اس میں وہ کیا ہے جو غلط ہے ؟

مرزا جی بولے ۔ دیکھو میاں پرنسپل صاحبہ کہتی ہیں کہ تعلیم کا اصل فائدہ تو یہ ہے کہ طلبا جو تعلیم پائیں اس سے بہتر طریقہ پر ملک اور قوم کی خدمت کریں ۔ قوموں کی ترقی کا راز اسی میں ہے ۔ عام طور پر خواتین ملازمت نہیں کرتیں اور جو کرتی ہیں جب شادی کرتی ہیں تو پھر ملازمت نہیں کرتیں ۔ اس طرح ہماری قومی دولت کا پوری قوم کو جو فائدہ پہنچنا چاہیے نہیں پہنچ رہا ۔ یہ دولت لگاتار ضائع ہو رہی ہے ۔

کلن بولے ــ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پڑھانے والے ابھی تک اس نتیجہ پر نہیں پہنچ پائے کہ لڑکیوں کی تعلیم کا مقصد کیا ہے ؟

مرزا جی بولے ۔ اس کے بارے میں پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر خیرات ابن رسا نے کہا ہے کہ اگر لڑکیوں نے پڑھ لکھ کر ڈاکٹر یا قانون دان بننا ہے تو پھر یہ بات بنتی ہے کہ وہ تعلیم ضرور حاصل کریں لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان کا کام تو گھر سنبھالنا ہے ۔ بچوں کو پالنا پوسنا ہے اور اپنے میاں کے ساتھ اچھے تعلقات پیدا کرنا ہے ۔ لڑکیوں کو پہلے اُن بنیادی چیزوں کی تربیت ملنی چاہیے ۔ اس کے بعد وہ چاہیں تو کوئی بھی علم حاصل کرلیں ۔ خواتین سائنس ، طب ، عمرانیات میں جتنی چاہیں مہارت پائیں درست ہو گا لیکن موجودہ حالات میں تو لڑکیاں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اپنا پیسہ اور وقت برباد کر دیتی ہیں ۔ ان کی زندگی کا مقصد پورا نہیں ہوتا ۔ مثلاً ڈاکٹر کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے ڈاکٹری جانتا ہو ۔ اس کے بعد وہ تاریخ ، فلسفہ ، مذہب اور دوسرے علوم حاصل کرے تو اس کی خوبیوں میں اضافہ ہو گا ۔ لیکن اگر وہ ڈاکٹر تو نہیں باقی سب کچھ ہے تو بالکل بے کار ہے ۔ لڑکیوں کو بھی اس طرح کی تعلیم دینی چاہیے ۔

منشی جی بولے ۔ یہ تو ٹھیک ہے صاحبو لیکن لڑکیوں اور لڑکوں میں وہ جو تعلیمی مقابلے کی ٹھنی ہوئی ہے اس کھینچا تانی کو روکنے کے لیے کیا کرنا ٹھیک ہو گا ؟

مرزا جی بولے ــ اس کے بارے میں اسلامیہ کالج کوپر روڈ کی وائس پرنسپل مسز رضا کہتی ہیں کہ لڑکیوں اور لڑکوں کا نصاب اگر علیحدہ کر دیا جائے تو مقابلے کا رجحان ختم ہو جائے گا ۔ ہوم اکنامکس ، نرسنگ ، پینٹنگ وغیرہ ، تو طالبات کے نصاب میں شامل ہونے چاہئیں اس کے علاوہ ہر قسم کا نصاب جو لڑکے پڑھتے ہیں لڑکیوں کے لیے بھی ضروری ہیں ۔

منشی جی بولے ۔ ایسے ہی خیالات کا اظہار اسلامیہ کالج کوپر روڈ کی یونین کی صدر عطیہ نے کیا ۔ وہ طالبات کے علیحدہ نصاب کے حق میں نہیں ۔ وہ کہتی ہیں کہ لڑکیاں گھریلو تعلیم و تربیت تو گھروں سے ہی حاصل کر لیتی ہیں ۔ یونیورسٹی کی تعلیم کا مقصد یہی ہے کہ وہ سماجی طور پر اتنی ہی ذہین اور قابل بن سکیں جتنا لڑکے بنتے ہیں ۔ اگر لڑکے لڑکیاں ایک جیسا نصاب پڑھیں گے تو حالات سے مطابقت پیدا ہو گی ۔ اگر لڑکے لڑکیاں ایک ہی مقصد کے تحت تعلیم حاصل کرتے ہیں تو دونوں کے لیے علیحدہ نصاب کیوں ۔ عملی زندگی میں بھی دونوں کو مل کر کام کرنا پڑتا ہے اگر ان کا نصاب بدل دیا جائے تو لڑکیاں لڑکوں سے کٹ جائیں گی ۔ زندگی کے کسی بھی میدان میں ان کے ساتھ مل کر کام نہ کر سکیں گی ۔

مرزا جی بولے ۔ نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی ۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں جو کچھ سیکھتے ہیں کیا وہ وہی کچھ کرتے بھی ہیں ؟

منشی جی بولے ۔ اس کے بارے میں ہوم اکنامکس کالج کی وائس پرنسپل مسز انصاری نے کہا کہ ہماری طالبات کی اکثریت ڈاکٹری پڑھتی ہے یا کوئی اعلیٰ ڈگری حاصل کرتی ہے لیکن نوکری کرنے کی بجائے وہ یہ کہہ کر گھروں میں بیٹھ جاتی ہے کہ تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے نوکری کرنا ضروری نہیں ۔ مسز انصاری نے کہا کہ میں سمجھتی ہوں کہ یہ سراسر غلط ہے ۔ عام نصاب میں میرے نزدیک قرآن مجید اور حدیث شامل ہونی چاہیے اور ان طالبات کو اس طرح پڑھانا چاہیے کہ وہ قرآن مجید کی تعلیمات سے بخوبی واقف ہو جائیں اور اس کے ساتھ ہی ان کی عربی کی تعلیم ایسی ہونی چاہیے کہ وہ قرآن مجید کو ترجمے کے بغیر اچھی طرح سمجھنے لگیں ۔

مرزا جی بولے ــ جتنے منہ اتنی باتیں ، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کس کی بات ٹھیک ہے اور کس کی ٹھیک نہیں ۔ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن کی طالبہ مس طوبہ بخاری کی بات سنو تو وہ یہ کہتی ہیں کہ موجودہ نصاب میں ایک حد تک تبدیلیاں ضروری ہیں ۔

کلن بولے ــــ یعنی کیا تبدیلیاں ؟

مرزا جی بولے ــــ وہ کہتی ہیں ہوم اکنامکس اور گھر یلو کاموں کی طرف رجحان دلانے والے مضامین اور لڑکیوں کے لیے ٹیکنیکل تعلیم پر اگر شروع ہی سے توجہ دی جائے تو دونوں عملی زندگی میں بہتر طور پر چل سکتے ہیں ۔

منشی جی بولے ــــ لیکن مسز قمر النساء ڈپٹی ڈائریکٹر پنجاب اس تعلیمی چکر میں کسی اور سمت ہی چلی جا رہی ہیں ۔ وہ کہتی ہیں جس لڑکی نے نوکری نہیں کرنی وہ میٹرک سے زیادہ تعلیم حاصل نہ کرے اور میٹرک تک بھی اس کے نصاب میں ہوم اکنامکس قسم کے مضامین ہونے چاہئیں ۔

کلن بولے ــــ اور سننے میں تو یہ بھی آیا ہے صاحبو کہ پچھلے سال خواتین کی کمیٹی بنی تھی اور انھوں نے کوئی فیصلہ کیا تھا مگر وہ کیا تھا ؟

منشی جی بولے ــــ اس کے بارے میں ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن پنجاب ڈاکٹر سید صفدر حسین نے یہ کہا کہ خواتین کی اس کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ الگ یونیورسٹیاں بنانے کا خیال غلط ہے ۔ پھر اگر الگ یونیورسٹی کا خیال غلط ہے تو الگ نصاب کا خیال بھلا کیوں کر درست ہو سکتا ہے ۔ کہیے آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے مرزا جی ؟

مرزا جی بولے ــ صاحبو ، بندہ کوئی ماہر تعلیم نہیں جو اپنی رائے کا اظہار کرے ۔ لیڈی میکلیگن کی ایک سکول ٹیچر مسز یزدانی کی سنو ۔ وہ کہتی ہیں نصاب تعلیم میں تبدیلیاں بے حد ضروری ہیں ۔ لڑکیوں کو آج سے پندرہ سال پہلے بھی شامی کباب بنانے سکھائے جاتے تھے اور آج بھی یہی کچھ سکھایا جاتا ہے ۔ حالانکہ ہماری بیشتر آبادی شامی کباب نہیں دالیں ، پکوڑیاں اور سبزیاں کثرت سے استعمال کرتی ہے ۔

کلن بولے ــ یعنی شامی کباب بنانے کی کبھی نوبت ہی نہیں آتی ؟

مرزا جی بولے ــ اور کیا بھائی ، بازار سے قیمہ خریدنے جاؤ تو بندے کا اپنا قیمہ ہو جاتا ہے ۔ شامی کباب تو شاہی دسترخوان کی بات ہے اور سنا ہے سکولوں میں شامی کباب کی طرح بچیوں کو فلیپر ، پیٹی کوٹ یا بلوز بنانا سکھایا جاتا ہے اور ہم لوگ تو شلوار قمیض استعمال کرتے ہیں ۔ مطلب یہ ہے کہ کھا رہے ہیں باسی روٹی اور بات چسکے لے لے کر مرغ پلاؤ کی کر رہے ہیں ۔ ضرورت وقت کے مطابق نصاب کی ہے جو ضرورت کے مطابق ہو تاکہ لڑکیاں لڑکے عملی طور پر بھی وہی کچھ کر سکیں جو نصاب میں پڑھتے ہیں ۔

کلن بولے ــ بالکل ٹھیک ہے اور یہ بھی کیا ضروری نہیں کہ نصاب ہر لحاظ نصاب ہو شامی کباب نہ ہو ۔ جسے پڑھانے والا یہ نہ سمجھے کہ کسی فلیپر ، پیٹی کوٹ یا بلوز کو پڑھایا جا رہا ہے اور نہ پڑھنے والے کو یہ بدگمانی ہو کہ کوئی فلیپر ، پیٹی کوٹ یا بلوز ان کو پڑھا رہا ہے ۔ میرے خیال میں ہماری اکتیس سال سے مریضہ تعلیم کے مرض کے لیے یہ نسخہ کسی حد تک اکسیر کا کام کرے گا ۔

بھٹو کے فدائی بھی اظہارِ وفاداری سے منکر ہو گئے

عیسائی عورت نے سیرت النبیؐ کی تقریب کا اہتمام کیا

عدالت کے فیصلے کے بعد

احمد رضا قصوری کے والد محمد احمد خان کے مشہور مقدمۂ قتل میں ملوث مرکزی کردار اور بڑے مجرم ذوالفقار علی بھٹو کو ہائی کورٹ کی طرف سے دی گئی سزائے موت کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کے فیصلے کے ردِ عمل کے بارے میں کئی گمان کارفرما تھے۔ قیاس آرائیاں ہو رہی تھیں کہ جہاں اندرونِ ملک شدید منفی ردِ عمل ہو گا، وہاں بیرونِ ملک مقیم پاکستانی بھی بھٹو کے حق میں اپنے جذبات کا اظہار کریں گے، لیکن دلچسپ صورتِ حال کا مشاہدہ بھٹو کے پرستاروں نے کیا کہ اتنا اثر بھی پاکستانی کمیونٹی نے قبول نہیں کیا، جتنا سطحِ سمندر پر ایک ہلکی سی کنکری پھینکنے سے ہو سکتا ہے۔ کہیں اضطراب نہ ابھرا، کسی جگہ جذبات کا ارتعاش نظر نہ آیا۔ جام صادق کے پالے ہوئے اور بھٹو دور کے نوازے ہوئے سینکڑوں آدمی یہاں موجود ہیں، لیکن سیاہ بختی عدالتِ عظمیٰ کے فیصلے کی صورت میں جب غالب ہوئی تو مفادات کے سائے غائب ہو گئے۔ وجوہات دو ہیں۔ اولاً سپریم کورٹ کے فیصلے نے اُن لوگوں کے شک کو یقین میں بدل دیا ہے جو پہلے بھٹو کی مجرمانہ حیثیت کو قبول کرنے میں متذبذب تھے۔ ثانیاً بھٹو کے انجامِ بد سے ان لوگوں کے نقصانات وابستہ نہیں ہیں، اُس کے سزائے موت پانے کا ان لوگوں کے مفادات سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے بھٹو کی موت کا موضوع اسی کے پروردہ مفاد پرستوں کے لیے کسی بھی دلچسپی کا حامل نہیں ہے۔ گذشتہ دنوں ایک عوامی تقریب میں سینکڑوں پاکستانی شریک ہوئے۔ ان کے خیالات معلوم کرنے کے لیے سوالات کی صورت میں جائزہ لیا گیا تو کسی کو بھی سپریم کورٹ کے فیصلے پر معترض اور بھٹو کے انجام پر رنجور نہ پایا۔ یہاں لوگوں کی اس معاملے سے بے نیازی سپریم کورٹ کی کارروائی کے ساتھ ہی جاری تھی۔ یہاں تک کہ پیپلز پارٹی کے خصوصی کارندے اور بھٹو کے فدائی بھی عدمِ دلچسپی کا شکار نظر آئے۔ ہائی کورٹ کے فیصلے کے بعد اُن کا جو جوش و خروش اور اظہارِ وفاداری سامنے آیا تھا وہ سپریم کورٹ کے فیصلے پر یکسر مفقود تھا۔

اسلامی نظام کے سلسلے میں کیے گئے اقدامات پر اظہارِ مسرت

۱۲ ربیع الاوّل کو صدرِ پاکستان کی طرف سے نظامِ اسلام کے عملاً برپا کرنے کے لیے اعلان کا یہاں پر باشندگانِ پاکستان کو شدت سے انتظار تھا۔ وہ اس صبح کے طلوع کے لیے بے چین تھے جس کی دید کے لیے برطانوی استعمار کی شبِ تاریک میں بھی اسلامیانِ ہند نے سفرِ حیات جاری رکھا تھا اور اپنے لہو سے چراغ روشن کر کے تیرگیٔ شبِ غلامی کا مقابلہ کر رہے تھے؛ چنانچہ ۱۲ ربیع الاوّل کو اپنی آرزوؤں کا چمن کھِلنے اور کلیاں چٹکنے کے منتظر پاکستانیوں نے ریڈیو سے صدر ضیاء الحق کی تقریر بصد شوق سنی اور بے پناہ مسرت کا اظہار کیا کہ ۳۱ سال بعد توقعات اور امیدوں کی کچھ روشوں پر کچھ اقدامات کے اعلان کی آبیاری ہوئی۔

دوبئی میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ پاکستان نے بھی انتہائی عقیدت و احترام اور محبت میں ڈوبے ہوئے جذبات کے ساتھ منائی۔ پہلی تقریب پاکستان اسلامیہ سکینڈری سکول دوبئی میں منعقد ہوئی۔ اس کی صدارت پاکستان ایجوکیشنل اینڈ کلچرل بورڈ دوبئی کے وائس چیئرمین جناب سید حسن نے کی۔ اس میں سکول کے طلبہ اور اساتذہ نے سیرتِ پاکؐ پر ولولہ انگیز تقریریں کیں۔ نمائندہ "زندگی" منیر احمد خلیلی نے بھی میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مناسبت سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس تقریب کے آغاز میں صدر ضیاء الحق کے اعلان کردہ اقدامات پر اظہارِ مسرت اور ان کے کامیابی سے نفاذ اور نتائج کے لیے دعا کی گئی۔ تقریب کے آخر میں حاضرین اور بچوں میں مٹھائی تقسیم کی گئی۔

اسی شام پاکستان ایسوسی ایشن دوبئی، پاکستان قونصلیٹ اور پاکستان ایجوکیشنل اینڈ کلچرل بورڈ نے مشترکہ طور پر ایک تقریب کا اہتمام کیا جس میں معروف ماہرِ تعلیم اور دانشور ڈاکٹر محمد اسلم قریشی پرنسپل پاکستان سکول، عبدالمالک اور علامہ عابدی نے تقاریر کیں۔

۱۳ ربیع الاوّل کو پاکستان انگلش میڈیم سکول میں سیرت النبیؐ کے سلسلے میں ایک پُر وقار تقریب ہوئی جس میں مہمانِ خصوصی جناب ڈاکٹر محمد اسلم قریشی تھے۔ اس تقریب کا خاص پہلو یہ تھا کہ اس کی منتظم اور متذکرہ سکول کی پرنسپل مسز جوائے کنگ ایک امریکن عیسائی عورت ہے۔ تمام تقاریب میں اسلامی نظام کے نفاذ پر اطمینان اور بے پناہ خوشی کا اظہار کیا گیا۔

●●

نمائندہ خصوصی

مکتوبِ جدّہ

ربیع الاوّل کے مبارک ماہ جدّہ میں مقیم پاکستانی حضرات نے بھی حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے لیے مختلف تقاریب منعقد کیں۔ اس سلسلے میں ایک نشست کا اہتمام ۱۵ فروری کو کیا گیا، جس میں کثیر تعداد میں پاکستانی حضرات شریک ہوئے۔ اس محفل میں جامعہ ملک عبدالعزیز کے اساتذہ کرام نے آنحضرتؐ کی سیرت کے مختلف گوشوں پر اظہارِ خیال کیا۔ ان اساتذہ کرام میں جناب مطیع الرحمٰن، پروفیسر حامد بلگرامی اور مشہور ماہرِ معاشیات ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی شامل تھے۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی نے اپنی تقریر میں حاضرینِ محفل پر زور دیا کہ لوگوں کو جہاں اپنے رب سے تعلق مضبوط کرنے کی دعوت دی جائے، وہیں سیرتؐ کی روشنی میں لوگوں کو آپس کے تعلقات مضبوط کرنے پر آمادہ کیا جائے، جب تک لوگ آپس میں ایک دوسرے کا احترام نہ کریں گے، اُن کے مسائل میں شریک نہ ہوں گے۔ اپنی ضرورت کو دوسروں کے لیے قربان کرنے کو تیار نہ ہوں گے، اس وقت تک ایک مثالی معاشرہ کی تشکیل اس دور میں ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ دیانت داری بھی اسلامی معاشرہ کی بنیادی صفت ہے۔ جب تک ایک مزدور اپنے کارخانے میں، ایک معالج اپنے ہسپتال میں، ایک کاشت کار اپنی زمین پر، ایک استاد اپنے تعلیمی ادارے میں ایمانداری اور فرض شناسی سے کام نہیں کریگا، اُس وقت تک مثالی معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا۔ اس محفل میں مقامی شعراء نے اپنا کلام بھی سُنایا اور آخر میں رات ایک بجے شیرینی و چائے پر محفل کا اختتام ہوا۔

۱۲ ربیع الاوّل کے سلسلے میں ایک پروگرام پاکستانی اسکول میں منعقد ہوا، جس میں اسکول کے طلبہ نے تقاریر، نعت اور حمد پیش کی۔ طائف کے پاکستانی اسکول میں بھی ایک نشست کا اہتمام ہوا، جس میں تقاریر، نعت اور مطالعہ قرآن کا پروگرام ہوا۔ حاضرین کی تعداد کافی تھی، اس کے علاوہ لوگوں نے اپنے گھروں پر بھی چھوٹی چھوٹی نشستوں کا اہتمام کیا اور حضور پر نور کو مختلف انداز میں ہدیہ صلوٰۃ وسلام پیش کیا۔

●●

حنیف رامے کے چہرے سے نقاب سرکتا ہے

جناب حنیف رامے اپنی بوالعجبیوں کے باعث سیاسی حلقوں میں موضوع بحث بنے ہوئے ہیں۔ ذیل میں ہم ان کے سیاسی کردار کے متعلق اپنے دو قارئین کا نقطۂ نظر پیش کر رہے ہیں۔ پہلا خط ظہیر لدھیانوی نے اور دوسرا راحت جمیل نے لکھا ہے

مقدمۂ قتل کے مجرم ذوالفقار علی بھٹو کے معنوی فرزند کامریڈ حنیف رامے جو اپنی ہیئت کذائی سے حنیف کم اور رامے زیادہ لگتے ہیں، آج کل مختلف ہتھکنڈوں کے ذریعے اپنی سیاسی ساکھ بحال کرنے میں مصروف ہیں۔ ابھی چند روز قبل صرف اپنی ذاتِ بے صفات پر مشتمل مساوات پارٹی کے دفتر پر حملہ کا کھڑاک رچایا۔ منشا صرف یہ تھا کہ شاید اسی طرح کچھ اہمیت حاصل کر سکیں اور اس کا انہوں نے مبینہ حملہ کے اگلے روز گھر پر بلائی گئی پریس کانفرنس میں پورا اہتمام بھی کیا۔

آیئے ہم آپ کو ان کا سیاسی چہرہ دکھائیں۔ اپنے اشتراکی نظریات کی تبلیغ کے لئے انہوں نے مساوات اخبار جاری کیا اور اس کے ذریعہ بھٹو کی چاپلوسی اور خوشامد کا حق ادا کیا۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں شہ سرخی سے یہ خبر چھاپی "قوم نے سوشلزم کے حق میں فیصلہ دے دیا"۔ اسی تملق اور چاپلوسی کے معاوضہ میں وزیرِ اعلیٰ کے منصب پر پہنچے۔ اس وزارتِ علیا کے دوران میں اپنے آقا مے ولی نعمت کی خوشنودی کے حصول کی خاطر غلام مصطفےٰ کھر اور ان کے مابین تخت بخت کے لئے مسابقت کی دوڑ شروع ہوئی۔ اس میدان میں وہ (حنیف رامے) بہت ماہر نکلے۔ اور ان کے اپنے الفاظ میں کہ "میں اپنی ہر متاعِ عزیز اپنے قائد پر قربان کرنے کو تیار ہوں"۔ اس طرح اپنی ہر متاعِ عزیز کو قائد پر قربان کر کے غلام مصطفےٰ کھر سے بازی لے گئے، جب کہ قائد نے اپنا مطلب حاصل کر کے انہیں ٹھکرا دیا۔ (وزارتِ علیا کے دوران میں آپ کے کارہائے سیاہ کو اجاگر کرنے کا حق ہم محفوظ رکھتے ہیں)۔

ملک میں تحریکِ نظامِ مصطفےٰ چلی، عوام کے ایمانی جوش اور جذبہ نے اس میں رنگ بھر دیا۔ نتیجتاً پیپلز پارٹی کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہونا پڑا۔ حنیف رامے جیسے کمونسٹ نظریات کے حامل لوگ منقار زیرِ پر ہو گئے۔ انہوں نے بھی پوری تحریک کے دوران میں چپ سادھے رکھی، لیکن ملک میں نظریات کے بہاؤ کا دھارا بدلا دیکھ کر اخبارات میں بیان شائع کرا دیا کہ "سوشلزم میری فکری لغزش تھی میں نے توبہ کر لی ہے، اسلام ہی سب کچھ ہے"۔ انہوں نے عیاری سے کام لیتے ہوئے مسلم لیگ میں پناہ حاصل کر لی۔ مقصد قومی اتحاد میں رخنہ ڈالنا تھا۔

۱۹۷۷ء کے مجوزہ الیکشن کی تیاری کے دوران میں اپنی حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلم لیگ کے توسط سے پیپلز پارٹی کے لیڈروں اور غنڈوں کو قومی اتحاد کی صفوں میں لانا شروع کیا، مگر لوگوں نے اس سازش کو بروقت بھانپ لیا اور اس طرح وہ قومی اتحاد کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی ناکام کوشش کے بعد اس سے علیحدہ ہو گئے اور کہا "ملک میں غیر جماعتی نظام قائم کیا جائے، ملک میں کوئی سیاسی جماعت سرے سے موجود ہی نہ ہو"۔ ایک عرصہ اسی قسم کے بیان جاری کرتے رہے، تاکہ لوگوں کو اپنا ہمنوا بنا کر نو جماعتوں کے اتحاد کے امیج کو خراب کر سکیں، لیکن یہاں بھی دال نہ گلنے پر بالآخر غیر جماعتی نظام کے داعی نے اپنی ایک علیحدہ جماعت "مساوات پارٹی" کے نام سے کھڑی کر دی اور ملک میں مذہبی عصبیت کو ہوا دینے کے لئے مسلمانوں کے ایک خاص فرقہ کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی غرض سے پنجہ کے نشان کو اپنے پرچم پر سجایا۔ انہیں کیا خبر کہ تمام مسلمان اسلام کے نام پر سوشلسٹ نظریات کا پرچار کرنے کی آپ کی سابقہ عادت سے پوری طرح واقف ہیں۔ کیا آپ نے سوشلزم کو پہلے اسلامی سوشلزم کا نام دے کر مسلمانوں کی اشیر باد حاصل کرنے کی کوشش نہ کی تھی اور اب ایک ملک میں بدلی ہوئی فضا کو دیکھ کر اسلامی سوشلزم کے بجائے مکمل اسلامی نظام کا راگ الاپ رہے ہیں۔

رامے صاحب! یہ قوم پہلے ہی بہت دکھ برداشت کر چکی ہے، اس میں مزید زخم سہنے کی تاب نہیں۔ چھنا ہوا اقتدار حاصل کرنے کے لئے اس قوم کی قسمت سے کھیلنے کی کوشش نہ کیجئے۔ اقتدار کی لیلیٰ آپ سے بہت دور جا چکی ہے۔ اب اس کے سہانے سپنے دیکھا کر د۔

ملّا ازم کی آڑ میں اسلام پر تنقید

جناب محمد حنیف رامے ہمارے ملک کی ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ اگر اُن کے خیالات پر عمیق نظر ڈالی جائے اور اُن کے نظریات کا تجزیہ کیا جائے، تو ان پر سوشلزم کی گہری اور انمٹ چھاپ دکھائی دے گی۔ گذشتہ حکمران پارٹی کے اشتراکیت کے پودے کو انہوں نے اپنے زورِ خطابت سے سینچا اور پروان چڑھایا۔

اپنی تصنیف "اقبال اور سوشلزم" میں موصوف نے حکیم الاُمت کے نظریات و خیالات کو بھی اشتراکیت کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی۔

لیکن ۱۹۷۷ء کی تحریکِ نظامِ مصطفےٰ نے موصوف کو اسلامی نظریات و خیالات کا لبادہ اوڑھنے پر مجبور کر دیا تاکہ اس طرح انہیں عوام کی حمایت حاصل ہو سکے، کیونکہ زمانہ حال اور مستقبل میں سوشلزم کا پاکستان میں کوئی ٹھکانہ نہیں۔ فرزندانِ توحید اس خود ساختہ اور باطل نظام کو رد کر چکے ہیں اور پاکستان میں سوشلزم کے تابوت میں آخری کیل ۱۲ ربیع الاوّل کو ٹھونک دی گئی ہے۔

جناب رامے نے ظاہری طور پر اسلام پسندی کا ملمع چڑھا رکھا ہے لیکن اُن کے اندر کا سوشلسٹ ابھی تک بیدار اور زندہ ہے۔ انھوں نے حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے کہ اسلام کے خلاف عوام کوئی بات برداشت نہیں کر سکتے۔ ملاؤں اور مُلّا ازم پر تنقید شروع کر دی۔ پھر محترم نے مزید دو قدم آگے بڑھائے اور اپنی تقاریر میں سرکاری دفاتر میں نماز کی ادائیگی کے احکامات کو سخت ناپسند کیا۔

موصوف نے بڑے تمسخرانہ انداز میں کہا کہ نمازیں ہمارے دفاع کو تو مضبوط نہیں بنا سکتیں؟ اور نہ ہی ملکی ترقی کے لیے مفید اور کارگر ثابت ہو سکتی ہیں۔ میں جناب سے اتنی سی بات پوچھنے کی جسارت کرتا ہوں کہ اگر نمازیں ہمارے ملکی دفاع یا ترقی میں مفید ثابت نہیں ہو سکتیں تو کیا آپ کے دور میں ثقافت اور فن کے نام پر سرکاری محکموں میں عریانی اور فحاشی اور بے حیائی کا جو کھیل کھیلا جا رہا ہے کیا وہ ملک کی ترقی اور دفاعی مضبوطی میں اضافہ کا باعث بن رہا ہے؟

جناب رامے کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ۶۵ء کی جنگ میں ہماری پاک افواج نے جنگی ساز و سامان کی محدود مقدار اور ناکافی وسائل کے باوجود دشمن کو شکست دی تھی اور چونڈہ کے محاذ پر ہندوستان نے ساڑھے چھ سو ٹینکوں سے جو زبردست حملہ کیا تھا۔ اس کو روکنے کے لئے ہمارے پاس اسلحہ کی مقدار بہت کم تھی۔ اس کے باوجود ہماری پاک افواج نے اس حملہ کو پسپا کر دیا تھا اور یہ اس لئے ہوا کہ برستے گولوں اور بارود میں ہمارے مجاہدوں نے باجماعت نماز ترک نہیں کی تھی۔

رامے صاحب! ہمارے مجاہدوں کے پاس اتنے بڑے حملے کو روکنے کے لئے محدود اسلحہ کے باوجود ایک بہت بڑی طاقت اور قوّتِ ایمان کی تھی۔

جناب رامے۔ در اصل اس قسم کی باتیں کر کے بالواسطہ اسلام پر تنقید کر رہے ہیں، لیکن رائے عامہ کی مخالفت کے خوف اور عوام کی اسلام سے محبّت کے پیشِ نظر وہ کھل کر اپنے لادینی نظریات کا اظہار نہیں کرتے۔ گویا ؎

صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

محمد حنیظ ظفر

نوجوانوں نے اپنے خون سے ہر دَور کے چہرے کو ضیا بخشی ہے

"اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان" کے ناظم اعلیٰ لیاقت بلوچ نے ڈویژن بہاولپور کے دورے کا آغاز رحیم یار خان سے کیا۔

۱۹ر فروری کو بعد از نمازِ عصر ٹاؤن ہال میں طلبہ کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

"اللہ تعالٰی نے فطرت کی تخلیق کے بعد اسے دو راستے دکھائے، ایک رحمٰن کا راستہ اور دوسرا شیطان کا راستہ۔ ایک عزّت کا راستہ اور دُوسرا ذلّت کا راستہ۔ اور انسان کو اختیار دیا کہ وہ جس راستے کو چاہے اختیار کرلے۔ رحمٰن کے راستے کو دکھانے کے لیے اللہ نے مختلف انبیاءؑ اور آخر میں حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کو مبعوث فرمایا۔ آپؐ نے انسانیت کو اس کی منزل دکھائی۔"

انہوں نے کہا "اسلام ہمیں ایک دوسرے سے محبّت و اخوّت سے پیش آنے کا درس دیتا ہے اور یہی سبق ہمیں نبی صلے اللہ علیہ وسلّم کی زندگی سے ملتا ہے۔ یہی پیغام جب عرب کے بدوؤں تک پہنچا اور وہ اس راستے پر چلے تو دنیا کی قیادت ان کے ہاتھ میں آگئی۔ اس لیے ہمیں اس راستے کو اختیار کرنا چاہیئے اور متحد و منظّم ہو کر اسلام کے غلبہ کے لیے جدّوجہد کرنی چاہیئے۔"

معززین کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے لیاقت بلوچ نے کہا:

"اسلامی جمعیت طلبہ نے اللہ کے دین اور اس کے پرچم کو بلند رکھنے کے لیے قربانیاں دی ہیں اور ان قربانیوں ہی کی بدولت یہاں باطل قوتیں دب چکی ہیں اور اسلام کے نفاذ کا آغاز ہو چکا ہے۔ اس وقت قوم کو اتحاد کی ضرورت ہے تاکہ طاغوت کو ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا جائے، لیکن ہمارے بعض نادان سیاستدان غلط راستوں پر چل رہے ہیں اور قوم کو انتشار کی راہ دکھا رہے ہیں۔ عوام کو ان سے باخبر رہنا چاہیئے۔"

۲۰ر فروری کو صبح ۱۱ بجے خان پور شہر سے باہر طلبہ نے لیاقت بلوچ کا استقبال کیا اور موٹر سائیکلوں پر جلوس کی صورت میں انہیں اجتماع گاہ (ترقی تعلیم سکول) تک لے جایا گیا۔ یہاں پر ناظمِ اعلیٰ کے علاوہ ناظم ڈویژن ممتاز احمد مالک اور پروفیسر سعید الزمان نے بھی طلبہ سے خطاب کیا۔ جناب لیاقت بلوچ نے کہا:

"پاکستان اور اسلام کی ترقّی کے لیے ضروری ہے کہ پوری قوم فرقہ بندی اور علاقائی و لسانی تعصبات سے بالاتر ہو کر اللہ تعالٰی کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لے۔ ماضی میں اتحاد ہی کی برکت سے پاکستانی قوم نے غلط نظریات اور جابر حکمرانوں سے چھٹکارا حاصل کیا۔ اسی اتحاد کے اثرات ایران اور افغانستان میں بھی اُبھر رہے ہیں، جہاں کفر والحاد کا جنازہ اٹھانے کے لیے نوجوان اور عوام سر بکف میدان میں اُتر آئے ہیں۔"

احمد پور شرقیہ میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

"ہمیں غیر ملکی طاقتوں سے ناطے جوڑنے اور اُن سے خائف رہنے کی ضرورت نہیں، بلکہ مُسلمان ریاستوں کو چاہیئے کہ وہ ہر استعمار کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہیں اور اپنا ایک الگ "مسلم بلاک" بنائیں، تاکہ ان استعماری طاقتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جاسکے۔"

اسی شام انہوں نے بہاول پور میں دفتر جمعیت میں طلبا کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"اسلامی جمعیت طلبہ اس وقت ہر اس قوت کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے، جو قوم کو انتشار کے گڑھے یا غلط نظریات کے چرنوں میں ڈالنے کے لیے کوشاں ہو۔"

۲۱ر فروری کو لیاقت بلوچ حاصل پور کے لیے روانہ ہوئے وہاں طلبہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

"آپ موجودہ دَور میں اپنی ذمّے داریوں کو پہچانیں اور باطل جو مختلف صورتوں میں بھیس بدل کر قوم کو گمراہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے، اس کی چالوں کو سمجھیں اور اُسے ناکام بنادیں۔ اسلام عمل کا دین ہے، اس میں اقرار و اعلان کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے۔"

چشتیاں میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

"ہمارا فرض ہے کہ ہم آنکھیں بند کر کے کسی کے پیچھے نہ چلیں، بلکہ ہمیں دل اور ضمیر کی آنکھیں کھول کر چلنا چاہیئے، اس لیے کہ جب بھی کوئی قوم حالات سے بے خبر رہ کر صرف سُننے اور سُنانے پر ہی اکتفا کرتی ہے اور حقائق کو پسِ پُشت ڈال دیتی ہے، تو اُس کا نام و نشان اس دُنیا سے مٹ جاتا ہے اور اگر وہ حقائق کو سامنے رکھ کر اپنی منزل کی جانب رواں دواں رہے، تو پھر کوئی بھی اس کی منزل کھوٹی نہیں کر سکتا۔"

۲۱ر فروری کی شام بہاول نگر جمعیت کے زیرِ اہتمام استقبالیہ میں تقریر کرتے ہوئے ناظمِ بہاول پور ڈویژن ممتاز احمد سالک نے کہا: "انسان کی جدّوجہد کا مقصد صرف رضائے الٰہی کا حصول ہونا چاہیئے نیز اُسے برائی کے خاتمے کے لیے جدّوجہد کرنی چاہیئے اور جمعیت کا مقصد نوجوان نسل کے کردار کو بدلنا ہے —— تاکہ اس قوم کی راہنمائی کے لیے ایسے افراد میسّر آسکیں، جو ان کی صحیح نمائندگی کرسکیں۔

استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے جناب لیاقت بلوچ نے کہا:

"نوجوانوں کی قربانیاں رنگ لائی ہیں اور آج ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کی ابتداء ہو چکی ہے۔ اب ہر حق والے کو اُس کا حق ملے گا اور ہر ظالم کے ظلم کا بدلہ چکایا جائے گا۔" جناب لیاقت بلوچ نے بعد نمازِ عشاء معززین کے ایک اجتماع سے بھی خطاب کیا۔

۲۲ر فروری کا دن ان کے ڈویژن بہاول پور کے دورے کا آخری دن تھا۔ ہارون آباد میں انہوں نے ۱۱ بجے جمعیت کے کارکنان کو موجودہ دور میں ان کی ذمّے داریوں کے بارے میں بتایا۔ بعد میں انہوں نے غلّہ منڈی مسجد میں عوام اور طلبہ کے ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"جب سیاست دانوں کی شخصیتیں ختم ہو رہی تھیں، جب ان کی پارٹیوں کے وجود کو خطرہ تھا اور انہیں اسمبلی کے ایوانوں سے اُٹھا کر باہر پھینکا جاتا تھا، تو ان لوگوں نے اپنی پارٹیوں کو بچانے کے لیے اتحاد کیا۔ قوم نے اتحاد کا ساتھ دیا اور ایک جابر اور قاتل حکمران کو اقتدار سے الگ ہونا پڑا۔ لیکن آج جب کہ ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کا آغاز ہو چکا ہے، تو یہ لوگ پھر آپس میں دست و گریباں ہیں۔ جب انہیں جیلوں میں بھیجا جاتا تھا اور ایوانوں سے باہر اُٹھا پھینکا جاتا تھا، اس وقت نہ انہیں کوئی فرقہ یاد تھا اور نہ کوئی سوادِ اعظم کی بات کرتا تھا، لیکن آج پھر انہیں فرقے بھی خطرے میں پڑتے نظر آتے ہیں۔ کوئی قومیتوں کی بات کرتا ہے اور کوئی سوادِ اعظم کی۔ عوام کو چاہیئے کہ وہ متحد رہیں اور شخصیات کے بجائے نظریات کو اہمیت دیں اور متحد ہو کر طاغوت کو ہمیشہ کے لیے دفن کر دیں۔"

شام کو انہوں نے فورٹ عباس میں عوام اور طلبہ کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"جب بھی ملک کو ہماری ضرورت پڑی، ہم نے اس ملک کی سالمیّت اور تحفّظ کے لیے قدم قدم پر اپنا خون نچھاور کیا اور یہ ہم نے کسی فرد، گروہ یا سیاسی جماعت کے لیے نہیں، بلکہ صرف اس مقصد کے لیے کیا کہ اللہ کی زمین پر اُس کے قانون کو نافذ کرنا چاہیئے، لیکن آج بعض سیاستدان ہمیں ملک دشمن کہتے ہیں، لیکن یہ محبِّ وطن اور پاکستان کے مالک اُس وقت کہاں تھے، جب مشرقی پاکستان کی سالمیت کو خطرہ تھا، محبِّ وطن پاکستانیوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی تھی۔ اُس وقت جمعیت ہی تھی جس نے اپنے چھ ہزار کارکنان کو "البدر" کی صورت میں منظّم کر کے ملک کے تحفّظ اور سالمیّت کی خاطر قربان کر دیا۔ اس وقت یہ سیاست دان اور پاکستان کے مالک کہیں نظر نہیں آتے تھے۔

انہوں نے اہلِ اقتدار کو متنبہ کرتے ہوئے کہا:

"اہلِ اقتدار حضرت عمرؓ کا کردار اپنے اندر پیدا کریں اور اپنے اندر اپنے فیصلوں پر عمل کرانے کی جرأت و ہمت پیدا کریں۔ اگر اہلِ اقتدار نے عدالت کے فیصلے پر عملدرآمد کے سلسلے میں بیرونی دباؤ قبول کیا اور ٹال مٹول کی، تو طلبہ تحریک چلائیں گے اور ملک میں امن اب صرف اس صورت میں قائم رہ سکتا ہے کہ یہاں انصاف کا بول بالا ہو اور ہر فرد کو انصاف ملے۔"

●●

شاہد امین

پنجاب میڈیکل کالج فیصل آباد

ہفتۂ اسلامی تقریبات کی رُوداد

جہاں ملک میں جنرل محمد ضیاء الحق کی طرف سے اسلامی اصلاحات نافذ کی گئی ہیں، وہاں طالب علم برادری بھی فضا کو اسلامی بنانے کی کوششوں میں لگی ہوئی ہے۔ پنجاب میڈیکل کالج فیصل آباد کی نئی یونین کے تحت کالج میں پہلی مرتبہ ہفتہ اسلامی تقریبات کا پروگرام بنایا گیا۔ یہ ۴ رفروری سے ۸ رفروری تک منایا جا رہا تھا کہ کالج غیر معینہ مدت کے لئے بند کر دیئے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں سٹوڈنٹس یونین کے یونین گزٹ کا ربیع الاول نمبر شائع کیا گیا۔

کالج میں احادیث نبوی کی تختیاں آویزاں کی گئیں۔

کالج کیمپس ہی میں اسلامی کتب کا اسٹال لگایا گیا اور یہ کتب سستے نرخوں پر فراہم کی گئیں۔

لائبریری کے لئے اسلامی کتب منگوائی گئیں۔

سٹوڈنٹس یونین کی ان اسلامی کاوشوں کا ہر جگہ خیر مقدم کیا گیا۔ کالج کے طلباء و طالبات نے بھی اس قدم کو بہت سراہا اس سے یہ تاثر کسی حد تک کم ہو گیا کہ طلباء و طالبات اسلام سے فرار کی راہیں تلاش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں پرنسپل ڈاکٹر فتح محمد اور انچارج یونین ڈاکٹر محمد انیس کی پُرخلوص تمناؤں کا ذکر نہ کرنا بھی زیادتی ہو گی۔ یہ ہفتہ اسلامی تقریبات آل پاکستان انٹر کالجیٹ تھا جس کے تحت ۔۔ ۴ رفروری کو محفل حسن قرآت، نعت، ۵ رفروری کو تعلیم و ادب میں عقیدت رسول کا عنصر کے موضوع پر تقاریر۔ ۶ رفروری کو اسلامی ذہنی آزمائشی مقابلہ اور ۷ رفروری کو مذاکرہ ؛ نظام مصطفےٰ اور موجودہ دور کے تقاضے ہونا تھا، مگر کالج بند ہونے کی وجہ سے صرف ۴ رفروری کا پروگرام ہو سکا۔

مقابلہ حسن قرآت

۴ رفروری کو شام سات بجے کے قریب محفل حسن قرآت و حسن نعت ہوئی اس کی صدارت صدر یونین نیاز علی محسن نے کی اور مہمان خصوصی قاری اللہ بخش ورک صاحب تھے۔ جوائنٹ سیکرٹری وحید احمد نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض بخوبی سر انجام دیئے۔ اس تقریب کا آغاز آصف حسین نائب صدر کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ پھر وحید احمد نے پچھلی تقریب جلسہ تقسیم انعامات پڑھ کر سنائی۔ پہلے مقابلہ حسن قرآت ہوا اس کے جج صاحبان قاری منظور احمد صاحب اور ڈاکٹر محمد انیس صاحب تھے۔ پنجاب میڈیکل کالج کی طرف سے حافظ محمد لیسین سال چہارم غلام مرتضےٰ سال اوّل۔ ارشد جہانگیر سال اوّل، آصف سلیم سال آخر، محمد اسحاق ساجد سال دوئم حافظ محمد ایوب سال اوّل، حافظ سکندر حیات سال دوم، عبد الجبار سال دوم اور محمد اشرف سال دوم نے حصہ لیا۔ کالج کے لئے صرف حوصلہ افزائی کا انعام مخصوص تھا۔ اوّل، دوئم اور سوئم انعامات کے لئے مہمان کالجز میں مقابلہ ہوا۔ گورنمنٹ کالج آف سائنس سے محمد سلطان، گورنمنٹ ملت کالج سے افتخار الحسن، گورنمنٹ کالج سے ظفر محمود، گورنمنٹ میونسپل کالج سے محمد انور عابد۔ کامرس کالج سے ناصر جاوید، گورنمنٹ اسلامیہ کالج سے قاری خلیل احمد طاہر زرعی یونیورسٹی سے نثار حسین بخاری اور گورنمنٹ اسلامیہ کالج سے قاری عظمت محمود نے شرکت کی۔

محفل نعت

محفل حسن قرآت کے بعد محفل حُسن نعت کا مقابلہ ہوا۔ نعت شریف کے اس مقابلے میں اپنے کالج کی طرف سے محمد آصف سلیم سال آخر سرفراز احمد وڑائچ سال اوّل نعیم احمد سال چہارم اور کوثر پروین نواز سال سوئم نے حصہ لیا، جبکہ گورنمنٹ میونسپل کالج سے محمد انور عابد گورنمنٹ کالج سے ظفر محمود، گورنمنٹ ملت کالج سے افتخار الحسن گورنمنٹ میونسپل کالج سے محمد سرور، گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن سے محمد ظفر اقبال اسلام آباد سے نوکر علی کامرس کالج سے ندیم چوہان اسلامیہ کالج سے قمر الاسلام زرعی یونیورسٹی سے سید نثار حسین بخاری گورنمنٹ کالج آف کامرس ہی سے ناصر جاوید نے حصہ لیا۔ اس کے جج صاحبان قاری عطاء المصطفےٰ اور ڈاکٹر محمد انیس صاحب تھے۔

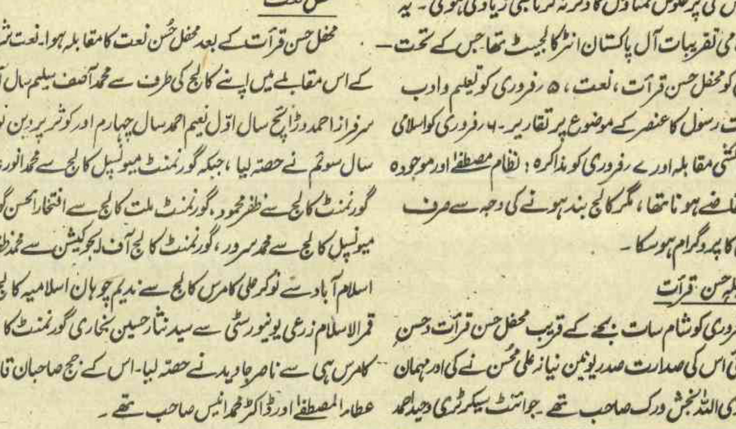

محمد آصف سلیم، ظفر محمود، محمد لیسین اور ظفر اقبال انعام وصول کر رہے ہیں

اس کے بعد صدر یونین نیاز علی محسن نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہماری یونین نے تقریبات کا آغاز یومِ حسین سے کیا اور یہ دن پہلی مرتبہ ہماری یونین کے تحت منایا گیا۔ اب ہم ہفتہ اسلامی تقریبات منا رہے ہیں۔ تاہم ان سب اسلامی تقریبات کا فائدہ تبھی ہے جب طلباؤ طالبات اپنے طور پر اسلامی رنگ میں رنگے جائیں۔ پرنسپل ڈاکٹر فتح محمد چودھری نے طلباء و طالبات پر زور دیا کہ وہ جس قدر بھی ہو سکے اسلامی اقدار کو اپنائیں۔ انھوں نے اسلامی تقریبات کے آغاز پر سٹوڈنٹس یونین کو مبارک باد دی۔ مہمانِ خصوصی قاری اللہ بخش ورک نے اپنی تقریر میں پرنسپل اور یونین اور طلباء و طالبات کا شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے ایک نیک و پاکیزہ محفل میں ان کو مہمانِ خصوصی بننے کی دعوت دی۔ آخر میں چیف جج پروفیسر ڈاکٹر محمد انیس نے انعامات کا اعلان کیا اور ساتھ ہی مہمانِ خصوصی نے انعامات تقسیم کیے۔

محفلِ حسنِ قرأت میں سید نثار حسین بخاری زرعی یونیورسٹی اوّل۔ قاری عظمت محمود گورنمنٹ اسلامیہ کالج دوم۔ قاری ناصر جاوید گورنمنٹ کامرس کالج سوئم رہے اور اپنے کالج کے محمد آصف سلیم کو حوصلہ افزائی کا انعام دیا گیا۔

محفلِ حسنِ نعت میں محمد ظفر اقبال گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن اوّل سید نثار حسین بخاری زرعی یونیورسٹی دوئم۔ ظفر محمود گورنمنٹ ڈگری کالج سوئم رہے جبکہ اپنے کالج کے محمد آصف سلیم کو حوصلہ افزائی کا انعام دیا گیا۔

چیچہ وطنی میں سیرت کانفرنس

تحریک طلباء اسلام کے زیرِ اہتمام ٹاؤن میں ایک روزہ سیرت کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ مجلس احرار اسلام کے ضلعی امیر مولانا عبد العلیم رائے پوری کی زیرِ صدارت اس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے تحریک کے مرکزی صدر محمد عباس نجمی نے کہا کہ انسانیت کی تمام مشکلات کا حل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی میں مضمر ہے۔ انتشار و افتراق کے اس دور میں، جب کہ مختلف انسانی نظریات باہم دست و گریباں ہیں، ہادیٔ برحق صلعم کی سیرتِ مقدسہ کو عام کرنا وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔ انہوں نے عوام سے اپیل کی کہ وہ حکومت الٰہیہ کے قیام کے لئے متحد ہو جائیں۔ تحریکِ طلبائے اسلام کے مرکزی ناظمِ اعلیٰ شاہد محمود کاشمیری نے کہا کہ حضور صلعم سے محبت مسلمان کا جزو ایمان ہے اور ہمارا کوئی عمل اس وقت تک بارگاہِ خداوندی میں شرفِ قبولیت حاصل نہیں کر سکتا، جب تک کہ اتباع حضور صلعم کی نیت نہ ہو۔ تحریک کے مرکزی نائب ناظم عبد الطیف خالد نے اپنی تقریر میں کہا کہ حضور صلعم دنیا سے استحصال اور جبر و ظلم کا خاتمہ کر کے اسلامی بنیادوں پر ایک خوشحال اور صحت مند معاشرہ قائم کرنے کے لئے تشریف لائے اور آج انسانیت جس نئے نظام کی متمنی ہے، وہ حضور صلعم کا لایا ہوا اسلامی نظام ہی ہو سکتا ہے۔

سیرت کانفرنس سے مولانا ارشاد احمد، راؤ راحت حسین، حافظ محمد اشرف، قاری رشید احمد، شوکت محمود، محمد نصر اللہ اور قاری محمد صدیق نے بھی خطاب کیا۔

حج کیجئے ـــــ حاجی نہ کہلائیے

گذشتہ ہفتے لاہور میں حج کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس موقع پر ”خدمتِ عوام پارٹی“ نے حج کانفرنس کے ثمرکار کو حاجیوں کی مشکلات اور اُن سے متعلق تجاویز سے آگاہ کرنے کے لیے ایک پریس ریلیز جاری کیا۔ استفادۂ عام کے لیے ہم اسے ”زندگی“ میں شائع کر رہے ہیں۔

۱۔ حاجی جب جدّہ پہنچتے ہیں، تو وہاں سے مکہ پہنچنے کے لئے سرکاری طور پر کوئی معقول بندوبست نہیں ہوتا۔

۲۔ ایک چھوٹے سے کمرے کا کرایہ اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ حج کی سعادت حاصل کرنے والے بمشکل اپنا گزارہ کرتے ہیں اور ایک ایک کمرے میں درجنوں آدمی رہتے ہیں، جن میں بوڑھے، جوان، عورتیں اور بیمار حضرات بھی ہوتے ہیں، جو کہ طبی طور سے نقصان دہ ہے۔

۳۔ مکّہ شریف میں پانی کی بے انتہا قلّت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۴۔ حاجیوں کے لئے مترجم ہونے چاہئیں اور یہ مترجم اپنے ہی ملک کے ہونے چاہئیں، کیونکہ ۸۰ فیصد لوگ ان پڑھ ہوتے ہیں۔

۵۔ مدینہ منورہ میں ہوسٹل بہت مہنگے ہیں۔ اس جگہ پاکستان رہائش گھر تعمیر ہونا چاہیئے۔

۶۔ ”جمرہ“ کے مقام پر جہاں حاجی صاحبان شیطان کو کنکریاں مارتے ہیں۔ اس جگہ عورتوں کا اس عمل کے لئے علیحدہ انتظام ہونا چاہیئے، کیونکہ یہاں پر بہت بھیڑ ہوتی ہے۔

۷۔ ہر معلّم کو حاجی صاحبان فی کس ۳۲۰۰/- روپیہ ادا کرتے ہیں، جو کہ بہت ہی زیادہ ہے۔ معلّموں کا معاوضہ کم ہونا چاہیئے، نیز یہ معلّم اپنے اپنے ملکوں سے ہونے چاہئیں۔

۸۔ حاجی صاحبان کے لئے قربانی کا میدان بہت ہی چھوٹا ہے۔

۹۔ مکہ سے عرفات صرف نو میل ہے، جو لوگ بسوں سے جاتے ہیں، ان سے دونوں طرف کا کرایہ تین سو ریال یعنی ۹۰۰/- روپیہ وصول کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ حج کے دنوں میں قربانی کے جانور بہت مہنگے داموں فروخت ہوتے ہیں۔ سعودی حکومت کو چاہیئے کہ سستے داموں جانور حاجی صاحبان کو مہیا کرے۔

۱۱۔ حاجی صاحبان کو بہت کم کرنسی اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت ہوتی ہے۔ خاص طور پر سمندری جہاز سے سفر کرنے والوں کے لئے یہ رقم بہت ہی کم ہے، کیونکہ ان کو کم از کم سعودی عرب میں تین ماہ قیام کرنا ہوتا ہے۔

۱۲۔ خواتین کے لئے علیحدہ رہائش کا انتظام نہیں ہوتا۔ خواتین جو اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ نہیں ہوتیں، ان کی رہائش کا انتظام علیحدہ ہونا چاہیئے۔

تجاویز

حاجی صاحبان جو قربانی دیتے ہیں، اس کا گوشت اور کھالیں بالکل ضائع چلی جاتی ہیں۔ وہاں پر کولڈ سٹوریج قائم کر کے اور اس گوشت کو ڈبوں میں بند کر کے فروخت کیا جاسکتا ہے اور کھالیں بھی کام میں لائی جاسکتی ہیں۔ حکومتِ پاکستان کو چاہیئے کہ وہ سعودی حکومت کو اس مسئلے کی طرف توجہ دینے پر آمادہ کرے۔ اس پیسہ سے غریبوں کی تقدیر بدلی جاسکتی ہے۔

۲۔ حکومتِ پاکستان کو چاہیئے کہ ہر محکمے سے کچھ فیصد نوجوان لوگوں کو ہر سال حج کی سہولتیں دے اور ان کی ریٹائرمنٹ تک ان سے قسط وار تنخواہ میں سے وہ رقم وصول کرے۔

۳۔ حج پر جانے والے ہر شخص سے حکومت پاکستان فی حاجی ۲ روپے وصول کرے اور اس روپے سے بذریعہ قرعہ اندازی حکومتِ پاکستان نادار، اپاہج اور بے سہارا لوگوں کو حج پر بھیجے۔

۴۔ حج پر جانے کے لئے حاجی صاحبان کو بحری جہازوں کی بجائے ہوائی جہازوں پر بھیجا جائے، تاکہ حاجی صاحبان کا زیادہ سے زیادہ وقت بچ جائے۔ اس سلسلے میں تمام اسلامی ممالک کو چاہیئے کہ حج کے دوران میں مشترکہ اسلامی ایرلائن قائم کریں اور ٹکٹ میں بھی رعایت دیں۔

جو طالب علم کسی بھی امتحان میں فرسٹ، سیکنڈ اور تھرڈ آئے، حکومت پاکستان کو چاہیئے کہ اس کو حکومت کی طرف سے مفت حج کی سعادت دلائی جائے۔

۶۔ تمام اسلامی سفارت خانوں میں کام کرنے والے ایک یا دو ملازمین کو سفارت خانے کے ذریعے ہر سال مفت حج کروایا جائے۔

۷۔ سرکاری و نیم سرکاری محکمے حج سے تین چار ماہ پہلے اپنے محکمے میں گریڈ ایک سے لے کر گریڈ ۱۶ تک کے ایسے لوگ منتخب کریں، جو حج کے کل اخراجات کا نصف یا تہائی خرچ کر سکیں۔ ایسے تمام لوگوں کے نام اکٹھے کر کے حکومت اپنے حساب اور کوٹہ کے مطابق ان میں سے قرعہ اندازی کے ذریعے انتخاب کرے اور حج کے باقی اخراجات قومی خزانے سے ادا کئے جائیں۔

۸۔ نام کے ساتھ لفظ ”حاجی“ لگانے کی ممانعت کر دی جائے۔ آہستہ آہستہ یہ ٹائیٹل بڑائی اور نسب کا نشان بنتا جا رہا ہے۔ حج کرنا ایک مسلمان پر اگر اس کو توفیق ہو، تو فرض ہے۔ کسی بھی اکابر اسلام نے آج تک اس کو اپنے نام کے ساتھ استعمال نہیں کیا۔

۹۔ حکومت نے مختلف قسم کی سرمایہ کاری پر انکم ٹیکس کی چھوٹ دے رکھی ہے۔ اس طرح حکومت حج بانڈ بھی جاری کرے، جو شخص بھی اپنی آمدنی میں سے ایک خاص حد تک یہ حج بانڈ خریدے۔ اس کو انکم ٹیکس میں اتنی رقم تک کی چھوٹ دی جائے۔ اور ان بانڈوں کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم حکومت صرف حج کے اخراجات کے لئے استعمال کرے۔

۱۰۔ حج کے موقع پر ہر سال حکومت مختلف محکموں سے وفد بھیجتی ہے، ان کا انتخاب بہت چھان بین کے بعد کرنا چاہیئے۔ اور ان کی کارکردگی کا ہر سال جائزہ لینے کے بعد ان کو آئندہ کے لئے منتخب کرنا چاہیئے۔

ٹرائل محض ڈرامہ تھے

کھلاڑیوں کا انتخاب پہلے ہی کیا جا چکا تھا

بہاؤالدین کرمانی انٹرنیشنل ہاکی کوچ اور اے گریڈ کے بین الاقوامی ایمپائر ہیں۔ ذیل میں انہوں نے قومی ہاکی ٹیم کی سلیکشن کے لیے منعقدہ کیمپ کے بارے میں بحث کی ہے۔ کوئی صاحب ان سے اختلاف کرنا چاہیں تو ان کے لیے بھی "زندگی" کے صفحات حاضر ہیں۔

چند روز ہوئے پاکستان ہاکی فیڈریشن نے فیصل آباد میں نیشنل ہاکی چیمپئن شپ کے فائنل راؤنڈ کے بعد پاکستان ہاکی ٹیم کے انتخاب کے سلسلے میں دو روزہ ٹرائیل منعقد کیے جن میں چالیس لڑکوں کو منتخب کیا گیا۔ ان میں سے پرتھ میں ہونے والے انٹرنیشنل ٹورنامنٹ کے لیے قومی ٹیم کا انتخاب کیا جائے گا۔

کھلاڑیوں کے اس انتخاب پر نظر ڈالیں تو افسوسناک حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہ ٹرائلز قوم کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف تھے۔ یہ سلیکشن سیاست، گروہ بندی اور کنبہ پروری پر مبنی تھی۔ منتخب شدہ کھلاڑیوں کا انتخاب ٹرائلز سے بہت پہلے ہو چکا تھا اور ٹرائلز منعقد کرنے کا ڈرامہ قوم کو بیوقوف بنانے کے لیے رچایا گیا۔ چالیس میں سے ۳۳ کھلاڑیوں کی فہرست پاکستان ہاکی فیڈریشن کے سیکرٹری نے سلیکشن کمیٹی کو دے رکھی تھی اور سلیکشن کمیٹی کا کام دو روز میں بقیہ سات نشستوں کو پُر کرنا تھا۔

اس دفعہ قومی ٹیم کا انتخاب پہلے کے مقابلے میں زیادہ اہمیت کا حامل تھا کیونکہ اس سے تقریباً ڈیڑھ ماہ قبل اصلاح الدین، شہناز شیخ اور سعید خان جیسے نامور کھلاڑی ریٹائرمنٹ کا اعلان کر چکے تھے۔ ان کھلاڑیوں کی جگہ پُر کرنے کے لیے سلیکشن کمیٹی پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی تھی کیونکہ ان میں سے اوّل الذکر دو اصحاب ماضی میں قومی ٹیم کے روح رواں رہے تھے۔ ان حالات میں چاہیے تو یہ تھا کہ سلیکشن کمیٹی گروہی سیاست سے بالاتر ہو کر وسیع تر قومی مفاد اور جذبۂ رواداری کے تحت ہر اچھے کھلاڑی کے کھیل پر نظر رکھتی اور سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کیا جاتا لیکن ٹیم کے انتخاب کے لیے جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ سراسر غلط اور ناانصافی پر مبنی تھا۔

سابقہ طریقۂ کار یہ تھا کہ قومی ہاکی چیمپئن شپ کے ابتدائی راؤنڈز کے مقابلے جس جس سنٹر میں ہوتے، وہاں سلیکشن کمیٹی کا ایک رکن ضرور موجود ہوتا اور اس کی ذمہ داری یہ ہوتی تھی کہ وہ ٹورنامنٹ میں ہونے والے تمام میچ دیکھے اور فارم کی بنیاد پر کھلاڑیوں کی فہرست تیار کرے۔ فائنل راؤنڈ کے اختتام پر ایسی فہرستوں میں شامل تمام کھلاڑیوں کو تین تین یا چار چار مرتبہ کھلا کر دیکھا جاتا اور اس کے بعد قومی ٹیم کے انتخاب کے لیے لگنے والے کیمپ میں کھلاڑیوں کا فیصلہ کیا جاتا۔ اس بار یوں ہوا کہ ابتدائی راؤنڈز میں جو حیدرآباد، لاہور، ساہیوال اور پشاور میں ہوتے سلیکشن کمیٹی کا کوئی نمائندہ نہ گیا، اس کے برعکس یہ خبر دی گئی کہ ٹرائیل اوپن ہیں، ان میں ہر کھلاڑی شرکت کر سکتا ہے۔

ایک اندازے کے مطابق ڈیڑھ سو سے زائد کھلاڑیوں نے ٹرائلز میں حصہ لیا۔ یہ ٹرائیل دو روز جاری رہے اور صبح اور شام کھیل ہوا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق کسی بھی کھلاڑی کو بیس پچیس منٹ سے زیادہ وقت نہیں ملا۔ سابقہ طریقہ سے انحراف ہی مقصود تھا تو ٹرائلز کی مدت چار، پانچ روز

سید بہاؤالدین کرمانی

تک بڑھا دی جاتی تاکہ ہر کھلاڑی کو جوہر دکھانے کا موقع ملتا اور اس کے ساتھ پورا پورا انصاف ہو سکتا، لیکن وہاں تو منتخب شدہ کھلاڑیوں کی فہرست پہلے سے تیار تھی۔ چند کھلاڑیوں کا مسئلہ تھا وہ بعد میں طویل مباحثے کے بعد علاقائی اور اقربا پروری کی بنیاد پر حل کر لیا گیا۔ اگر ٹرائیل صحیح خطوط پر ہوتے تو آج بہت سے ہونہار کھلاڑی کیمپ سے باہر نہ ہوتے۔

یہ پہلا موقع تھا کہ ٹرائیلز ختم ہونے کے بعد کھلاڑیوں کے ناموں کا نہ تو گراؤنڈ میں اعلان کیا گیا اور نہ ہی اگلے روز کسی پریس کانفرنس میں ان کی تشہیر کی گئی۔ یہ بات بذاتِ خود ایک واضح ثبوت ہے کہ قومی ٹیم کے انتخاب میں دھاندلیاں ہوئیں۔ درحقیقت سلیکشن کمیٹی کا معیار یہ تھا کہ اپنے اپنے محکمہ، زون، بیٹوں، عزیزوں اور دوستوں کی سفارشات پر انتخاب کیا جاتے۔ اسی وجہ سے کئی روز تک کھلاڑیوں کے ناموں کا اعلان نہ ہو سکا۔ آٹھ، دس روز بعد کراچی کے اخبار "ڈان" نے سلیکشن کمیٹی کے چیئرمین محمود الحسن کے حوالے سے چالیس کھلاڑیوں کے نام شائع کر دیے۔ ایک ہفتہ بعد اسی اخبار میں چالیس لڑکوں کے انتخاب کے بارے میں ایک خبر چھپی۔ نئی فہرست میں شامل کئی کھلاڑی پرانی فہرست میں موجود نہیں تھے۔ اس تضاد سے سلیکشن کمیٹی کی بددیانتی آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔ سلیکشن کمیٹی کے ذہن میں ایک اور بات بھی تھی۔ اس نے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ پاکستان ہاکی فیڈریشن سے اختلاف رکھنے والے کسی کھلاڑی کو خواہ وہ کتنا اچھا ہی کیوں نہ ہو، ہرگز منتخب نہیں کیا جائے گا۔ اسی لیے بہت سے اچھے کھلاڑی جو کیمپ میں آنے کے پوری طرح حقدار تھے، ذاتی اختلافات کی بھینٹ چڑھ کر منتخب نہ ہو سکے۔

محمود الحسن سلیکشن کمیٹی کے چیئرمین تھے۔ وہ کسٹم ہاکی ٹیم کے انچارج بھی ہیں۔ انہوں نے کراچی زون کے کھلاڑیوں کو کیمپ میں منتخب کروانے میں دل کھول کر مدد دی۔ ان کے دوسرے ساتھی خالد محمود نے بھی جو کسٹم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس مشن کو بڑی خوبی سے آگے بڑھایا۔ ان کے علاوہ رشید جونیئر اور نصیر بندہ سلیکشن کمیٹی کے ممبر تھے۔ رشید جونیئر پی آئی اے کے ملازم ہیں اور تقریباً ۲ سال قبل انٹرنیشنل ہاکی سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ انہوں نے یہ بہادری کی کہ پی آئی اے کے ریزرو کھلاڑیوں کو بھی کیمپ میں ڈال دیا۔ نصیر بندہ پنڈی زون کے صدر ہیں۔ انہوں نے پنڈی کے ۲ کھلاڑی منتخب کر لیے جن میں ایک ان کا لختِ جگر ناصر نصیر فل بیک کی پوزیشن پر اور دوسرا زاہد رائیٹ آؤٹ کی پوزیشن پر آئے ہیں۔ یہ دونوں کھلاڑی اس پائے کے نہیں تھے کہ قومی ٹیم میں آتے۔

مجموعی طور پر پی۔ آئی۔ اے کے گیارہ، نیشنل بنک کے چھ، کراچی زون کے دس، کسٹم کے چھ، پولیس کا ایک، راولپنڈی کے دو، پشاور کا ایک، ملتان کا ایک اور لاہور کے تین کھلاڑی

چُننے گئے۔ آرمی، ایئر فورس، ریلوے، نیوی، حیدر آباد، سکھر، بہاولپور، سرگودھا، ہزارہ اور کوئٹہ ڈویژنوں سے کوئی کھلاڑی نہیں لیا گیا۔ یا تو ان میں صلاحیت نہیں تھی یا پھر ان کا کوئی نمائندہ سلیکشن کمیٹی میں نہیں تھا۔ عجیب بات ہے کہ جو ٹیمیں فائنل میں کھیلیں یعنی پی آئی اے اور نیشنل بنک۔ ان میں سے ایک کے گیارہ کھلاڑی چُن لیے گئے اور دوسری کے صرف چھ۔ تیسرے نمبر پر آنے والی پاکستان پولیس کا صرف ایک کھلاڑی لیا گیا اور چوتھے نمبر پر رہنے والی کسٹم کی ٹیم کے چھ کھلاڑی چُن لیے گئے۔ چھٹے اور ساتویں نمبر پر آنے والے کراچی زون کے دس کھلاڑی کیمپ میں آنے کے حقدار ٹھہرے۔ کراچی زون بی دس گول سے ہار گئی۔ اس کے باوجود اس کے بھی دو کھلاڑی لے لیے گئے، لیکن ستم ظریفی کی انتہا پولیس ٹیم کے ساتھ ہوئی۔ یہ ٹیم شاندار کھیل کی بدولت تیسرے نمبر پر رہی، لیکن اس کا صرف ایک کھلاڑی کیمپ میں جا سکا۔ شاید اس لیے کہ سلیکشن کمیٹی میں پولیس کا کوئی نمائندہ نہیں تھا۔ اگر ذرا بھی ایمانداری برتی جاتی تو اس ٹیم کے کم از کم پانچ کھلاڑی قومی کیمپ میں آسکتے تھے۔

پولیس کے گول کیپر رزاق چند ماہ پہلے انڈر ۲۰ ٹیم کے ساتھ یورپ کا دورہ کرکے آئے ہیں اور اس سے پہلے یوتھ ٹیم کے ساتھ چین، جاپان اور کابل کا دورہ کر چکے ہیں۔ وہ جانے کن وجوہات کی بنا پر منتخب نہیں ہو سکے اور ان کی جگہ پشاور کے گول کیپر عزیز اللہ کو لیا گیا ہے۔ اس لیے کہ ظفر علی خان ظفری نے جو پی ایچ ایف کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر ہیں۔ ان کی سفارش کی تھی۔ ایک نوجوان ابھرتا ہوا کھلاڑی سفارش کی نذر ہو گیا۔ اس کے علاوہ افتخار جونیئر رائٹ آؤٹ کی پوزیشن پر سال، دو سال قبل اصلاح کے ساتھ زیرِ تربیت کیمپوں میں رہ چکے ہیں۔ وہ بھی نامعلوم وجوہات کی بنا پر کیمپ میں داخل نہ ہو سکے۔ یہی حال سلیم بٹ کا ہوا۔ فل بیکس میں خالد برکی کو بھی شامل نہ کیا گیا۔

جو پوزیشن کھلاڑیوں کی ریٹائرمنٹ سے خالی ہوئیں۔ ان کے لیے پانچ پانچ یا چھ چھ کھلاڑی لیے جاتے تاکہ جوہرِ قابل کی تلاش آسان ہوتی، لیکن ایسا نہیں کیا۔ رائیٹ ہاف کی پوزیشن کے لیے رشید الحسن، محمد رشید اور منیر بھٹی کو لیا گیا ہے۔ منیر بھٹی سنٹر ہاف کھیلتے ہیں۔ انہیں اس پوزیشن کے لیے نہیں لینا چاہیئے تھا، جو اور کھلاڑی نہیں لیے گئے وہ وقار یوسف، انور جمشید اور طالب حسین ہیں۔ سنٹر ہاف کے لیے اختر رسول، ساجد برکی اور اکبر کو لیا گیا ہے۔ میرے خیال میں اس پوزیشن کے لیے اختر رسول، کلیم اللہ، منیر بھٹی اور محمد سعید کو لینا چاہیئے تھا۔ لیفٹ ہاف کے لیے شفیق، افتخار اور سلیم کا انتخاب ہوا ہے۔ سلیم لاہور زون کی طرف سے قومی چیمپئن شپ کے ابتدائی راؤنڈ میں لیفٹ آؤٹ کھیلے تھے۔ وہ کمزور جسم کے مالک ہیں چین اور جاپان جانے والی قومی ٹیم میں نمبر ایک کی حیثیت سے گئے تھے لیکن بُری طرح ناکام رہے۔ انہیں اس بنیاد پر کیمپ لے لیا گیا کہ سلیکشن کمیٹی کے چیئرمین محمود الحسن کے بیٹے نے ان کی سفارش کی تھی اور وجہ سفارش یہ تھی کہ لڑکا غریب ہے کیمپ میں آئے گا تو اچھی ملازمت مل جائے گی۔ دیانتداری اور انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ لاہور زون کے طارق نذیر اور کراچی کے طارق علی خان کو لیا جاتا۔ طارق نذیر کئی سالوں سے قومی کیمپوں میں آرہے تھے۔ وہ ارجنٹائنا میں ہونے والے ورلڈ کپ میں پاکستانی ٹیم کے سٹینڈ بائی تھے اور کوالالمپور میں ہونے والے جونیئر ورلڈ کپ کے ابتدائی راؤنڈ میں قومی ٹیم کے ممبر بھی تھے، لیکن وہ بھی نظر انداز کر دیے گئے۔

رائیٹ آؤٹ کے لیے کلیم اللہ، نسیم مرزا اور زاہد کو لیا گیا ہے۔ حالانکہ اس پوزیشن کے لیے ریگولر کھلاڑی لینے چاہئیں تھے۔ کلیم اللہ بنیادی طور پر سنٹر ہاف ہیں۔ میرے خیال میں پولیس کے افتخار خان، پی آئی اے کے رعنا، ریلوے کے سہیل، کراچی کے خورشید اور یو بی ایل کے سرفراز کو موقع دینا چاہیے تھا۔ اسی طرح رائٹ ان کے لیے منظور جونیئر، فاروق اختر، مشتاق اور ادریس لیے گئے ہیں۔ ادریس کا انتخاب سلیکشن کمیٹی کے چیئرمین محمود الحسن کے عزیزوں کی سفارش پر۔ محمود الحسن کا آبائی گاؤں ضلع ساہیوال میں ہے۔ انہوں نے یہ کہہ کر ادریس کو منتخب کر لیا کہ اس بہانے اسے کسٹم میں نوکری مل سکے گی۔ حالانکہ یہ لڑکا عمر کے لحاظ سے کافی بڑا ہے۔ اس کے بجائے شہناز شیخ کے چھوٹے بھائی شہزاد شیخ اور پاکستان یونیورسٹیز کے عدنان ذکار کو موقع دینا چاہیئے تھا۔

●●

کھلاڑیوں کو

ریٹائرمنٹ کے عوض بھاری مُعاوضے کی پیشکش کی گئی

زندگی کے گذشتہ شمارے میں پاکستان ہاکی فیڈریشن کے سیکرٹری بریگیڈیئر منظور حسین عاطف نے قومی ہاکی ٹیم کے انتخاب کے بارے میں فیڈریشن کا نقطۂ نظر پیش کیا تھا۔ ان کے جواب میں پاکستان ہاکی فیڈریشن کے سابق نائب صدر اور انٹرنیشنل اے گریڈ ایمپائر شیخ ابرار احمد نے ہمیں یہ مراسلہ ارسال کیا ہے۔

"زندگی" کے ایک گذشتہ شمارے میں، میں نے واضح دلائل کے ساتھ اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ اصلاح الدین اور شہناز کا پاکستان ہاکی ٹیم سے اس مرحلہ پر علیحدہ ہونا نیک فال نہیں ہے۔ ان دونوں کھلاڑیوں کو ہاکی کی تاریخ میں ایک لافانی مقام حاصل ہے اور یہ کہ انہیں بین الاقوامی ہاکی سے زبردستی علیحدہ کیا گیا ہے۔ اس کے جواب میں بریگیڈیئر عاطف نے بحیثیت سیکرٹری پاکستان ہاکی فیڈریشن صفائی پیش کی ہے کہ انہیں علیحدہ نہیں کیا گیا، بلکہ وہ خود ہی بین الاقوامی ہاکی سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ عاطف صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ کچھ افراد اس ریٹائرمنٹ کو سیاسی رنگ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ نیز یہ کہ ملک میں اچھے کھلاڑیوں کی کمی نہیں اور گذشتہ نیشنل چیمپین شپ میں ایسے جوہر قابل نظر آئے ہیں کہ وہ پاکستانی ٹیم میں جگہ لے سکیں گے۔

مجھے افسوس ہے کہ عاطف صاحب اپنی صفائی میں چند بنیادی حقائق گول کر گئے ہیں، جو اس طرح سے ہیں۔

۱۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ پاکستان ہاکی ٹیم ایشین گیمز کا فائنل ابھی کھیلنے بھی نہ پائی تھی کہ پاکستان ہاکی فیڈریشن کے صدر نے بیان دیا، "پاکستان ہاکی ٹیم سے آئندہ مقابلوں کے لئے چھ، سات کھلاڑیوں کو نکالنا پڑے گا، کیونکہ وہ اب پرانے ہو گئے ہیں"؟ صدر پاکستان ہاکی فیڈریشن کا یہ بیان کیا کھلاڑیوں کی "حوصلہ افزائی" کے لئے تھا یا اس سے ان کی دل شکنی مطلوب تھی۔ آئندہ آنے والے واقعات نے ثابت کیا ہے کہ شہناز اور اصلاح کو ایک پروگرام کے تحت پاکستان ہاکی ٹیم سے ریٹائر کیا گیا ہے ــــــــ مجھے صدر پاکستان ہاکی فیڈریشن کی دیانت پر ہرگز شبہ نہیں۔ میں انہیں کھیلوں کا دلدادہ سمجھتا ہوں، لیکن کسی فرد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے طور پر ایسے فیصلے دے جس سے بین الاقوامی طور پر ہاکی ٹیم متاثر ہو۔

کھلاڑیوں کو نکالنے کا آپریشن ابھی مکمل نہیں ہوا۔ جناب نور خان کا حالیہ بیان کہ پرتھ ٹورنامنٹ کے بعد پرفارمنس کی بنیاد پر منور الزمان، منظور الحسن اور سلیم شیروانی کو بھی قومی ٹیم سے سبکدوش کر دیا جائے گا، کیا قومی ہاکی کے مفاد میں ہے؟ کیا جناب عاطف یہ بتانا پسند کریں گے کہ ایک تجربہ کار اولمپک کھلاڑی چھ ماہ کے مختصر عرصہ میں تلاش کیا جا سکتا ہے؟

۲۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ان دو کھلاڑیوں کو پاکستان ہاکی فیڈریشن کے ممتاز عہدیدار نے یہ کہا ــــــ "وہ ہاکی سے سبکدوش ہو جائیں، تو انہیں ایک ایک لاکھ روپیہ دیا جائے گا"؟ کیا بریگیڈیئر عاطف نے نہیں کہا کہ ان کے اعزاز میں بینیفٹ میچ کروا کر انہیں نوازا جائے گا؟

۳۔ کیا یہ مناسب نہ تھا کہ وہ اپنی فٹنس کے ثبوت میں آزمائشی مقابلوں میں حصہ لیتے اور اگر ناکام ہوتے، تو سلیکشن کمیٹی انہیں ڈراپ کر دیتی۔

۴۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ صرف اصلاح کی وجہ سے دنیا کے بہترین پنلٹی کارنر لگانے والے مخالف کھلاڑی پاکستان کے خلاف گول نہ کر سکتے تھے؟ کیا اصلاح کی یہ تکنیک ایک منفرد حیثیت نہیں رکھتی؟ اصلاح میں اب بھی یہ صلاحیت بدرجۂ اتم موجود ہے۔ کیا پاکستان کے پاس اس تجربہ اور تکنیک کا کوئی اور کھلاڑی ہے؟

میری اور مجھ جیسے ہاکی کے اور شائقین کی یہ رائے خالصتاً حب الوطنی کے جذبہ پر مبنی ہے۔ ہمیں پاکستان کی کامیابی مطلوب ہے قوم کی دعائیں ہمیشہ ٹیم کے ساتھ ہوتی ہیں۔ میں اور میرے جیسے اور احباب اس جذبہ کے تحت اصلاح اور شہناز کی عدم موجودگی کو محسوس کرتے ہیں۔

مجھے خوشی ہے کہ ملک میں جوہر قابل موجود ہے اور خدا کرے کہ نئے کھلاڑی قوم کی امنگوں پر پورے اتریں۔

اصلاح اور شہناز کے فیصلے پر متفق نہ ہونے والوں کو سیاسی گروہ بندی کا طعنہ دینا اخلاقاً کہاں تک درست ہے۔ کیا وہ لوگ جنہوں نے ساری زندگی ہاکی کے لئے وقف کی۔ اس قابل نہیں کہ کسی فیصلے سے اختلاف کریں۔ سیاست کا طعنہ دینے والے حضرات اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ انہوں نے کس راستے سے ہاکی فیڈریشن کا اقتدار حاصل کیا ہے۔

نئے کھلاڑی بہت اچھے ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ انہیں لاہور، پشاور، راولپنڈی اور کراچی جیسے ہاکی کے اچھے مرکزوں میں بیرون ملک لے جانے سے قبل آزمائشی مقابلوں میں کھیلتے ہوئے دکھایا جاتے۔ جس سے ماضی کی روایات برقرار رکھی جا سکیں۔

سنٹر فارورڈ کے لئے قیصر اقبال، حسن سردار، انوار الحق اور بابر نیازی کو لیا گیا ہے۔ بابر پی آئی اے ٹیم کے ریزرو کھلاڑی ہیں۔ وہ اب تک شہناز کی جگہ لینے کے قابل نہیں ہو سکے، لیکن ٹیم میں آ گئے ہیں، انہیں ان کے بڑے بھائی طارق نیازی کی سفارش پر لیا گیا۔ نیازی صاحب حُسنِ اتفاق سے پاکستانی ٹیم کے کوچ ہیں۔

لیفٹ ان کی پوزیشن پر حنیف خاں، سعید، جان محمد اور لیاقت کو لیا گیا، حالانکہ سرگودھا کے محبوب اصغر اور ریلوے کے خواجہ اویس زیادہ بہتر اور ہونہار کھلاڑی تھے

قومی ٹیم کے انتخاب میں سلیکٹر صاحبان کی سوچ، دھڑے بندیاں، علاقائیت اور کنبہ پروری کے پیشِ نظر جو حضرات آ گئے آ لئے ہیں، انہیں دیکھتے ہوئے افسوس کے ساتھ یہ رائے قائم کرنا پڑتی ہے کہ پاکستان پرتھ ٹورنامنٹ میں اپنا مقام برقرار نہ رکھ سکے گا اور سلیکشن کمیٹی ملک اور قوم کی بدنامی کا باعث بنے گی۔

میں نے انتہائی دیانت داری سے اس سلیکشن کا جائزہ لیا ہے اور ہاکی سے اپنی طویل وابستگی، جذبہ حب الوطنی اور ملک و قوم کے بہترین مفاد میں غلطیوں کی نشان دہی کی ہے۔ میں جناب ایئر مارشل نور خاں صدر پاکستان ہاکی فیڈریشن سے ہاکی کے نام پر پرزور اپیل کرتا ہوں کہ وہ ان گذارشات کو ردی کی ٹوکری میں نذر نہ کر دیں، بلکہ ملک اور قوم کے بہترین مفاد میں ان پر غور کریں اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کا اہتمام کریں، تاکہ جن کھلاڑیوں سے ناانصافی ہوئی ہے، اس کا ازالہ ہو سکے۔ ملک کو حقیقی معنوں میں جوہر قابل میسر آ سکے اور ملک و قوم کی نیک نامی میں اضافہ ہو۔

یہ مسئلہ

ناانصافی کا ازالہ کیا جائے

۱۹۷۱ء کے ایک قانون کے مطابق ہر ڈاکٹر کے لیے دو سال فوج میں لازمی سروس کرنی پڑتی ہے۔ ہم نے ۱۹۷۱ء میں ایم بی بی ایس پاس کیا۔ ہمیں فوراً آرمی جوائن کرنے کا نوٹس دیا گیا۔ ہم نے فوراً اس آرڈر کی تعمیل کی اور آج دو سال پورے ہونے کے بعد آرمی سے فارغ ہو کر آتے ہیں تو بڑے ہسپتالوں میں ہر قسم کی تقرریوں کے لیے ہم سے ایک یا دو سال بعد میں پاس ہونے والوں کو ترجیح دی جا رہی ہے۔ اس وقت میو ہسپتال اور سروسز ہسپتال میں ایسے کئی ڈاکٹر تعینات ہیں، جنھوں نے نہ تو آرمی میں سروس کی اور نہ ہی رورل ایریا میں گئے۔

جو لوگ آرمی میں نہیں گئے ان میں سے اکثر غیر ممالک بھی جا چکے ہیں، جب کہ آرمی سے فارغ ہونے والوں کو "NOC" دینے میں لیت و لعل سے کام لیا جا رہا ہے۔ براہِ کرم اس ناانصافی کا ازالہ کیا جائے۔ (ڈاکٹر فضل الٰہی۔ ڈاکٹر سکندر بخت لاہور)

تنخواہ واگزار کرائی جائے

مَیں تھل ٹیوب ویل اسکیم ضلع مظفر گڑھ میں بطور فور مین عرصہ دراز تک ڈیوٹی انجام دیتا رہا ہوں۔ میری تنخواہ مورخہ ۱۸/۱۱/۷۵ سے محکمہ کے ایکسیئن صاحب نے بغیر کوئی وجہ بتائے بند کر دی۔ اس سلسلہ میں مَیں نے انصاف کے لیے اپنے متعلقہ افسران کو کئی درخواستیں دیں مگر نتیجہ صفر نکلا تقریباً دس درخواستیں جناب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر صاحب اور دو درخواستیں جناب گورنر صاحب پنجاب کو دیں۔ انہوں نے تمام درخواستیں جناب سیکرٹری صاحب ایریگیشن اینڈ پاور کو بھیج دیں، مگر صاحب موصوف نے آج تک جواب دینا گوارہ نہیں کیا۔ متعلقہ حکام سے درخواست ہے کہ میری تنخواہ واگزار کرائی جائے کہ اس کی بندش کے باعث فاقوں تک نوبت آن پہنچی ہے۔

(افتخار علی فور مین کندیاں، ضلع مظفر گڑھ)

یہ پولیس والے

راستے ونڈر ریلوے سٹیشن کے قریب مَیں ایک تانگہ پر سوار ہوا۔ تانگے والے نے اُس میں پوری سولہ سواریاں بھر لیں۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر مَیں نے کسی دوسرے تانگے میں سوار ہونے کا ارادہ کیا تو کوچوان نے بتایا کہ یہاں پہ کوئی بھی تانگے والا ... سے کم سواریاں نہیں بٹھائے گا۔ تھانیدار صاحب کا حکم ہے ... تانگے والا فی پھیرا دو روپے ادا کرے۔ کیا محکمہ انسدادِ بے رحمی حیوانات اور انسدادِ رشوت ستانی کے اربابِ اختیار اس امر کی طرف توجہ دیں گے؟ (حاجی ظہور الٰہی، رستم پارک، لاہور)

ترقیوں کے معیار پر نظرِ ثانی کی جائے

حالیہ سالانہ ترقیوں کا معیار قطعی غیر مناسب ہے۔ کیوں کہ بنک کی طرف سے ریکارڈ ڈیپازٹ اور منافع کے دعوؤں کے باوجود بنک انتظامیہ نے سٹاف کے معاملے میں انتہائی بخل سے کام لیا ہے۔ کیا ... بلین کا ٹارگٹ آسمانی قوتوں نے حاصل کیا ہے جو سٹاف کے ساتھ اس قسم کا ناروا سلوک روا رکھا گیا ہے۔ جس سٹاف نے بنک ... عروج تک پہنچایا ہے کیا اس کا یہ حق بھی نہیں کہ ان کی دلجوئی کی جائے (حبیب بنک سٹاف یونین لاہور زون)

سوئی گیس کا کنکشن دیا جائے

مَیں گذشتہ چھ سال سے اپنے گھر کے لیے سوئی گیس کا کنکشن حاصل کرنے کی کوشش میں ہوں، لیکن اب تک کامیابی نہیں ہوئی۔ مَیں نے آخری درخواست ۸ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو مینجنگ ڈائریکٹر ناردرن گیس پائپ لائنز لاہور کو بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ بھجوائی۔ مینجنگ ڈائریکٹر نے مجھے یہ جواب دیا کہ "بجٹ اور میٹریل مہیا ہونے پر میری درخواست پر غور کیا جائے گا۔ وفاقی وزیرِ ایندھن سے گذارش ہے کہ وہ اس سلسلے میں میری مدد کریں۔

(محمد انعام قریشی، شاہدرہ، لاہور)

بجلی مہیا کی جائے

ہمارے گاؤں دھریالہ ضلع جہلم ابھی تک بجلی کی سہولت سے محروم ہے، جبکہ اس کے قریبی گاؤں اڈیالہ میں بجلی پہنچ چکی ہے چیئرمین واپڈا سے درخواست ہے کہ ہمارے گاؤں کو بجلی فراہم کی جائے۔ (عبدالمجید بھٹی دھریالہ ضلع جہلم)

پکی گلیاں تعمیر کرائی جائیں

چمن پارک باغبانپورہ کی گلیاں کچی ہیں۔ علاقے کے لوگ مسلسل کئی سال سے ان کی پختہ تعمیر کا مطالبہ کر رہے ہیں، لیکن ہنوز کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ براہِ کرم جلد از جلد ان گلیوں کو پختہ کرنے کے احکام صادر فرمائے جائیں۔ (نائب صدر ویلفیئر سوسائٹی)

سڑک پختہ کی جائے

آپ کے مؤقر جریدے کی وساطت سے حکامِ بالا کی توجہ کالا باغ سے بتی سر جانے والی سڑک کی طرف دلانا چاہتے ہیں۔ ۱۹٫۵ کلو میٹر لمبی یہ سڑک ساری کی ساری کچّی ہے، جس سے اس علاقے کے لوگوں کو آمد و رفت کے سلسلے میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ براہِ کرم اس سڑک کو پختہ کیا جائے۔

(اراکین انجمن حقوق العباد کالا باغ)

ضلع چاغی کے مسائل حل کئے جائیں۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ضلع چاغی صوبہ بلوچستان کا مالامال صوبہ کہلاتا ہے، لیکن اس ضلع کے ساتھ جو سوتیلے بچوں جیسا سلوک کیا جا رہا ہے۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ پیپلز پارٹی کے دور میں بھی یہاں اسمگلنگ ہوتی تھی اور اب بھی ہو رہی ہے۔ محض دکھاوے کے طور پر بسوں کی چیکنگ ہوتی ہے، لیکن اندرونی طور پر بقول "مسلم قریشی" "اسمگلروں سے رابطے کے لئے آدمی مقرر ہیں۔ اپنے ہی ملک کی کوئی چیز بھی بغیر پرمٹ نہیں لائی جا سکتی اور پھر پرمٹ کا حصول بھی جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ امید ہے کہ حکومت یہاں کے حل طلب مسائل کی طرف فوراً توجہ دے گی (ایک واقفِ حال)

راشن کا کوٹہ مقرر کیا جائے

ہمارے گاؤں کے لیے ابتداء سے راشن کا کوٹہ نہیں دیا گیا۔ محکمہ فوڈ کے افسران سے کئی بار اس سلسلے میں رابطہ قائم کیا گیا، لیکن کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ وزیرِ خوراک سے درخواست ہے کہ اس سلسلے میں جلد حکم صادر فرمائیں۔

(ارشد رانا، چک ۲۳/۱ آر ضلع شیخوپورہ)

سٹریٹ لائٹ کا انتظام کیا جائے

افضال روڈ سانده کلاں کی مین سڑک ہے، کارپوریشن کے متعلقہ افسران کو کئی بار درخواستیں دی گئیں کہ اس سڑک پر لائٹ کا انتظام کیا جائے۔ لائٹ نہ ہونے کے سبب ٹریفک کے کئی حادثے رونما ہو چکے ہیں۔ لہٰذا چیئرمین صاحب لاہور کارپوریشن سے گذارش کی جاتی ہے کہ سٹریٹ لائٹ کا انتظام کر کے عوام کا دیرینہ مطالبہ پورا کیا جائے۔ (سیّد محمد داؤد، افضال روڈ سانده کلاں)

سرگودھا میں سڑکوں کی خستہ حالی

سرگودھا میں شہر سے کوٹ فرید اور رحمان پورہ کو جانیوالی سڑکوں کی تعمیر کو شروع ہوئے تین ماہ ہو چکے ہیں لیکن ابھی تک یہ تعمیر مکمل نہیں ہو سکی۔ اس کے علاوہ تعمیر شدہ حصّے میں ایسا ناقص میٹریل استعمال کیا گیا ہے کہ سڑکیں ابھی سے ٹوٹنا شروع ہو گئی ہیں۔ کمشنر سرگودھا ڈویژن سے درخواست ہے کہ اس دھاندلی کی طرف فوری توجہ دے کر اس عوامی مسئلے کا تدارک فرمائیں۔

(ایم اشرف، رحمان پورہ، سرگودھا)

بقایاجات ادا کیے جائیں

میں ۱۹۶۰ء میں آئی ڈی بی پی میں ملازم ہوا اور اپنی خدمات نہایت دیانتداری اور جذبۂ حب الوطنی سے انجام دے رہا تھا۔ اس زمانہ میں میرے علم میں زرِ مبادلہ کی چند دھاندلیاں اور بدعنوانیاں آئیں، جو آئی ڈی بی پی کے ڈائرکٹرز، اور وزارتِ خزانہ کے عہدہ داران کی ملی بھگت سے انجام پائی تھیں۔ میں نے اپنی رپورٹ ۱۶ اگست ۱۹۶۹ء کے ذریعے ان دھاندلیوں کا انکشاف کیا اور اس کی اطلاع مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو دی۔ نتیجہ میں بغیر کسی تحریری حکم یا قانون کے میری ماہانہ تنخواہ کی ادائیگی روک دی گئی اور پھر ۲۳ جون ۱۹۷۰ء کو اس وقت کے اٹارنی جنرل آف پاکستان مسٹر سیّد شریف الدین پیرزادہ کے مشورے کے مطابق مجھے ملازمت سے برخاست کر دیا گیا۔ اس برخاستگی کو اسٹیبلشمنٹ ڈویژن نے (Compulsory REM...L) قرار دے دیا ہے اور وزارتِ خزانہ کو بقایاجات کی ادائیگی کے سلسلے میں بھی لکھا ہے مگر ابھی تک کچھ نہیں ہوا۔ (کے اے جعفری، نیوز کراچی)

عدالتوں میں اسلامی قوانین کو مؤثر بنانے کیلئے تجاویز

صدرِ پاکستان محمد ضیاء الحق کے ۱۲ ربیع الاوّل کے اسلامی قوانین کی ابتدا کے اعلان کے بعد انہیں ہر شعبۂ زندگی میں نافذ کرنے کے لئے ممکن صورتوں میں ایک تجویز بھیج رہا ہوں۔

اس مسئلے کے حل کے لئے ضروری ہے کہ عربی مدارس سے مستند اسلامی قوانین کے ماہرین کی خدمات حاصل کی جائیں۔

مجسٹریٹ اور جج صاحبان کے کمرہ ہائے عدالت میں ان کے برابر شریعتِ اسلامی کے ماہرین کی نشستیں ہوں، جو اسلامی قوانین کے نفاذ کو سہل بنانے اور انہیں زندگی کے ہر پہلو میں جاری و ساری کرنے کے لئے عدالتوں کی رہنمائی کریں۔

(محمد اسلم، اروپ ضلع گوجرانوالہ)

ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے

پچھلے دنوں قرآن مجید، نظریۂ پاکستان، مفکر پاکستان اور بانیٔ پاکستان کی شان میں جوش کی دریدہ دہنی اور وضو، نماز اور علمائے کرام کے خلاف راؔمے کی ہرزہ سرائی پر ہر سچا پاکستانی تڑپ اٹھا لیکن عجیب بات ہے کہ نظامِ مصطفےٰ کے ٹھیکے دار اور عشقِ رسول صلعم کے اجارہ دار نورانی میاں مَنہیں پان اور نیازی میاں منہ میں گھنگنیاں ڈالے خاموش رہے، حالانکہ یہ حضرات قومی اتحاد کی ذرا ذرا سی باتوں پر لمبے لمبے بیان جھاڑتے، فتوے داغتے اور پریس کانفرنسیں رچاتے رہتے ہیں۔

میں مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبال کی زبان میں ''شیخ کلیسا نواز سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ کیسا تضاد ہے؟

(حیدر حجازی۔ قصور)

اب اُردو کو بھی نافذ کر دیجئے

پاکستان کے قیام سے اب تک انگریزی زبان کی اجارہ داری قائم ہے، جبکہ عوام کا مستقل مطالبہ ہے کہ بلا تاخیر اُردو کو رواج دیا جائے، مگر نوکر شاہی نے جو انگریزی زبان کو اپنے ذاتی تشخص کے لیے ناگزیر سمجھتی ہے۔ آج تک قومی زبان کو سرکاری دفاتر میں داخل نہیں ہونے دیا۔ اب وقت آگیا ہے، اُردو کو عملی طور پر فروغ دیا جائے اور دفاتر میں انگریزی ٹائپ رائٹر کی جگہ اُردو ٹائپ رائٹروں کو زیادہ استعمال میں لایا جائے (یونس اسرار عاجز، کراچی)

نوابانِ کالاباغ کے ظلم کا سدِباب کیا جائے

گزشتہ مارچ ۱۹۷۷ء کے الیکشن میں کالا باغ کے نوابوں ملک مظفر وغیرہ نے پیپلز پارٹی کی اعانت سے سینکڑوں افراد اغوا کیے تھے جن کو بیگار کیمپ میں مہینوں بند رکھا گیا۔ اس وقت بھی دو افراد قاضی غلام مرتضےٰ اور حافظ عبدالرحیم ان وڈیروں کی نجی جیلوں میں بند ہیں۔ اب جبکہ جزوی طور پر تعزیری حدیں نافذ ہو چکی ہیں۔ کالا باغ کے جاگیرداروں کے بے پناہ مظالم کے خلاف انکوائری کی جائے اور ان کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔

(قاضی امیر عبداللہ خان ایڈووکیٹ، میانوالی)

غیر مسلم اقلیتوں کے معاملات

آجکل ملک میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا چرچا ہے۔ اس موقع پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کے شخصی معاملات کا فیصلہ کس قانون کے تحت ہوگا۔ اگر ہم اہلِ کتاب اقلیت کو لیں، تو اس صورت میں ان کے شخصی معاملات کا فیصلہ ان کی کتاب میں دیے گئے قانون کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اس سلسلے میں جلد ہی کوئی وضاحت کی جانی چاہیئے۔ (محمد علی درّانی، لاہور)

بھٹو کو معاف نہ کیا جائے

گزشتہ کئی روز سے بھٹو صاحب کی سزا کا معاملہ زیرِ بحث ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بھٹو کو معاف کر دیا جائے۔ ان لوگوں کو وہ وقت بھول گیا، جب وہ مزدوروں پر گولیاں چلوا رہا تھا۔ طالب علموں کو ننگا کر کے سڑکوں پر گشت کروا رہا تھا اور علماء کی ڈاڑھیاں نچوا رہا تھا۔

میرے نزدیک تو یہ ظالم ان لوگوں کی مانند ہے، جس کے متعلق حضور صلعم نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ خانہ کعبہ کے غلافوں میں بھی لپٹے ہوئے ہوں، تو بھی ان کو قتل کر دیا جائے۔ وقت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بھٹو کے ساتھ نرمی نہ برتی جائے، کیونکہ قانون اور انصاف کے ساتھ بڑا ظلم ہوگا۔ (مرزا احمد علی، فیصل آباد)

لاؤڈ سپیکر کا غلط استعمال

ہفت روزہ ''زندگی'' کی وساطت سے ـــــ جناب محترم صدرِ مملکت کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے تمام جماعتوں کو مساجد اور دینی مدارس میں جلسے کے دوران لاؤڈ سپیکر کے استعمال ـــــ کی اجازت اس لئے دی ہے کہ سیاسی اور غیر سیاسی جماعتیں ملک میں اسلامی قوانین کی ترویج میں مدد دیں، مگر افسوس ـــــ ہے کہ مولانا شاہ احمد نورانی اور اصغر خان اس کا غلط استعمال کرتے ہوئے جماعتِ اسلامی اور دوسرے وزراء کرام پر بلا تحقیق الزام تراشی کرتے رہتے ہیں، جس سے ملک میں فرقہ وارانہ انتشار کو فروغ مل رہا ہے۔

(عبداللطیف، جنجوعہ لاج، کھاریاں شہر)

حالات بدتر نہیں، روبہ اصلاح ہیں

بعض مخصوص حلقوں کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ موجودہ دور میں حالات بھٹو کے دورِ حکومت سے بھی بدتر ہو گئے ہیں، لیکن اس کے برعکس عمومی تاثرات کچھ اس طرح ہیں کہ سابقہ حکمرانوں کے دور میں حکمران پارٹی کے سوا ہر شخص پر اپنی جان و مال عزت و آبرو، ملازمت اور کاروبار کے عدم تحفظ کا خوف طاری رہتا تھا، لیکن اب وہ خوف و ہراس کی کیفیت نہیں رہی۔

دراصل ہماری سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ ہم قومی سوچ کی بجائے ذاتی سوچ اور مخالفت برائے مخالفت کے عادی بن چکے ہیں، ہماری نظر میں حقیقت پسندی کی کوئی وقعت نہیں۔ اس لئے ہم نے موجودہ حکومت کے اچھے کاموں کو نظر انداز کر دیا ہے۔

(محمد خان اظہر ربانی، چکوال)

سیاسی ایٹم

محترم پیر صاحب پگارا نے حال ہی میں ارشاد فرمایا کہ ''آنے والا وقت مسلم لیگ کا ہوگا اور مسلم لیگ دن بدن مضبوط ہو رہی ہے''۔

نہ معلوم پیر صاحب کے ذہن میں ان دونوں باتوں سے کیا مراد تھی، لیکن یہ اندازہ ضرور ہوا کہ شاید پیر صاحب نے مسلم لیگ کو بھی ایٹم سمجھا ہے کہ اسے جتنے زیادہ حصوں میں تقسیم کیا جائے، اس کی مضبوطی میں اضافہ ہوگا خیر سے مسلم لیگ تین دھڑوں میں تو منقسم ہو چکی ہے اور اگر یہی اس کی مضبوطی کی دلیل ہے۔ تو یہ سلسلہ جاری رہے گا کہ تین سے چار اور چار سے پانچ مسلم لیگیں بنتی بڑھتی جائیں اور آنے والا وقت مسلم لیگ کا بھی رہے اور مسلم لیگ مضبوط بھی ہوتی جائے۔ (ظہیر احمد، کورنگی نمبر ۲، کراچی)

ایئر مارشل پر بلا جواز تنقید

گزشتہ روز پریس میں جماعت اسلامی پنجاب کے جنرل سیکرٹری چوہدری محمود احمد کا بیان نظر سے گزرا جس میں ایئر مارشل محمد اصغر خان کے بارے میں ناروا اور بے جواز تنقید روا رکھی گئی۔ ''زندگی'' کی وساطت سے اخبارات و جرائد سے دردمندانہ اپیل ہے کہ ایسی باتوں سے گریز کریں، جن سے تحریک استقلال کے کارکنوں کی دل آزاری ہو یا جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہو۔ (قمر نیازی موچھ، ضلع میانوالی)

زکوٰۃ کا نفاذ یکم رجب سے کیا جائے

۱۲ ربیع الاوّل کو صدرِ پاکستان نے عشر اور زکوٰۃ کے نفاذ کا اعلان کیا ہے اور ساتھ ہی ـــــ عوام سے رائے اور تجاویز بھی طلب کی ہیں۔

یہ بات انتہائی احسن ہوگی کہ اس کا اطلاق یکم رجب سے کیا جائے اور آئندہ سے مالی سال بھی یکم رجب ہی کو شروع کرنا چاہیئے۔

(محمد بشیر چغتائی قیمّ جماعتِ اسلامی، واہ کینٹ)

جوہر لائبریری قائم کرنے کا مطالبہ

ادارہ یادگارِ جگر کے بانی اور ممتاز سماجی و ادبی کارکن اکرام احمد نے حکومت سے اپیل کی ہے کہ یہ سال ''مولانا محمد علی جوہر صدی'' ہے اس لئے پاکستان کے ہر بڑے شہر میں مولانا محمد علی جوہر کے نام پر لائبریریاں قائم کی جانی چاہیئں۔

بلدیہ کراچی نے شاہ عبداللطیف بھٹائی، علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ اقبال، میرزا غالب، شہید ملت لیاقت علیخان کی قومی، مذہبی اور ادبی خدمات کے اعتراف میں ان کے ناموں پر لائبریریاں قائم کر کے ایک اچھی مثال قائم کی ہے۔ امید ہے اس اہم مسئلہ پر بلدیہ کے ایڈمنسٹریٹر جناب گیلانی خصوصی توجہ فرمائیں گے۔

(اکرام اللہ، ایوان تجارت روڈ کراچی)

مرزائیوں کا مسلمان اہل کاروں کے خلاف مذموم پراپیگنڈہ

قومی اتحاد کے ماہانہ اجتماع میں حکومتِ پاکستان سے پُرزور مطالبہ کیا گیا کہ قادیانی اپنے روزناموں، ہفت روزوں، ماہوار رسائل کے ذریعے ربوے میں متعین سرکاری افسروں اور مسلمان اہل کاروں کے خلاف انتہائی گھٹیا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ حال ہی میں ہفت روزہ ''لاہور'' کی اشاعت میں آر۔ ایم ربوہ کی شہرت کو نقصان پہنچانے کے لیے اور دیگر مسلمان افسروں اور کارکنوں کو بدنام کرنے کے لیے ان پر انتہائی شرمناک الزام عائد کیے گئے ہیں۔ جو واقعات و حالات ہفت روزہ مذکورہ نے شائع کیے ہیں۔ ان کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

دراصل یہ طریقۂ کار جان بوجھ کر اپنایا گیا ہے، تاکہ عوام الناس اور اربابِ اختیار کو یہ تاثر دیا جا سکے کہ مرزائیوں کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے (پاکستان قومی اتحاد، لالیاں ضلع سرگودھا)

R.L. No 7564
ZINDAGI
WEEKLY
PHONE : 413809
LAHORE